۱

۲۳ اعتراضات سیریز

اسراء و معراج

تفہیم و تبیین

جاوید احمد غامدی

(محمد حسن الیاس کے ساتھ ایک مکالمے کی روشنی میں لکھا گیا)

تالیف

سید منظور الحسن

غامدی سینٹر آف اسلامک لرننگ، المورد امریکہ

اسرا و معراج

تفہیم و تبیین

جاوید احمد غامدی

اسراو معراج

تفہیم و تبیین

جاوید احمد غامدی

(محمد حسن الیاس کے ساتھ ایک مکالمے کی روشنی میں لکھا گیا)

تالیف

سید منظور الحسن

(معاونت: شاہد محمود)

غامدی سینٹر آف اسلامک لرننگ، المورد امریکہ

جملہ حقوق محفوظ ہیں

ناشر: غامدی سینٹر آف اسلامک لرننگ، المورد امریکہ

طابع: شرکت پرنٹنگ پریس، لاہور

طبع دوم: جون 2025ء

قیمت: 1300 روپے

ISBN: 979-8-9886271-0-4

Address: 3620 N Josey Ln, Suite 230 Carrollton, TX 75007

Website: www.ghamidi.org

Email: info@ghamidi.org

فہرست

دیباچہ 9

تعارف 11

باب اول: اسرا و معراج: جناب جاوید احمد غامدی کا موقف 16

1۔ واقعۂ اسرا 18

2۔ واقعۂ قاب قوسین 28

3۔ واقعۂ سدرۃ المنتہیٰ 39

4۔ واقعۂ شق صدر اور معراج 45

خلاصۂ کلام 62

باب دوم: اسرا و معراج: روایتی نقطۂ نظر اور اُس کا تنقیدی جائزہ 64

بحث و استدلال کے بنیادی اصول 75

ایک واقعہ یا چار واقعات 79

جسمانی یا روحانی کی بحث میں قطعی دلیل 84

'رؤیا' سے مراد: روایتی موقف کا جائزہ 87

1۔ 'الرؤیا' کا معنی و مفہوم 96

عربی لغات 96

قرآن مجید 97

کتب احادیث 103

2۔ متنبی کے شعر سے استشہاد 107

3۔ راعی کے شعر سے استشہاد 119

4۔ 'سُبۡحٰنَ الَّذِیۡ' کے الفاظ کا مدعا 124

5۔ 'اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ' سے استدلال 131

6۔ حضرت عبد اللہ بن عباس کے اثر سے استدلال 138

7۔ 'فِتۡنَۃً لِّلنَّاسِ' سے استدلال 145

8۔ لوگوں کے ردِ عمل سے استدلال 152

رویتِ باری تعالیٰ 162

خلاصۂ مباحث 174

ضمیمہ جات 183

ضمیمہ 1: معراج کی روایات کے طرق کا جائزہ 185

ضمیمہ 2: معراج کی روایات کا تقابلی جائزہ 190

ضمیمہ 3: یونس کی حضرت انس سے روایت: بخاری، رقم 349 197

ضمیمہ 4: ہمام بن یحییٰ کی حضرت انس سے روایت: بخاری، رقم 3887 204

ضمیمہ 5:ابن شہاب زہری کی حضرت انس سے روایت: مسلم،433 215

ضمیمہ 6: قتادہ کی حضرت انس سے روایت: مسلم، رقم434 222

ضمیمہ 7: قتادہ کی حضرت انس سے روایت: نسائی، رقم448 227

ضمیمہ 8: ابن شہاب زہری کی حضرت انس سے روایت: ابن ماجہ، رقم1399 234

ضمیمہ 9: قتادہ کی حضرت انس سے روایت: ترمذی، رقم3346 236

ضمیمہ 10: ثابت البنانی کی حضرت انس سے روایت: مسلم، رقم429 238

ضمیمہ 11: صحاح کی پانچ بنیادی روایتوں کا تقابلی جدول 246

بسم الله الرحمن الرحيم

دیباچہ

”اسراو معراج“ کے زیرِ عنوان یہ تحریر استاذِ گرامی جناب جاوید احمد صاحب غامدی کے موقف کا بیان ہے۔ اِسے اُن کی ویڈیو سیریز ”غامدی صاحب کے فکر پر 23 اعتراضات کے جواب میں“ کی اقساط 34 تا 37 سے اخذ کیا گیا ہے۔ اِس سیریز میں روایتی مذہبی فکر کے وہ اعتراضات زیرِ بحث ہیں، جو غامدی صاحب کے افکار پر بالعموم کیے گئے ہیں اور جنھیں علما کی اجماعی آرا کے مقابل میں اُن کے تفردات کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ یہ در حقیقت قرآن و سنت اور حدیث و سیرت کے مختلف مباحث کی رائج تعبیرات ہیں۔ غامدی صاحب نے اِنھیں قرآن و سنت کے نصوص اور حدیث و سیرت کے حقائق کے خلاف قرار دے کر جزواً یا کلیتاً قبول کرنے سے انکار کیا ہے۔

اِس سلسلۂ مباحث میں سوال و جواب اور بحث و مکالمے کا اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ شریکِ گفتگو محمد حسن الیاس صاحب ہیں۔ اُنھوں نے تمام بحثوں کو بالاستیعاب ترتیب دے کر نہایت خوش اسلوبی سے استاذِ گرامی کے سامنے پیش کیا ہے۔ استاذِ گرامی نے جوابی گفتگو میں روایتی نقطۂ نظر کی تشریح کی ہے، اُس کے دلائل کا تجزیہ کیا ہے اور اُس کے مقابل میں اپنے موقف کو پوری وضاحت کے ساتھ پیش کر دیا ہے۔

راقم اِس سلسلۂ مباحث کو مقالات کی صورت میں تالیف کر رہا ہے۔ اِس کے لیے تفصیلی بحثیں اجزا میں تقسیم کی ہیں اور اشارات کی وضاحت اور اجمالی نکات کی تفصیل کی ہے۔ حسبِ موقع استاذِ گرامی کی تصانیف سے متعلقہ اقتباس نقل کیے ہیں۔ تشریح و توضیح اور تائید و تاکید کے لیے جلیل القدر اہل علم کی کتابوں کے حوالے بھی درج ہیں۔ مقصود یہ ہے کہ جو موضوعات آڈیو ویڈیو کی صورت میں دستیاب ہیں، وہ تحریری شکل میں بھی سامنے آجائیں تاکہ طلبہ اور محققین کے لیے اُن سے استفادہ آسان ہو جائے۔ جمع و ترتیب اور تحقیق و تدوین میں معاونت کے لیے شاہد محمود صاحب کی خدمات مختص ہیں۔ وہ یہ کام نہایت ذمہ داری سے انجام دے رہے ہیں۔

یہ مقالات استاذِ گرامی کے افکار کے بارے میں راقم کے فہم کا بیان ہیں، تاہم خوش نصیبی ہے کہ یہ اُن کی نظر ثانی سے بھی گزر رہے ہیں۔ اِس کے نتیجے میں فہم و بیان کے نمایاں تسامحات کی اصلاح ساتھ ساتھ ہو رہی ہے۔

دینی موضوعات پر استاذِ گرامی کے اعلیٰ علمی مباحث کو اُنھی کے مکالمات سے اخذ کر کے تحریر کرنا اور اِس مقصد کے لیے اُن کی اصولی رہنمائی کا میسر ہونا شرف و امتیاز کا باعث ہے۔ یہ پروردگار کی عظیم عنایت ہے، جو راقم کی اہلیت اور بساط سے یقیناً بہت بڑھ کر ہے۔ الحمد للہ۔

مذکورہ ویڈیو سیریز کی تشکیل اور اُس پر مبنی اِس سلسلۂ مقالات کی تالیف کا کام "غامدی سینٹر آف اسلامک لرننگ المورد، امریکہ" کے زیرِ اہتمام جاری ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ادارے اور افراد کی اِس اجتماعی کاوش کو قبول فرمائے۔ آمین۔

اکتوبر 2023ء

——منظور

تعارف

''اسرا و معراج''[1] کو رسالت مآب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم الشان معجزہ قرار دیا جاتا ہے۔ مفسرین، محدثین اور سیرت نگار اِسے سورۂ بنی اسرائیل (17) کی آیت 1 اور 60، سورۂ نجم (53) کی آیات 1 تا 18 اور کتبِ حدیث کی متعدد روایات کی بنا پر پیش کرتے ہیں۔ سورۂ بنی اسرائیل میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک رات مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ لے جایا گیا۔ اِس کا مقصد اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کا مشاہدہ کرانا تھا۔ سورۂ نجم میں بیان ہوا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام کو دو مرتبہ اُن کی اصل صورت میں دیکھا۔ ایک بار افق اعلیٰ پر اور دوسری بار سدرۃ المنتہیٰ کے مقام پر۔ افق اعلیٰ پر قاب قوسین (دو کمانوں کے برابر نزدیکی) کا واقعہ بھی رونما ہوا۔

احادیث میں جو واقعہ نقل ہوا ہے، اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک رات جبریل امین

---

[1] یہ تعبیر ہماری علمی روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مسجدِ اقصیٰ اور آسمانوں کے سفر کے لیے اختیار کی جاتی ہے۔ اِس میں ''اسرا'' سورۂ بنی اسرائیل کے الفاظ 'اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ' (لے گیا اپنے بندے کو) سے لیا گیا ہے، جب کہ ''معراج'' کا لفظ حدیث کے الفاظ 'عُرِجَ بِی الی السماء' (مجھے آسمانوں پر چڑھایا گیا) کی مناسبت سے اختیار کیا گیا ہے۔ معراج عربی زبان میں سیڑھی کو کہتے ہیں۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، آپ کا سینہ شق کیا اور اُسے علم و ایمان سے لبریز کر کے بند کر دیا۔ پھر برق رفتار جانور براق حاضر کیا گیا۔ آپ اُس پر سوار ہو کر بیت المقدس کی طرف عازمِ سفر ہو گئے۔ مختلف زمینی مقامات سے گزر کر بیت المقدس پہنچے۔ براق کو مسجد کے باہر کھونٹے سے باندھا اور ہیکل سلیمانی میں داخل ہو گئے۔ وہاں تمام انبیاے کرام پہلے سے نماز کے لیے موجود تھے۔ آپ نے امامت فرمائی اور سب انبیا نے آپ کی اقتدا میں نماز ادا کی۔ پھر آپ کی مہمان نوازی کے لیے دو پیالے پیش کیے گئے۔ ایک میں دودھ اور دوسرے میں شراب تھی۔ آپ نے دودھ نوش فرمایا۔ اِس کے بعد آسمان پر چڑھنے کے لیے ایک سیڑھی لائی گئی۔ اِس کے ذریعے سے آپ نے عالم بالا کی طرف عروج فرمایا۔ جبریل مسلسل آپ کے ہم راہ تھے۔ آپ درجہ بہ درجہ سات آسمانوں سے گزرے، جہاں آپ کی ملاقات مختلف انبیاے کرام —— حضرت آدم، حضرت ابراہیم، حضرت ادریس، حضرت یوسف، حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، حضرت یحییٰ، حضرت عیسیٰ علیہم السلام —— سے ہوئی۔ ساتویں آسمان سے گزر کر آپ مزید بلندی کی طرف گئے اور عالم ناسوت اور عالم لاہوت کی سرحد —— سدرۃ المنتہیٰ —— پر پہنچے۔ یہاں جبریل علیہ السلام کا سفر تمام ہوا اور آپ اکیلے آگے روانہ ہو گئے۔ بالآخر بارگاہِ الٰہی میں حاضری کا مقام آ گیا۔ آپ اللہ کے حضور میں حاضر ہوئے۔ اِس موقع پر باری تعالیٰ کی نہایت درجہ قربت (قاب قوسین) کا شرف حاصل ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو پچاس نمازوں کی فرضیت کی نعمت عطا فرمائی۔ یہ نعمت لے کر آپ واپس روانہ ہوئے۔ راستے میں ساتویں آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ اُنھوں نے اپنی قوم کے تجربے کی بنا پر نمازوں میں کمی کی درخواست کرنے کا مشورہ دیا۔ آپ نے مشورہ قبول کیا اور بارگاہِ الٰہی میں دوبارہ حاضر ہو کر نمازوں میں کمی کی استدعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے اُسے منظور کر کے کچھ تخفیف فرما دی۔ آپ نیچے آئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام

نے دوبارہ وہی مشورہ دیا۔ آپ پھر اوپر تشریف لے گئے۔ یہ عمل کئی بار دہرایا گیا، یہاں تک کہ نمازوں کی تعداد پانچ رہ گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک بار پھر وہی مشورہ دیا، مگر اب آپ نے واپس جانا مناسب نہیں سمجھا۔ اِس کے بعد آپ یہ عطیۂ خداوندی لے کر دنیا کی طرف روانہ ہو گئے اور تمام آسمانوں سے گزر کر بیت المقدس میں ورود فرمایا۔ یہاں انبیا نمازِ باجماعت کے منتظر تھے۔ آپ نے دوبارہ امامت فرمائی۔ اِس کے بعد آپ براق پر سوار ہو کر بیت الحرام میں واپس تشریف لے آئے۔

اِس سفر کے دوران میں آپ کو حوضِ کوثر، بیت المعمور اور جنت و جہنم کا مشاہدہ کرایا گیا۔ بعض علما کے نزدیک 'قاب قوسین' کے موقع پر آپ کو باری تعالیٰ کے دیدار کا شرف بھی حاصل ہوا۔ یہ تمام امور عالم بیداری میں پیش آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روحانی اور جسمانی، دونوں پہلوؤں سے اِن کا تجربہ اور مشاہدہ فرمایا۔[2]

یہ اُن تفصیلات کا خلاصہ ہے، جو ہماری علمی روایت میں ''اسرا و معراج'' کے زیرِ عنوان معلوم و معروف ہیں۔ اِنھیں قرآن کی تفاسیر، حدیث کی شروح، سیرت کی تالیفات اور دلائل النبوہ اور معجزات النبی کے موضوع پر مستقل کتب میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

استاذِ گرامی جناب جاوید احمد غامدی اسرا و معراج کے واقعات کو 'آیات من آیات اللہ' ——اللہ کی نشانیوں میں سے چند نشانیاں—— قرار دیتے اور اِن کے معجزانہ اور خارقِ عادت پہلوؤں پر یقین رکھتے ہیں۔ تاہم، وہ اِس معاملے میں روایتی تعبیر کو درست نہیں سمجھتے۔ اُن کے نزدیک اِس میں فہم و استدلال اور شرح و تفسیر کے سقم پائے جاتے ہیں۔ اِن کے نتیجے میں

---

[2] واقعۂ معراج کی اِن تفصیلات پر علما کا عمومی اتفاق ہے۔ تاہم، اِن میں سے بعض اجزا ایسی روایتوں پر مبنی ہیں، جنھیں محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ علما اِن کے ضعف کو تسلیم کرتے ہیں، مگر اِنھیں قرآنِ مجید اور صحیح احادیث کے تابع اور موافق سمجھتے ہوئے اِن کی قبولیت کے قائل ہیں۔

اسرا و معراج کی ایسی تعبیر سامنے آتی ہے، جو قرآن و حدیث کے مدعا و مفہوم کے مطابق نہیں ہے۔ چنانچہ اُنھوں نے اِس تعبیر کا تنقیدی جائزہ لیا ہے، اِس کے دلائل کا محاکمہ کیا ہے اور اِس کے مقابل میں اپنے موقف کی وضاحت کی ہے۔

یہ تصنیف اُن کے اِسی نقد و نظر اور اِسی موقف کا بیان ہے۔ اِس میں دو ابواب اور چند ضمیمہ جات شامل ہیں۔ پہلے باب کا عنوان ''اسرا و معراج: جناب جاوید احمد غامدی کا موقف'' ہے۔ اِس میں استاذِ گرامی کے نقطۂ نظر کو مثبت طور پر پیش کیا گیا ہے۔ اِس ضمن میں قرآن و حدیث کے نصوص کو نقل کر کے اُن کی تشریح کی ہے، واقعات کو اُن کے پس منظر کے ساتھ بیان کیا ہے، استدلال کی وضاحت کی ہے اور نتائج کو نکات کی صورت میں متعین کیا ہے۔ دوسرا باب روایتی موقف کے محاکمے پر مشتمل ہے۔ یہ ''اسرا و معراج: روایتی نقطۂ نظر اور اُس کا تنقیدی جائزہ'' کے زیرِ عنوان ہے۔ اِس میں پہلے روایتی تعبیر اور اُس کے دلائل اور نتائج کو ایجابی اسلوب میں بیان کیا ہے۔ اِس سلسلے میں اُس کے حاملین اور موید ین کے اقتباسات کو بنیاد بنایا ہے۔ پھر اجمالی طور پر وہ اصول پیش کیے ہیں، جن پر استاذِ گرامی کے تنقیدی استدلال کی اساسات قائم ہیں۔ اِس کے بعد ایک ترتیب سے جملہ دلائل اور نتائج پر جرح کی ہے اور اُن کے استقام کو واضح کیا ہے۔ اِس حصے میں درجِ ذیل عنوانات کے تحت بحث کی گئی ہے:

- بحث و استدلال کے بنیادی اصول
- ایک واقعہ یا چار واقعات
- رؤیا سے مراد —— روایتی موقف کا جائزہ
- جسمانی یا روحانی کی بحث میں قطعی دلیل
- 'الرؤیا' کا معنی و مفہوم

- متنبی کے شعر سے استشہاد کی حقیقت
- راعی کے شعر سے استشہاد کی حقیقت
- ’سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ‘ کے الفاظ کا مدعا
- ’اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ‘ سے استدلال کی حقیقت
- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے اثر سے استدلال
- ’فِتۡنَۃً لِّلنَّاسِ‘ کے الفاظ سے استدلال
- لوگوں کے ردِ عمل سے استدلال
- رؤیتِ باری تعالیٰ

آخری حصہ ضمیمہ جات پر مشتمل ہے۔ اِس میں علمی اور فنی تقاضوں کے پیشِ نظر مواد کے بعض اہم اجزا اور چند توضیحی مباحث شامل کیے ہیں۔ اِن سے مقصود یہ ہے کہ قارئین اگر مزید تنقیح کے خواہش مند ہوں یا بحث کے مصادر تک رسائی چاہیں تو اُنھیں سہولت فراہم ہو جائے۔

باب اول

اسرا و معراج

جناب جاوید احمد غامدی کا موقف

ہمارے روایتی نقطۂ نظر میں اسرا و معراج کو بالعموم ایک موقعے کا واقعہ قرار دیا جاتا ہے۔ قرآن و حدیث میں مذکور مختلف تفصیلات کو اُس کے اجزا کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ اِس کے نتیجے میں عام تصور یہی ہے کہ یہ ایک ہی موقعے کا سفر ہے، جو رات کے وقت عالم بیداری میں ہوا اور مسجدِ حرام سے شروع ہو کر مسجدِ اقصیٰ تک اور وہاں سے ملاے اعلیٰ تک پہنچ کر مکمل ہوا۔

استاذِ گرامی جناب جاوید احمد غامدی کے نزدیک یہ راے قرآن و حدیث کے نصوص کے خلاف ہے۔ اُن کا موقف یہ ہے کہ یہ ایک واقعہ نہیں، بلکہ چار مختلف واقعات ہیں، جو الگ الگ موقعوں پر، الگ صورتوں میں اور الگ حالتوں میں وقوع پذیر ہوئے ہیں۔ قرآن و حدیث کے متعلقہ مقامات اِن کی تفریق اور انفرادیت کو پوری طرح واضح کر دیتے ہیں۔ اِسی طرح یہ بھی درست نہیں ہے کہ یہ تمام واقعات عالم بیداری میں پیش آئے۔ اصل یہ ہے کہ اِن میں سے دو عالم رؤیا میں اور دو عالم بیداری میں رونما ہوئے ہیں۔

اِن میں سے ایک، ”واقعۂ اسرا“ ہے، جو قرآنِ مجید کی سورۂ بنی اسرائیل (17) میں بیان ہوا ہے۔ یہ عالم رؤیا میں پیش آیا ہے۔

دوسرا، ”واقعۂ قاب قوسین“ ہے، جو سورۂ نجم (53) کی آیات 1 تا 12 میں مذکور ہے۔ یہ عالم بیداری میں پیش آیا ہے۔

تیسرا، ”واقعۂ سدرہ“ ہے، جو سورۂ نجم (53) ہی کی آیات 13 تا 18 میں درج ہے۔ یہ بھی عالم بیداری میں پیش آیا ہے۔

چوتھا،[3] ”واقعۂ معراج“ ہے، جو صحیح بخاری کی روایت، رقم 7517 اور بعض دیگر روایتوں میں نقل ہوا ہے۔ یہ عالم رؤیا میں پیش آیا ہے۔

یہ چاروں واقعات من جانب اللہ ہیں۔ اِن کی نوعیت آیاتِ الٰہی کی اور اِن کی حقیقت وحی و الہام کی ہے۔ اِن میں مذکور اخبار و اطلاعات اور واقعات و مشاہدات کا تعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منصبِ نبوت و رسالت سے ہے۔ لٰہذا اِنھیں اُسی کے تناظر میں سمجھنا چاہیے اور اُسی کے لحاظ سے اِن کی شرح و تفسیر کرنی چاہیے۔ اِس معاملے میں فقط نصوص کی تفہیم تک محدود رہنا ضروری ہے۔ چنانچہ اِن کے بارے میں نہ کوئی خیال آرائی کرنی چاہیے، نہ اِنھیں داستاں سرائی کا موضوع بننا چاہیے اور نہ خام اور ناقص انسانی علوم و فنون اور تجربات و مشاہدات کو بنیاد بنا کر اِن کے انکار کی راہ ڈھونڈنی چاہیے۔

---

[3] یہ بیان کی ترتیب ہے، اِس سے زمانی ترتیب مراد نہیں ہے۔

1- واقعۂ اسرا

—— مسجدِ اقصیٰ کا سفر ——

1۔ سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ. (بنی سرائیل 17:1)

”ہر عیب سے پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو ایک راتوں رات مسجدِ حرام سے اُس دور کی مسجد تک لے گئی، جس کے ماحول کو ہم نے برکت دی ہے تاکہ اُس کو ہم اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں۔ بے شک، وہی سمیع و بصیر ہے۔“

2۔ وَمَا مَنَعَنَاۤ اَنۡ نُّرۡسِلَ بِالۡاٰیٰتِ اِلَّاۤ اَنۡ کَذَّبَ بِہَا الۡاَوَّلُوۡنَ ؕ وَاٰتَیۡنَا ثَمُوۡدَ النَّاقَۃَ مُبۡصِرَۃً فَظَلَمُوۡا بِہَا ؕ وَمَا نُرۡسِلُ بِالۡاٰیٰتِ اِلَّا تَخۡوِیۡفًا. وَاِذۡ قُلۡنَا لَکَ اِنَّ رَبَّکَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ؕ وَمَا جَعَلۡنَا الرُّءۡیَا الَّتِیۡۤ اَرَیۡنٰکَ اِلَّا فِتۡنَۃً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَۃَ الۡمَلۡعُوۡنَۃَ فِی الۡقُرۡاٰنِ. وَنُخَوِّفُہُمۡ ۙ فَمَا یَزِیۡدُہُمۡ اِلَّا طُغۡیَانًا کَبِیۡرًا. (بنی سرائیل 17:59-60)

”ہم کو عذاب کی نشانیاں بھیجنے سے اِسی بات نے روک رکھا ہے کہ اگلوں نے اُنھیں جھٹلا دیا تھا۔ ثمود کو ہم نے اونٹنی (اِسی طرح کی) ایک آنکھیں کھول دینے والی نشانی کے طور پر دی تھی، لیکن اُنھوں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور اُس کی تکذیب کر دی۔ (پھر نشانیاں بھیجنے سے کیا حاصل)؟ ہم نشانیاں اِسی لیے تو بھیجتے ہیں کہ (عذاب سے پہلے لوگوں کو اُن کے انجام سے) ڈرادیں۔ تم یاد کرو، جب ہم نے (اِسی تنبیہ و تخویف کے لیے) تم سے کہا تھا کہ تمھارے پروردگار نے اِن لوگوں کو گھیرے میں لے لیا ہے (اور یہ اُس کا مذاق اڑا رہے تھے)۔ اور ہم نے جو رؤیا تمھیں دکھایا، اُس کو بھی ہم نے (اِن کے اِسی رویے کی وجہ

سے)اِن لوگوں کے لیے بس ایک فتنہ بنا کر رکھ دیا اور اُس درخت کو بھی جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے۔ ہم تو اِن کے انجام سے اِنھیں ڈرا رہے ہیں، لیکن یہ چیز اِن کی سرکشی ہی میں اضافہ کیے جاتی ہے۔"

پس منظر

سورۂ بنی اسرائیل (17) کی آیت 1 میں 'مسجدِ حرام' سے مکہ کا بیت اللہ اور 'مسجدِ اقصیٰ' سے یروشلم کا بیت المقدس مراد ہے۔ یہ دونوں مسجدیں اللہ کے حکم سے تعمیر کی گئیں اور اِنھیں دنیا بھر کے لیے توحید کی دعوت کا مرکز بنایا گیا۔ چنانچہ یہ اپنے مقامات، یعنی مکہ اور فلسطین سمیت، ہمیشہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کی تحویل میں رہیں۔ بیت اللہ کی تولیت اور ام القریٰ مکہ کی امانت اولادِ اسمٰعیل کے سپرد ہوئی اور بیت المقدس کا انتظام و انصرام اور سرزمین فلسطین کا اقتدار بنی اسرائیل کو سونپا گیا۔ بنی اسمٰعیل میں جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی اور بنی اسرائیل کو دین کی دعوت اور شہادت کے منصب سے معزول کر دیا گیا[4] تو اللہ تعالیٰ نے ام القریٰ مکہ کے ساتھ فلسطین کی سرزمین کو بھی آپ اور آپ کی قوم

---

[4] سورۂ آل عمران (3) کی آیت 26 میں اللہ تعالیٰ نے اِسی تناظر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دعا کی ہدایت فرمائی۔ ارشاد ہے:

"(اِن کا عہد تمام ہوا، اِس لیے اب) تم دعا کرو کہ اے اللہ، بادشاہی کے مالک، تو جس کو چاہے، بادشاہی دے اور جس سے چاہے، یہ بادشاہی چھین لے؛ اور جس کو چاہے، عزت دے اور جس کو چاہے، ذلیل کر دے۔ تمام خیر تیرے ہی اختیار میں ہے۔ بے شک، تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔"

استاذِ گرامی نے اِس کے تحت حاشیے میں لکھا ہے:

"یہ بہ ظاہر ایک دعا ہے، لیکن غور کیجیے تو اِس میں بنی اسمٰعیل کے لیے ایک عظیم بشارت چھپی ہوئی ہے، اِس لیے کہ یہ دعا صاف اشارہ کر رہی ہے کہ تمام خیر کے مالک،

بنی اسمٰعیل کے حوالے کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ وہ پس منظر ہے، جس میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجدِ اقصیٰ لے جایا گیا۔

تفصیل

قرآن مجید میں یہ واقعہ اجمال کے ساتھ نقل ہوا ہے۔ نوعیت اور مقصد کے علاوہ دیگر تفصیلات کا ذکر نہیں ہے۔ جو باتیں مذکور ہیں، وہ درجِ ذیل ہیں:

پہلی بات یہ ہے کہ ایک رات اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ، یعنی سیکڑوں میل کے فاصلے پر قائم دور دراز[5] کی مسجد میں لے گئے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اِس لے جانے سے اللہ کا مقصد آپ کو اپنی کچھ غیر معمولی نشانیوں کا مشاہدہ کرانا تھا۔ اِس مفہوم کے لیے آیت میں 'لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا' (تاکہ اُس کو ہم اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں) کے الفاظ آئے ہیں۔ آیت میں اِن نشانیوں کی کوئی تفصیل نہیں کی گئی،[6] تاہم، سیاق و سباق کے قرائن اور قرآنِ مجید کے دیگر نظائر کی بنا پر قرینِ قیاس یہی ہے کہ اِن

پروردگارِ عالم نے فیصلہ کر لیا ہے کہ دنیا کی بادشاہی بنی اسمٰعیل کو دے دی جائے گی اور بنی اسرائیل کی کوئی مخالفت بھی اِس فیصلے کو تبدیل نہ کر سکے گی۔ اُن کے لیے ذلت ہی ذلت ہے۔ چنانچہ وہ اِس دنیا میں اب اگر رہیں گے تو بنی اسمٰعیل کے محکوم ہو کر رہیں گے، اِس کے سوا جینے کی کوئی دوسری صورت اُن کے لیے باقی نہیں رہی۔" (البیان 1 / 335)

[5] یہ حرم مکہ سے تقریباً 1300 کلو میٹر کے فاصلے پر اور کم و بیش 40 دن کی مسافت پر تھی۔ اِس کا تعارف اِسی بنا پر 'اَلْمَسْجِدِ الْاَقْصَا'، یعنی دور کی مسجد کے الفاظ سے کرایا ہے تاکہ مخاطبین کا ذہن آسانی سے اِس کی طرف منتقل ہو سکے۔

[6] اِس کی وجہ یہ ہے کہ نہ وہ نشانیاں انسانی علم و عقل کی گرفت میں آسکتی ہیں اور نہ الفاظ اُن کی تفصیل کا تحمل کر سکتے ہیں۔

سے مراد وہ آثار و شواہد اور انوار و برکات ہیں، جن سے اللہ کے یہ دونوں گھر معمور تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اِنھیں دکھانے کا مقصد، ممکنہ طور پر، یہی بشارت تھی کہ اب توحید کے اِن مراکز کی امانت آپ کو ملنے والی ہے۔ امام امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

''مقصود اِن (نشانیوں) کے دکھانے سے، ظاہر ہے کہ یہی ہو سکتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی یہ مرضی واضح ہو جائے کہ اب یہ ساری امانت ناقدروں اور بدعہدوں سے چھین کر آپ کے حوالے کی جانے والی ہے۔'' (تدبر قرآن 4/ 475)

تیسری بات یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک لے جانے اور آیاتِ الٰہی کا مشاہدہ کرانے کا یہ واقعہ رؤیا میں پیش آیا۔ سورۂ بنی اسرائیل کی آیت 60 کے الفاظ 'الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ' (ہم نے جو رؤیا تمھیں دکھایا) سے یہی بات متعین ہوتی ہے۔

اِن مذکور باتوں کا خلاصہ چند نکات میں یہ ہے:

1۔ یہ واقعہ رات کے اوقات میں رونما ہوا۔

2۔ اِس موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجدِ حرام میں موجود تھے۔

3۔ اللہ تعالیٰ آپ کو مسجدِ حرام سے ایک دور کی مسجد، یعنی بیت المقدس میں لے گئے۔

4۔ اِس لے جانے کا مقصد آپ کو اللہ کی کچھ نشانیوں کا مشاہدہ کرانا تھا۔

5۔ مشاہدے کے بعد آپ کو مسجدِ حرام میں واپس لایا گیا۔[7]

6۔ کم و بیش 80 دنوں کی دوطرفہ مسافت کا یہ سفر اور اللہ کی نشانیوں کا مشاہدہ ایک ہی رات میں مکمل ہوا۔

7۔ یہ واقعہ عالم رؤیا میں پیش آیا۔ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجدِ حرام میں سو رہے تھے اور اِسی حالت میں اللہ تعالیٰ نے یہ سفر کرایا۔[8]

---

[7] یہ بات کلام میں لفظاً مذکور نہیں، مگر اُس سے متبادر ہے۔

[8] رؤیا کے موضوع پر تفصیلی بحث آیندہ صفحات میں ''واقعۂ اسرا میں 'رؤیا' سے مراد —— روایتی

8۔ رؤیا کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے تمام سفر اور تمام مشاہدات جسمانی طور پر نہیں، بلکہ نفسی اور روحانی طور پر کیے۔

جو باتیں واقعے میں مذکور نہیں ہیں، وہ یہ ہیں۔

1۔ یہ ذکر نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خود لے کر گئے یا کسی فرشتے کو اِس کام کے لیے مقرر فرمایا۔

2۔ یہ ذکر نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سفر کسی سواری پر کیا یا آپ کے نفسی وجود نے اللہ کے حکم کی براہِ راست تعمیل کی۔

3۔ یہ ذکر نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کون کون سی نشانیاں دکھائی گئیں۔

4۔ یہ ذکر نہیں ہے کہ بیت المقدس کے اندر کیا واقعات پیش آئے۔

تفہیم

آیات کی توضیح و تفہیم کے اہم نکات درجِ ذیل ہیں:

اولاً، آیت 1 کا آغاز 'سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ' کے الفاظ سے ہوتا ہے اور اختتام 'اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ' کے جملے پر ہوتا ہے۔ اِن کے معنی ہیں: ''ہر عیب سے پاک ہے وہ ذات'' اور ''اللہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے''۔ 'السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ' کی صفات اصل میں 'سُبۡحٰنَ' کے لفظ کی توضیح ہیں۔ اِن سے واقعۂ اسرا کی غایت پوری طرح نمایاں ہو جاتی ہے۔ ''البیان'' میں لکھا ہے:

> ''آیت کے شروع میں لفظ 'سُبۡحٰن' جس پہلو سے آیا ہے، (سمیع و بصیر کی) یہ صفات اُس کی وضاحت کر رہی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ خدا ہی سمیع و بصیر ہے تو یہ اُسی کا کام تھا کہ اُن بد عہدوں کا محاسبہ کرے، جنھوں نے، سیدنا مسیح علیہ السلام کے الفاظ میں، اُس کے گھر کو چوروں کا بھٹ بنا ڈالا ہے۔ بنی اسرائیل اِس گھر میں جو کچھ کہتے اور کرتے رہے ہیں، اُس کو

موقف'' کے زیرِ عنوان کی گئی ہے۔

سننے اور دیکھنے کے بعد یہی ہونا تھا۔ چنانچہ خدا نے فیصلہ کر دیا ہے کہ اِس گھر کی امانت اب نبی امی کے حوالے کر دی جائے گی۔ آپ کو رات ہی رات میں مسجدِ حرام سے یہاں تک اِسی مقصد سے لایا گیا ہے۔ خدا ہر عیب سے پاک ہے، لہٰذا وہ کسی طرح گوارا نہیں کر سکتا تھا کہ ایک قوم کو لوگوں پر اتمام حجت کے لیے منتخب کرے اور اُس کی طرف سے اِس درجے کی سرکشی کے باوجود اُسے یوں ہی چھوڑے رکھے۔ ناگزیر تھا کہ پیشِ نظر مقصد کے لیے وہ کوئی دوسرا اہتمام کرے۔ اُس نے یہی کیا ہے اور عالمی سطح پر دعوت و شہادت کی ذمہ داری بنی اسمٰعیل کے سپرد کر دی ہے۔" (3/63)

ثانیاً، اِسی آیت کے الفاظ 'الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ' (جس کے ماحول کو ہم نے برکت دی ہے) سے واضح ہے کہ یہاں محض مسجدِ اقصیٰ کی تولیت مراد نہیں ہے، بلکہ اِس کے ساتھ اُس علاقے کا اقتدار بھی مراد ہے، جس میں یہ مسجد قائم ہے۔ اِسی طرح 'لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا' (تاکہ اُس کو ہم اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں) میں آیات کا اشارہ جن نشانیوں کی طرف ہے، اُن میں سرزمین فلسطین پر غلبہ بھی شامل ہے۔ استاذِ گرامی نے لکھا ہے:

"... ابراہیم علیہ السلام کی بابل سے ہجرت کے بعد اللہ تعالیٰ نے دو مقامات کا انتخاب کیا، جہاں خود اُس کے حکم سے دو مسجدیں تعمیر کی گئیں اور اُنھیں پورے عالم کے لیے توحید کی دعوت کا مرکز بنا دیا گیا۔ ایک سرزمین عرب اور دوسرے فلسطین۔ اِن میں سے پہلا مقام وادیِ غیر ذی زرع اور دوسرا انتہائی زرخیز ہے۔ قدیم صحیفوں میں اِسی بنا پر اُسے دودھ اور شہد کی سرزمین کہا گیا ہے۔ 'الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ' کے الفاظ سے قرآن نے اِسی طرف اشارہ کیا ہے اور اِس طرح بالکل متعین کر دیا ہے کہ دور کی جس مسجد کا ذکر ہو رہا ہے، وہ یروشلم کی مسجد ہے۔...

('لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا' میں نشانیوں سے مراد ہے کہ) اِس بات کی نشانیاں کہ حرم مکہ کے ساتھ اب فلسطین کی سرزمین اور اُس کی امانت بھی بنی اسمٰعیل کے سپرد کر دی جائے گی۔"

(البیان 3/62)

ثالثاً، آیت 59 میں اللہ نے واضح کیا ہے کہ کیا وجہ ہے کہ وہ کفارِ قریش کی تنبیہ و تخویف

کے لیے مزید نشانیاں نازل نہیں فرمارہے۔ اِس کا سبب یہ بتایا ہے کہ جب بھی اُنھوں نے اِس نوعیت کی نشانیاں نازل فرمائی ہیں تو لوگوں نے اِن سے تنبیہ و تخویف حاصل کرنے کے بجاے اِن کی تکذیب کی ہے اور اِن کا مذاق اڑایا ہے۔ اِس ضمن میں بہ طورِ مثال، سابقہ اقوام میں سے قوم ثمود کی طرف بھیجی گئی نشانی کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ اللہ نے اونٹنی کو اپنی نشانی مقرر فرمایا تو لوگوں نے اُس کو جھٹلا دیا۔

رابعاً، آیت 60 بھی اِسی سیاق میں ہے۔ اِس میں قریش کے سامنے بیان کی گئی تین نشانیوں کی مثال دی ہے۔ اِن میں سے ایک مکہ کو گھیرے میں لینے کی ہے،[9] دوسری واقعۂ اسرا کی اور تیسری شجرۂ ملعونہ[10] کی ہے۔ اِن کا حوالہ دے کر بتایا ہے کہ قریش کا رویہ بھی اِس

---

[9] یہ اُن آیات کی طرف اشارہ ہے، جن میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی تھی کہ سرزمین مکہ کو اب ہم اُس کے اطراف سے کم کرتے ہوئے اُس کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ یہ اُس انجام کی صریح پیشین گوئی اور اُس کے حوالے سے قریش کو تنبیہ تھی، جس سے وہ فتح مکہ کے موقع پر دوچار ہوئے۔ ملاحظہ ہو: الرعد 13: 41۔ الانبیاء 21: 44۔

[10] اِس سے جہنم کا درخت شجرۂ زقوم مراد ہے۔ اِس کے بارے میں ”البیان“ کا نوٹ ہے:

”... جس میں نہ سایہ ہوگا نہ پھل، بلکہ کانٹوں کا ایک ڈھیر ہوگا، جس کو دوزخی بھوک سے بے تاب ہو کر کھائیں گے تو اُن کے پیٹ میں وہ ایسی آگ لگا دے گا، جیسے اُن کے پیٹ میں پانی کھول رہا ہو۔ اِس درخت کی یہی صفت ہے، جس کے لیے آیت میں ’مَلْعُوْنَة‘ کا لفظ آیا ہے۔ یعنی اُس کو خدا نے پھول، پھل اور سایے کی برکتوں والا نہیں بنایا، بلکہ اِن سب چیزوں سے محروم کر کے اپنی لعنت کا ایک نشان بنا دیا ہے۔ قرآن نے لوگوں کی تنبیہ و تخویف کے لیے جب اِس کا ذکر کیا تو قریش کے لال بجھکڑوں نے اِس کو بھی استہزا کا موضوع بنا لیا اور کہا کہ ذرا اِس شخص کو دیکھو، ایک طرف کہتا ہے کہ دوزخ میں ایسی آگ ہوگی، جو پتھروں کو جلا دے گی اور دوسری طرف اُسی زبان سے خبر دے رہا ہے کہ وہاں درخت بھی اگتے ہیں۔“ (3/ 94-95)

معاملے میں سابق اقوام سے مختلف نہ تھا۔ اُنھوں نے بھی آیاتِ الٰہی کی تکذیب اور تضحیک کا بدترین رویہ اختیار کیا۔ چنانچہ یہ نشانیاں نہ اِن کے لیے تنبیہ و تخویف کا باعث بن رہی ہیں اور نہ ایمان و اسلام کا، بلکہ اِن سے اِن کی سرکشی ہی میں اضافہ ہو رہا ہے۔

مذکورہ تین مثالوں میں سے دوسری مثال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مسجدِ اقصیٰ کے سفر کی ہے۔ اِس سفر میں یہ اشارہ مضمر تھا کہ اب مکہ اور اُس کی مسجدِ حرام اور فلسطین اور اُس کی مسجدِ اقصیٰ، دونوں کی امانت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو منتقل ہونے والی ہے۔ اِس کا کفارِ قریش نے مذاق اڑایا اور تنبیہ و تخویف کی ایک عظیم نشانی کو اپنے لیے فتنہ بنا ڈالا۔ استاذِ گرامی اِس حوالے سے لکھتے ہیں:

> ”یہ اشارہ واقعۂ اسرا کی طرف ہے، جس کا ذکر سورہ کی ابتدا میں ہوا ہے۔ اِس میں چونکہ قریش اور بنی اسرائیل، دونوں کے لیے یہ تنبیہ مضمر تھی کہ مسجدِ حرام کے ساتھ اب بیت المقدس کی امانت بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کی جارہی ہے، اِس لیے اِس کا بھی مذاق اڑایا گیا کہ لیجیے، اب یہ بیت المقدس پر بھی قبضہ کرنے جارہے ہیں۔ یہاں تک کہ استاذ امام کے الفاظ میں، جو چیز اُن کی تنبیہ و تخویف اور اُن کو اِن کے مستقبل سے آگاہ کرنے کے لیے تھی، وہ اُن کی شامتِ اعمال سے اُن کے لیے فتنہ بن کے رہ گئی۔“

(البیان 3/ 94)

خامساً، رؤیا عربی زبان کا نہایت معروف اور مستعمل لفظ ہے۔ عربی میں یہ نیند میں دیکھنے کے معنوں میں ایسے ہی استعمال ہوتا ہے، جیسے ہم انگریزی، ہندی اور اردو میں ڈریم (Dream)، سپنا اور خواب کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ اِس کے شعر و ادب میں خواب کا مفہوم ادا کرنے کے لیے اِسی لفظ کو اختیار کیا جاتا ہے۔ عربی لغات میں اِس کے یہی معنی درج ہیں۔ احادیث میں یہ کم و بیش سات سو مقامات پر استعمال ہوا ہے اور ہر جگہ اِسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ قرآنِ مجید میں بھی یہ مختلف سورتوں میں سات مرتبہ آیا ہے۔ ہر موقع پر اِس سے خواب ہی مراد ہے۔ اِس لفظ کے معنی و مفہوم کا اگر یہ معاملہ ہے تو پھر ضروری ہے

کہ مذکورہ آیت میں اِسے خواب ہی کے معنوں میں لیا جائے اور اِس کے لازمی نتیجے کے طور پر اسرا کے سفر کو جسمانی نہیں، بلکہ روحانی سفر پر محمول کرنا چاہیے۔

سادساً، تاہم اِس رؤیا سے وہ خواب مراد نہیں ہے، جو انسانوں کا روزمرہ تجربہ ہے۔ ہرگز نہیں، یہ وہ رؤیا ہے، جو وحی الٰہی کی ایک قسم ہے اور جس سے صرف انبیاے کرام ہی مستفیض ہو سکتے ہیں۔ عام انسانوں کا اِس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ انبیاے کرام کو جو کچھ رؤیا میں دکھایا جاتا ہے، وہ صادق، نفس الامر کے مطابق اور مبنی بر حقیقت ہوتا ہے اور بعض اوقات بیداری میں بہ چشم سر دیکھنے سے بھی زیادہ واضح اور آشکار ہوتا ہے۔ امام امین احسن اصلاحی اِس نوعیت کے رؤیا کے بارے میں لکھتے ہیں:

"... حضرات انبیا علیہم السلام کو جو رؤیا دکھائی جاتی ہے، وہ رویاے صادقہ ہوتی ہے۔ اِس کے متعدد امتیازی پہلو ہیں، جو ذہن میں رکھنے کے ہیں۔

پہلی چیز تو یہ ہے کہ رؤیاے صادقہ وحی الٰہی کے ذرائع میں سے ایک ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں اور رسولوں پر جس طرح فرشتے کے ذریعے سے کلام کی صورت میں اپنی وحی نازل فرماتا ہے، اُسی طرح کبھی رؤیا کی صورت میں بھی اُن کی رہنمائی فرماتا ہے۔

دوسری چیز یہ ہے کہ یہ رؤیا نہایت واضح، غیر مبہم اور روشن صورت میں 'کَفَلَقِ الصُّبْحِ' ہوتی ہے، جس پر نبی کو پورا شرح صدر اور اطمینانِ قلب ہوتا ہے۔ اگر اِس میں کوئی چیز تمثیلی رنگ میں بھی ہوتی ہے تو اِس کی تعبیر بھی اللہ تعالیٰ اپنے نبی پر واضح فرما دیتا ہے۔

تیسری چیز یہ ہے کہ جہاں واقعات و حقائق کا مشاہدہ کرانا مقصود ہو، وہاں یہی ذریعہ نبی کے لیے زیادہ اطمینان بخش ہوتا ہے، اِس لیے کہ اِس طرح واقعات کی پوری تفصیل مشاہدہ میں آ جاتی ہے اور وہ معانی و حقائق بھی ممثل ہو کر سامنے آ جاتے ہیں، جو الفاظ کی گرفت میں مشکل ہی سے آتے ہیں۔

چوتھی چیز یہ ہے کہ رؤیا کا مشاہدہ چشم سر کے مشاہدہ سے زیادہ قطعی، زیادہ وسیع اور اُس سے ہزارہا درجہ عمیق اور دور رس ہوتا ہے۔ آنکھ کو مغالطہ پیش آ سکتا ہے، لیکن رؤیاے صادقہ مغالطہ سے پاک ہوتی ہے۔ آنکھ ایک محدود دائرہ ہی میں دیکھ سکتی ہے،

لیکن رؤیا بہ یک وقت نہایت وسیع دائرہ پر محیط ہو جاتی ہے۔ آنکھ حقائق و معانی کے مشاہدے سے قاصر ہے، اِس کی رسائی مرئیات ہی تک محدود ہے، لیکن رؤیا معانی و حقائق اور انوار و تجلیات کو بھی اپنی گرفت میں لے لیتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تجلی الٰہی اپنی آنکھوں سے دیکھنی چاہی، لیکن وہ اُس کی تاب نہ لا سکے۔ برعکس اِس کے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شبِ معراج میں جو مشاہدے کرائے گئے، وہ سب آپ نے کیے اور کہیں بھی آپ کی نگاہیں خیرہ نہیں ہوئیں۔" (تدبر قرآن 4 / 475-476)

اِس تفصیل سے واضح ہے کہ یہ ایک باقاعدہ سفر تھا، اللہ تعالیٰ کے اہتمام میں تھا اور اِس کے دوران میں جو کچھ آپ نے مشاہدات فرمائے، وہ حقیقی، قطعی اور یقینی تھے۔

سابعاً، سورۂ بنی اسرائیل کی درجِ بالا آیات کے الفاظ اور اسالیب بات کی تکمیل پر دلالت کرتے ہیں۔ قرآنِ مجید میں کسی اور مقام پر اِس سے متعلق کوئی اضافی یا ضمنی بات بھی مذکور نہیں ہے۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ اِسے ایک متعین، منفرد اور مکمل واقعے کی حیثیت سے قبول کیا جائے اور قرآن و حدیث کے کسی دوسرے واقعے کو اِس کے ساتھ جوڑنے کی سعی نہ کی جائے۔

2-واقعۂ قاب قوسین

——دو کمانوں کے برابر فاصلہ——

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰی. مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَمَا غَوٰی. وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی. اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی. عَلَّمَهٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی. ذُوْ مِرَّةٍ فَاسْتَوٰی. وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰی. ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی. فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی. فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰی. مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی. اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰی مَا یَرٰی.(النجم 53:1-12)

"تارے گواہی دیتے ہیں، جب وہ گرتے ہیں کہ تمھارا رفیق نہ بھٹکا ہے، نہ بہکا ہے۔ وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتا، یہ (قرآن) تو ایک وحی ہے، جو اُسے کی جاتی ہے۔ اُس کو ایک زبردست قوتوں والے نے تعلیم دی ہے، جو بڑا صاحب کردار، بڑا صاحب حکمت ہے۔ چنانچہ وہ نمودار ہوا، اِس طرح کہ وہ آسمان کے اونچے کنارے پر تھا۔ پھر قریب ہوا اور جھک پڑا، یہاں تک کہ دو کمانوں کے برابر یا اُس سے کچھ کم فاصلہ رہ گیا۔ پھر اللہ نے وحی کی اپنے بندے کی طرف جو وحی کی۔ جو کچھ اُس نے دیکھا، وہ دل کا وہم نہ تھا۔ اب کیا تم اُس چیز پر اُس سے جھگڑتے ہو، جو وہ آنکھوں سے دیکھ رہا ہے؟"

پس منظر

سورۂ نجم کی یہ آیات کہانت کے اُس الزام کی تردید میں نازل ہوئی ہیں، جو قریش کے

لیڈر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر لگاتے تھے۔ اِس کی تفصیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب لوگوں کو قرآن سناتے تو وہ اُس کے اسلوب کی ندرت، اُس کی زبان کے اعجاز اور اُس کے بیان کی حلاوت سے مسحور ہو جاتے۔ اِسی طرح آپ اُنھیں نزولِ وحی کے بارے میں اپنے تجربات و مشاہدات سے بھی آگاہ فرماتے تھے۔ اِس کے نتیجے میں لوگ فطری طور پر آپ کی طرف مائل ہو جاتے تھے۔ قریش کی قیادت کو یہ گوارا نہ تھا کہ لوگ آپ کی طرف متوجہ ہوں اور آپ کے کلام کو من جانبِ اللہ ماننے لگ جائیں۔ اِس صورت حال میں اُنھیں اپنی بقا کا یہی راستہ نظر آیا کہ آپ کی زبان پر جاری ہونے والے کلام اور اُس کے نزول سے متعلق لوگوں میں بد اعتمادی پیدا کریں۔ اِس مقصد کے لیے جہاں اُنھوں نے آپ کو شاعر اور مجنون کہا، وہاں یہ بھی کہنا شروع کر دیا کہ آپ، معاذ اللہ، کاہن اور منجم ہیں۔ دلیل یہ تھی کہ آپ کا کلام مسجع و مقفیٰ بھی ہے، اِس میں غیب کی خبریں بھی ہیں اور اِسے آسمانی فرشتوں سے منسوب بھی کیا جاتا ہے۔ یہ دلیل ظاہر ہے کہ اِس بنا پر تھی کہ کاہن اور منجم منظوم اور مسجع منتر پڑھتے تھے، مستقبل کا حال بتاتے تھے اور اپنی اِن خرافات کو جنات اور آسمانی روحوں کا القا قرار دیتے تھے۔

اِس اتہام و الزام کے جواب میں قرآنِ مجید نے قریش مکہ کو مخاطب کیا اور بہ دلائل اُن کے باطل خیالات کی تردید فرمائی۔ اِس ضمن میں اِن حقائق کو نمایاں کیا گیا:

ایک حقیقت یہ واضح فرمائی کہ اے قریش مکہ، تمھارے یہ رفیق (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نہ بھٹکے ہیں اور نہ بہکے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ تمھارے یہ ہم نشیں جو اِس وقت نبوت کا اعلان کر رہے ہیں، تمھی میں پیدا ہوئے اور تمھی میں پروان چڑھے ہیں۔ اِن کی تمام عمر تمھارے ساتھ گزری ہے۔ اِن کی صفات اور اِن کا ماضی و حال تمھارے سامنے ہے۔ اِسی بنا پر تم اِنھیں صادق اور امین کہتے اور اِن کے اخلاق و کردار کے قصیدے پڑھتے رہے ہو۔ اب جیسے ہی اِنھوں نے نبوت کا اعلان کیا ہے تو تم اِنھیں کاہن قرار دے کر، معاذ اللہ، بھٹکا ہوا اور بہکا ہوا قرار دے رہے ہو۔ یہ سراسر بہتان ہے۔ جان رکھو کہ نہ اِنھوں نے راہ گم کی ہے اور نہ راستے

سے بھٹکے ہیں۔ یہ اپنے پروردگار کی صراطِ مستقیم پر گام زن ہیں۔ بھٹکے ہوئے تو تم ہو، جو سب کچھ جانتے بوجھتے اِنھیں کاہن اور منجم کہہ کر اِن کی نبوت کا انکار کر رہے ہو۔

دوسری بات یہ فرمائی ہے کہ اے قریش، تمھارے یہ رفیق (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) جو قرآن تمھارے سامنے پڑھتے ہیں، اُس کا تعلق نہ اُن کی اپنی ذات سے ہے اور نہ نفس کی خواہشوں سے ہے۔ یہ کلام الٰہی ہے، جو تمھاری ہدایت کے لیے نازل کیا گیا ہے۔ یہ اللہ کی وحی کی صورت میں پیغمبر تک پہنچتا ہے اور وہ اِس میں کوئی ردو بدل، کوئی ترمیم و اضافہ نہیں کرتے۔

تیسری بات یہ ارشاد کی ہے کہ وحی کی یہ تعلیم حضرت جبریل علیہ السلام جیسے زبردست قوتوں والے جلیل القدر فرشتے نے دی ہے۔ وہ شدید القویٰ ہے، یعنی اِس کام کے لیے تمام اعلیٰ صفات سے متصف اور غیر معمولی قوت و صلاحیت کا حامل ہے۔ آسمانوں سے زمین تک کے سفر میں نہ کوئی اُس کی بات کو اچک سکتا ہے اور نہ اُس میں در اندازی کی ہمت کر پاتا ہے۔ وہ باکردار اور صاحبِ حکمت و دانش بھی ہے۔ اِن اوصاف کی وجہ سے وہ اللہ کے رسول تک ٹھیک وہی پیغام، وہی علم اور وہی تعلیم پہنچاتا ہے، جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے اُسے دیا ہے۔ وہ اُس میں کوئی تصرف نہیں کرتا۔ کوئی فرشتہ، کوئی جن، کوئی انسان یا کائنات کی کوئی اور مخلوق اُسے مرعوب کر کے یا دھوکا دے کر اُس سے اِس کام میں غلطی کا ارتکاب بھی نہیں کرا سکتی۔[11]

امام امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

”...اُس (فرشتے) کی ہر صفت و صلاحیت نہایت محکم و مضبوط ہے۔ اِس امر کا کوئی

---

[11] سورۂ تکویر میں حضرت جبریل علیہ السلام کی صفات کو اِن الفاظ میں بیان فرمایا ہے: 'اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ. ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ. مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ'، ”بے شک، یہ ایک رسولِ کریم کا لایا ہوا کلام ہے، بہت صاحبِ قوت، عرش والے کے ہاں بہت بلند مرتبہ، اُس کا حکم وہاں مانا جاتا ہے اور وہ نہایت امین بھی ہے“ (21-19:81)۔

امکان نہیں ہے کہ کوئی دوسری روح اُس کو متاثر یا مرعوب کر سکے، اُس سے خیانت کا ارتکاب کرا سکے یا اُس کی تعلیم میں کوئی خلطِ مبحث کر سکے یا اُس سے کوئی فروگذاشت ہو سکے یا اُس کو کوئی وسوسہ لاحق ہو سکے۔ اِس طرح کی تمام کمزوریوں سے اللہ تعالیٰ نے اُس کو محفوظ رکھا ہے تاکہ جو فرض اُس کے سپرد فرمایا ہے، اُس کو وہ بغیر کسی خلل و فساد کے پوری دیانت و امانت کے ساتھ ادا کر سکے۔...

وہ اپنی عقل اور اپنے کردار میں نہایت محکم ہے۔ اِس کا امکان نہیں ہے کہ وہ کوئی دھوکا کھا سکے یا کوئی اُس کو دھوکا دے سکے یا وہ کسی کے ہاتھ بک سکے اور کوئی اُس کو خرید سکے۔" (تدبر قرآن 8/ 53-54)

تفصیل

اِس پس منظر میں وہ واقعہ بیان ہوا ہے، جب حضرت جبریل علیہ السلام پہلی مرتبہ اپنی اصل صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آئے۔

اِس کی جو تفصیل آیات سے مفہوم ہوتی ہے، وہ یہ ہے:

* واقعے کا آغاز اِس طرح ہوا کہ جبریل امین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے افق اعلیٰ پر نمودار ہوئے۔[12] آیت کے اسلوب سے واضح ہے کہ وہ اپنی اصل صورت میں[13] اور پورے قد و قامت کے ساتھ ظاہر ہوئے[14] اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حالتِ بیداری میں

---

[12] یعنی افق کا وہ بالائی کنارہ جو زمین کے اوپر بالکل سیدھی سمت میں ہوتا ہے، جہاں چودھویں رات کا چاند پوری تابانی کے ساتھ نظر آتا ہے یا جہاں سورج نصف النہار کے وقت قائم ہوتا ہے۔

[13] یہ اُن کا معمول نہ تھا۔ عام طور پر وہ انسانی شکل میں یا کسی اور صورت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لاتے تھے۔

[14] روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کا قد و قامت ایسا تھا، گویا اُس نے پورے آسمان کا احاطہ کیا ہو

کھلی آنکھوں سے اُن کا مکمل مشاہدہ کیا۔ ''البیان'' میں ہے:

''اصل میں 'الْاُفُقُ الْاَعْلٰی' کے الفاظ آئے ہیں، یعنی وہ افق جو سمتِ راٗس میں ہوتا ہے۔ یہ پہلی وحی اور جبریل امین کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی ملاقات کا ذکر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ بالکل جلی اور غیر مشتبہ صورت میں اِس طرح نمودار ہوئے، جس طرح ماہِ تمام یا مہرِ نیم روز نمودار ہوتا ہے اور پیغمبر نے کھلی آنکھوں کے ساتھ اُن کا مشاہدہ کیا۔''(65/5)

*پھر وہ زمین پر موجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھکے۔ یعنی پورے التفات، بھرپور اہتمام اور کمال شفقت کے ساتھ آپ کی طرف متوجہ ہوئے۔[15] استاذِ گرامی نے لکھا ہے:

''('ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی' پھر قریب ہوا اور جھک پڑا)۔ یہ اُس التفات و اہتمام اور غایت شفقت کا بیان ہے، جس کے ساتھ جبریل امین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلیم دی

اور اُن کے 6 سو سے زیادہ پر تھے۔

[15] امام امین احسن اصلاحی نے اِس کی مزید وضاحت اِن الفاظ میں کی ہے:

''... یعنی یہ نہیں ہوا کہ دور سے اپنی بات پھینک ماری ہو اور اِس امر کی پروا نہ کی ہو کہ آپ نے بات اچھی طرح سنی یا نہیں اور سنی تو سمجھی یا نہیں، بلکہ پورے التفات و اہتمام سے اِس طرح آپ کے کان میں بات ڈالی کہ آپ اچھی طرح سن اور سمجھ لیں۔ یہاں یہ امر ملحوظ رہے کہ کاہنوں کے شیاطین کا جو علم ہوتا ہے، اُس کو قرآن نے 'خَطِفَ الْخَطْفَةَ' (الصافات 37:10) سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی اچکی ہوئی بات، جس طرح چور اور اچکے کوئی چیز اچک لیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب استاد اچکے ہیں تو وہ اپنے شاگردوں کو تعلیم بھی اچکوں ہی کی طرح دیتے ہوں گے۔ قرآن نے یہاں حضرت جبریل علیہ السلام کے طریقۂ تعلیم کو اِس لیے نمایاں فرمایا ہے کہ دونوں کا فرق اچھی طرح واضح ہو سکے۔''

(تدبر قرآن 8/54-55)

تا کہ جو ہدایات آپ کو دی جارہی ہیں، آپ اُنھیں اچھی طرح سن اور سمجھ لیں۔"

(البیان 5/ 65)

* اِس کے بعد جبریل امین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نہایت قریب آ گئے۔ اتنے قریب کہ اُن کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان بہت کم فاصلہ رہ گیا۔

* اِس قدر قریب آکر اُنھوں نے آپ کو وہ وحی پہنچائی، جو وہ اللہ کی طرف سے لے کر آئے تھے۔[16] سورۂ نجم کے اِس مقام پر چونکہ واقعے کی نوعیت اور حقیقت کو بیان کرنا مقصود ہے، اِس لیے وحی کے مندرجات کی تفصیل نہیں کی گئی۔

درجِ بالا تفصیل سے واقعۂ قاب قوسین کے حوالے سے جو باتیں معلوم ہوتی ہیں، وہ یہ ہیں:

1۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم بیدار تھے۔

2۔ آپ نے دیکھا کہ آسمان کے انتہائی بلند مقام سے حضرت جبریل علیہ السلام نمودار ہوئے۔

3۔ وہ اپنی اصل صورت میں تھے۔

4۔ پھر وہ آپ کے نہایت قریب آ گئے، اتنے قریب کہ آپ میں اور اُن میں گویا دو کمانوں کے بہ قدر فاصلہ رہ گیا۔

5۔ پھر اُنھوں نے قرآن کا وہ حصہ آپ کو وحی کیا، جو اللہ نے اُنھیں دے کر بھیجا تھا۔

6۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سارا مشاہدہ عالم بیداری میں کھلی آنکھوں سے کیا۔

7۔ واقعے کی تفصیل اور سیاق وسباق سے واضح ہے کہ یہ ایک مکمل واقعہ ہے اور منفرد طور پر ظہور پذیر ہوا ہے۔ کسی دوسرے واقعے سے اِس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

---

[16] تاہم، یہ واقعہ چونکہ قرآنِ مجید کی حقانیت پر استدلال کے لیے بیان ہوا ہے، اِس لیے قرین قیاس یہی ہے کہ اِس موقع پر قرآن ہی کا کوئی حصہ وحی کیا گیا ہو گا۔

8۔ قاب قوسین (دو کمانوں کے برابر فاصلہ) عربی زبان کا محاورہ ہے، جس کے معنی نہایت قریب ہونے کے ہیں۔

جو باتیں واقعے میں مذکور نہیں ہیں، وہ یہ ہیں:

1۔ یہ ذکر نہیں ہے کہ جب یہ واقعہ پیش آیا تو اُس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہاں موجود تھے۔

2۔ یہ ذکر نہیں ہے کہ یہ دن کے اوقات میں پیش آیا یا رات کے اوقات میں۔

3۔ یہ ذکر نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو وحی پہنچائی گئی، وہ کیا تھی۔

تفہیم

آیات کی توضیح و تفہیم کے اہم نکات درجِ ذیل ہیں:

اولاً، حضرت جبریل علیہ السلام کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نزدیکی اور قرب کے اظہار کے لیے 'فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى' کے الفاظ آئے ہیں۔ یعنی وہ آپ کے اِس قدر قریب ہو گئے کہ درمیانی فاصلہ دو کمانوں کے برابر یا اُس سے بھی کم رہ گیا۔[17] اِس سے مقصود باہمی فاصلے کا تعین نہیں، بلکہ نہایت درجہ تقرب کو بیان کرنا ہے۔ ''البیان'' میں ہے:

> ''یہ تشبیہ اہل عرب کے ذوق کے لحاظ سے ہے اور غایت قرب و اتصال کی تعبیر کے لیے آئی ہے۔ اِس میں 'اَوْ' اِس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ پیشِ نظر محض قرب کا بیان ہے، اِس سے مقدارِ فاصلہ کی تعیین مقصود نہیں ہے۔ یہ کم یا زیادہ بھی ہو سکتا ہے۔'' (65/5)

ثانیاً، 'فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰى' (پھر اُس نے وحی کی اپنے بندے کی طرف جو وحی کی) میں

---

[17] یہ اُسی طرح کا اسلوب ہے، جس طرح ہم ایک گز یا دو گز کے الفاظ بولتے ہیں۔ (تدبر قرآن 8/55)

'عَبۡدِہٖ' کے الفاظ سے واضح ہے کہ 'فَاَوۡحٰی' کا فاعل جبریل علیہ السلام نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ ہے۔ وحی کا اصل منبع اور ماخذ چونکہ اللہ تعالیٰ ہیں، اِس لیے اگر وہ اِس کے ابلاغ و ارسال کے لیے کسی فرشتے کا توسط اختیار کرتے ہیں تو اِس سے وحی کے فعل کی اُن سے نسبت پر کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔[18] 'عَبۡدِہٖ' کی ضمیرِ اضافت کو اللہ تعالیٰ کے لیے ماننا لازم ہے۔ اِسے جبریل سے منسوب کرنے سے شرک کا مفہوم پیدا ہو گا، جس کی قرآن میں کوئی گنجایش نہیں ہو سکتی۔ قرآن و سنت اِس پر قطعی ہیں کہ تمام مخلوقات کے لیے معبود کی حیثیت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے، لہٰذا بندگی کا تعلق فقط اُسی سے قائم ہو سکتا ہے۔

ثالثاً، واقعے کی نوعیت کو بیان کرنے کے لیے 'مَا كَذَبَ الۡفُؤَادُ مَا رَاٰى. اَفَتُمٰرُوۡنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى' (جو کچھ اُس نے دیکھا، وہ دل کا وہم نہ تھا۔ اب کیا تم اُس چیز پر اُس سے جھگڑتے ہو، جو وہ آنکھوں سے دیکھ رہا ہے؟) کے الفاظ آئے ہیں۔ اِن سے یہ بات پوری طرح واضح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ مشاہدہ فرمایا، وہ عالم بیداری میں اور کھلی آنکھوں کے ساتھ تھا۔ گویا نہ یہ رؤیا تھا، جو اللہ نے نیند کے عالم میں آپ کو دکھایا اور نہ ایسی تمثیل تھی، جو من جانبِ اللہ آپ کے قلب و ذہن پر نقش کر دی گئی تھی۔[19] یہ حسی مشاہدہ تھا، جو آپ نے تمام ظاہری حواس اور پورے شعور و ادراک کے ساتھ کیا تھا۔ امام امین احسن اصلاحی سورہ کے اِس جز کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

---

[18] 'فَاَوۡحٰۤى اِلٰى عَبۡدِهٖ مَاۤ اَوۡحٰى' میں 'اَوۡحٰی' کا فاعل بادی النظر میں حضرت جبریل کو بھی مانا جا سکتا ہے۔ اِس بنا پر بعض صوفیہ نے یہ مفہوم اخذ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے، معاذ اللہ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت جبریل کا بندہ قرار دیا ہے۔ یہ سراسر باطل مفہوم ہے۔ قرآنِ مجید کے عرف اور اسلوب کا لحاظ رہے تو اِس مفہوم کی کوئی گنجایش نہیں ہے۔

[19] واضح رہے کہ یہ دونوں صورتیں بھی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیش آتی تھیں تو من جانبِ اللہ اور مبنی بر حق ہوتی تھیں۔

”یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اِس مشاہدے کی تصدیق و تصویب ہے کہ کوئی اِس مشاہدے کو دل کی خیال آرائی اور نفس کے فریب پر محمول نہ کرے، یہ فریبِ نفس اور دھوکا نہیں، بلکہ فی الحقیقت نبی کو یہ مشاہدہ ہوا ہے۔...

وہ جو کچھ آنکھوں سے دیکھتا ہے اور کانوں سے سنتا ہے، اُس سے تم کو آگاہ کر رہا ہے۔ اگر یہ چیز تم کو نظر نہیں آتی تو اِس سے نفس حقیقت باطل نہیں ہو جائے گی۔“

(تدبر قرآن 8/ 55-56)

رابعاً، واقعۂ قاب قوسین، یعنی جبریل امین کا افق سے نمودار ہو کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے انتہائی قریب ہو جانے کا واقعہ اِسی قدر ہے، جتنا اِس مقام پر بیان ہوا ہے۔ آیات کے الفاظ اور اسالیب اِس کے بیان کی تکمیل پر دلالت کرتے ہیں۔ مزید بر آں، قرآنِ مجید میں کسی اور مقام پر اِس سے متعلق کوئی اضافی یا ضمنی بات مذکور نہیں ہے۔ اِس لیے لازم ہے کہ اِسے ایک متعین، منفرد اور مکمل واقعے کی حیثیت سے قبول کیا جائے اور قرآن و حدیث کے کسی دوسرے واقعے کو اِس کے ساتھ جوڑنے کی سعی نہ کی جائے۔

خامساً، سورۂ نجم کی مذکورہ آیات میں حضرت جبریل علیہ السلام کے بارے میں بیان ہوا ہے:

عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى. ذُوْ مِرَّةٍ فَاسْتَوٰى. وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى. ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى. فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى. (53:5-9)	”اُس کو ایک زبردست قوتوں والے نے تعلیم دی ہے، جو بڑا صاحبِ کردار، بڑا صاحبِ حکمت ہے۔ چنانچہ وہ نمودار ہوا، اِس طرح کہ وہ آسمان کے اونچے کنارے پر تھا۔ پھر قریب ہوا اور جھک پڑا، یہاں تک کہ دو کمانوں کے برابر یا اُس سے کچھ کم فاصلہ رہ گیا۔“

بعض علما و مفسرین نے یہاں جبریل علیہ السلام کے بجاے اللہ تعالیٰ کو مراد لیا ہے۔

ہمارے نزدیک یہ بات چند وجوہ سے درست نہیں ہے:

ایک یہ کہ 'شَدِيْدُ الْقُوٰى'، 'ذُوْ مِرَّةٍ فَاسْتَوٰى' اور 'دَنَا فَتَدَلّٰى' کے اسالیب جس انداز سے آئے ہیں، وہ اللہ پروردگارِ عالم کے لیے موزوں نہیں ہو سکتا۔ اِس میں صلاحیتوں، صفات اور افعال کا اسلوبِ بیان مخلوقات کی نسبت سے زیادہ مناسب حال ہے۔

دوسرے یہ کہ سورۂ تکویر (81) میں حضرت جبریل علیہ السلام کی بعض صلاحیتوں کا ذکر ہوا ہے تو کم و بیش اِسی طرح کے اسالیب اختیار کیے گئے ہیں۔ لہٰذا 'القرآن یفسر بعضه بعضاً' کے اصول پر یہاں جبریل ہی کو مراد لیا جائے گا۔ ارشاد ہے:

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ. ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ. مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ. (21-19)

''بے شک، یہ ایک رسولِ کریم کا لایا ہوا کلام ہے۔ بہت صاحبِ قوت، عرش والے کے ہاں بہت بلند مرتبہ، اُس کا حکم وہاں مانا جاتا ہے اور وہ نہایت امین بھی ہے۔''

امام امین احسن اصلاحی سورہ کے اِن الفاظ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''یہ اُس فرشتہ (حضرت جبریل علیہ السلام) کی صفت بیان ہو رہی ہے، جس نے اِس کلام کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلیم دی۔ فرمایا کہ وہ 'شَدِيْدُ الْقُوٰى' یعنی تمام اعلیٰ صفات اور صلاحیتوں سے بھرپور اور اُس کی ہر صفت و صلاحیت نہایت محکم و مضبوط ہے۔ اِس امر کا کوئی امکان نہیں ہے کہ کوئی دوسری روح اُس کو متاثر یا مرعوب کر سکے، اُس سے خیانت کا ارتکاب کرا سکے یا اُس کی تعلیم میں کوئی خلطِ مبحث کر سکے یا اُس سے کوئی فروگذاشت ہو سکے یا اُس کو کوئی وسوسہ لاحق ہو سکے۔ اِس طرح کی تمام کم زوریوں سے اللہ تعالیٰ نے اُس کو محفوظ رکھا ہے تاکہ جو فرض اُس کے سپرد فرمایا ہے، اُس کو وہ بغیر کسی خلل و فساد کے پوری دیانت و امانت کے ساتھ ادا کر سکے۔ سورۂ تکویر میں اِس فرشتہ کی تعریف یوں آئی ہے: 'اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ. ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ. مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ'۔...

'ذُوْمِرَّةٍ'۔ یعنی وہ اپنی عقل اور اپنے کردار میں نہایت محکم ہے۔ اِس کا امکان نہیں ہے کہ وہ کوئی دھوکا کھا سکے یا کوئی اُس کو دھوکا دے سکے یا وہ کسی کے ہاتھ بک سکے اور کوئی اُس کو خرید سکے۔ یہ لفظ اخلاقی و عقلی برتری کے لیے آتا ہے۔"

(تدبر قرآن 8/ 53-54)

تیسرے یہ کہ سورۂ نجم کے زیرِ بحث تمہیدی بیان کا اختتام آیت 18 کے جن الفاظ پر ہوا ہے، اُن سے واضح ہے کہ یہاں مذکورہ مشاہدات کے بہ شمول جو مشاہدات بھی کرائے گئے ہیں، اُن کا تعلق آیاتِ الٰہی سے ہے۔ ذاتِ الٰہی سے اُن کا تعلق نہیں ہے۔ ارشاد فرمایا ہے:

لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْکُبْرٰی. "اُس نے اپنے پروردگار کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھی ہیں۔"

امام امین احسن اصلاحی نے اِس آیت کے حوالے سے لکھا ہے:

"یہ بیان ہے اُن مشاہدات کا جو اِس موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئے۔ فرمایا کہ اُس نے اپنے رب کی بعض بڑی بڑی نشانیوں کا مشاہدہ کیا۔ اِن نشانیوں کی کوئی تفصیل نہیں فرمائی کہ نہ الفاظ اِن کے متحمل ہو سکتے اور نہ وہ ہماری عقل کی گرفت میں آ سکتیں۔ تاہم، لفظ 'کُبْرٰی' دلیل ہے کہ یہ نشانیاں اُن نشانیوں سے بالاتر تھیں، جن کا مشاہدہ، آفاق و انفس میں، ہر قدم پر، ہر صاحبِ نظر کو ہوتا رہتا ہے۔... تاہم، یہ امر ملحوظ رہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشاہدہ صرف اپنے رب کی نشانیوں ہی کا ہوا، خود اللہ تعالیٰ کے مشاہدے کا کوئی اشارہ یہاں نہیں ہے۔" (تدبر قرآن 8/ 57)

3-واقعۂ سدرۃ المنتہیٰ

——سدرۃ المنتہیٰ پر حضرت جبریل کا مشاہدہ——

وَلَقَدۡ رَاٰهُ نَزۡلَةً اُخۡرٰى. عِنۡدَ سِدۡرَةِ الۡمُنۡتَهٰى. عِنۡدَهَا جَنَّةُ الۡمَاۡوٰى. اِذۡ يَغۡشَى السِّدۡرَةَ مَا يَغۡشٰى. مَا زَاغَ الۡبَصَرُ وَمَا طَغٰى. لَقَدۡ رَاٰى مِنۡ اٰيٰتِ رَبِّهِ الۡكُبۡرٰى. (النجم 53:13-18)

”اور اُس نے ایک مرتبہ پھر اُسے سدرۃ المنتہیٰ کے پاس اترتے دیکھا ہے، جس کے پاس ہی جنت الماویٰ ہے، جب سدرہ پر چھا رہا تھا، جو کچھ کہ چھا رہا تھا۔ اُس کی نگاہ نہ بہکی، نہ بے قابو ہوئی۔ اُس نے اپنے پروردگار کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھی ہیں۔“

پس منظر

یہ واقعہ بھی سورۂ نجم میں بیان ہوا ہے اور اُسی تناظر میں ہے، جس میں اِس سے پہلے کا واقعہ بیان ہوا ہے۔ یعنی اِس کی نوعیت بھی کہانت کے اُس الزام کی تردید کی ہے، جو سردارانِ قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر لگاتے تھے۔

تفصیل

اِس کی جو تفصیل آیات سے معلوم ہوتی ہے، وہ یہ ہے:

* رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل کو افق اعلیٰ پر اور قاب قوسین کی

صورت میں دیکھنے کے بعد ایک مرتبہ پھر اُن کا مشاہدہ کیا۔ اسلوبِ کلام سے واضح ہے کہ یہ دوسرا مشاہدہ پہلے مشاہدے کے بعد کسی دوسرے موقع پر ہوا۔ گویا اِس کے اور پہلے مشاہدے کے درمیان کوئی اور مشاہدہ نہیں ہوا۔

* دوسرے مشاہدے کا ذکر کرنے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ کوئی یہ خیال نہ کرے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا جبریل امین کو دیکھنا، معاذ اللہ، کوئی واہمہ یا مغالطہ تھا، کیونکہ کھلی آنکھوں کے ساتھ مشاہدے کا یہ واقعہ ایک کے بعد دوسری مرتبہ بھی ہوا ہے۔ لہٰذا کسی کے لیے شک و شبہ پیدا کرنے کی کوئی گنجایش نہیں ہے۔[20] ''البیان'' میں لکھا ہے:

> ''یہ دوسری ملاقات کا ذکر ہے۔ اِس کے بعد، معلوم ہے کہ یہ سلسلہ تواتر کے ساتھ شروع ہو گیا۔ مدعا یہ ہے کہ پیغمبر کو یہ مشاہدہ ایک ہی بار نہیں ہوا کہ اِس کو کوئی وہم یا مغالطہ قرار دیا جاسکے۔ اُنھوں نے جبریل علیہ السلام کو دوبارہ بھی دیکھا ہے اور اِس موقع پر بھی وہ اُن کے سامنے اپنی اصلی صورت میں نمودار ہوئے ہیں۔''(5 / 65-66)

*رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام کو جب پہلی بار دیکھا تو وہ افق اعلیٰ سے نمودار ہوئے تھے۔ اب جب یہ دوسری بار دیکھا ہے تو وہ سدرۃ المنتہیٰ کے مقام کے پاس تھے۔

---

[20] یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل امین کو اُن کی اصلی صورت میں فقط دو مرتبہ دیکھا ہے؟ روایات کے مطابق اِس کا جواب اثبات میں ہے۔ مسلم کی حدیث ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

> ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (سورۂ تکویر اور سورۂ نجم کی) مذکورہ آیتوں میں جبریل علیہ السلام مراد ہیں۔ میں نے اُنھیں دو موقعوں کے علاوہ اُن کی اُس صورت میں نہیں دیکھا، جس پر اللہ نے اُنھیں تخلیق کیا ہے۔ میں نے دیکھا کہ وہ آسمان سے اتر رہے تھے اور اُن کا وجود آسمان سے زمین تک پھیلا ہوا تھا۔''(رقم 457)

* جنت الماویٰ کے ذکر کے بعد کسی نام اور اشارے کے بغیر سدرہ پر کچھ چھا جانے کا ذکر ہے۔ گویا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انوار و تجلیات کی کسی ایسی صورت کا مشاہدہ فرمایا، جو زبان و بیان کے دائرے سے باہر اور عام انسانوں کے فہم و ادراک سے ماورا ہے۔ ''البیان'' میں اِس حوالے سے لکھا ہے:

''یہ اسلوب بیان بتاتا ہے کہ سدرہ پر اُس وقت انوار و تجلیات کا ایسا ہجوم تھا کہ الفاظ اُس کی تعبیر و تصویر سے قاصر ہیں۔'' (5/66)

* نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مشاہدے کی کیفیت کو 'مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی' (اُس کی نگاہ نہ بہکی، نہ بے قابو ہوئی) کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ اِس سے واضح ہے کہ یہ مشاہدہ عین عالم بیداری میں تھا۔ آپ نے کھلی آنکھوں سے وہ سب کچھ دیکھا، جو پروردگار نے آپ کو دکھانا چاہا۔ جو تجلیاں، جو روشنیاں، جو جلوے اور جو نور کے مناظر آپ کے نظر نواز ہوئے، اُن کا آپ نے کامل طریقے سے اور پوری دل جمعی کے ساتھ مشاہدہ فرمایا۔ اِس موقع پر نور و ظہور کی بے پناہ آب و تاب اور چکا چوند کے باوجود آپ کی نگاہیں توجہ اور تسلسل کے ساتھ مناظر کو دیکھتی رہیں اور بالکل بے قابو نہ ہوئیں۔ ''البیان'' میں ہے:

''...اِس ہجوم تجلیات کے باوجود آپ کی نگاہ نہ چوندھیائی، نہ بے قابو ہوئی، بلکہ آپ پورے سکون، ضبط اور یک سوئی کے ساتھ دیکھتے رہے۔'' (5/66-67)

* نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس موقع پر اپنے رب کی عظیم الشان نشانیوں کا مشاہدہ فرمایا۔ اِس مفہوم کے لیے 'لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی' (اُس نے اپنے پروردگار کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھی ہیں) کے الفاظ آئے ہیں۔ اِس ضمن میں کسی متعین نشانی کا ذکر نہیں کیا گیا۔ البتہ لفظِ کبریٰ (عظیم) سے واضح ہے کہ یہ نشانیاں اِس قدر غیر معمولی تھیں کہ انسانوں کے حیطۂ علم و ادراک سے ماورا تھیں۔ ''البیان'' میں لکھا ہے:

''اِن نشانیوں کی کوئی تفصیل نہیں کی گئی، اِس لیے کہ نہ الفاظ اِس تفصیل کے متحمل ہو سکتے ہیں اور نہ وہ ہمارے علم و عقل اور تصورات کی گرفت میں آسکتی ہیں۔ تاہم، آیت

کے الفاظ سے واضح ہے کہ یہ نشانیاں اُن نشانیوں سے بالاتر تھیں، جن کا مشاہدہ ہم انفس و آفاق میں کرتے ہیں۔"(67/5)

درجِ بالا تفصیل سے جو باتیں واقعۂ سدرۃ المنتہیٰ کے حوالے سے معلوم ہوتی ہیں، وہ یہ ہیں:

1۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم بیدار تھے۔

2۔ آپ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو سدرۃ المنتہیٰ کے پاس اترتے دیکھا۔

3۔ یہ دوسرا موقع تھا، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل امین کو اُن کی اصل صورت میں دیکھا تھا۔

4۔ یہ مقام سدرۃ المنتہیٰ سے آگے اور جنت الماویٰ سے پہلے تھا۔ گویا حضرت جبریل علیہ السلام کا نزول عالم ناسوت اور عالم لاہوت کے مقام اتصال پر ہوا۔

5۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل امین کو دیکھنے کے علاوہ اللہ کی بعض ایسی عظیم الشان نشانیوں کا مشاہدہ فرمایا، جو انسانی زبان و بیان اور فہم و ادراک کی صلاحیت سے بالاتر ہیں۔

6۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سارا مشاہدہ عالم بیداری میں کھلی آنکھوں سے کیا۔

7۔ عظیم انوار و تجلیات کے باوجود نہ آپ کی آنکھیں چوندھیائیں اور نہ نگاہیں خیرہ ہوئیں۔ آپ نے پوری یک سوئی اور اطمینان سے ہر نشانی کا مشاہدہ فرمایا۔

جو باتیں واقعے میں مذکور نہیں ہیں، وہ یہ ہیں:

1۔ یہ ذکر نہیں ہے کہ جب یہ واقعہ پیش آیا تو اُس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہاں پر موجود تھے۔

2۔ یہ ذکر نہیں ہے کہ یہ دن کے اوقات میں پیش آیا یا رات کے اوقات میں۔

3۔ یہ ذکر نہیں ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ کے مقام اور جبریل علیہ السلام کی شخصیت کے علاوہ آپ نے کن مقامات و شخصیات کا مشاہدہ فرمایا۔

تفہیم

آیات کی توضیح و تفہیم کے اہم نکات درجِ ذیل ہیں:

اولاً، سدرۃ المنتہیٰ کیا ہے؟ قرآن و حدیث کے اشارات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک مقام ہے، جو سات آسمانوں تک پھیلی ہوئی اِس مادی دنیا یا عالم موجودات کی آخری حد ہے۔ اِس سے آگے ماویٰ کے باغات ہیں، جہاں سے اُس نادیدہ عالم کا آغاز ہوتا ہے، جس میں دونوں جہانوں کے پروردگار کا عرش قائم ہے۔ اِن جہانوں کے لیے ہماری زبان میں بالترتیب عالم ناسوت اور عالم لاہوت کی تعبیرات بھی استعمال ہوتی ہیں۔ امام امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

> ”’سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى‘ وہ مقام ہے، جہاں اِس عالم ناسوت کی سرحدیں ختم ہوتی ہیں۔ ’سِدْرَة‘ بیری کے درخت کو کہتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بیری کا درخت عالم ناسوت اور عالم لاہوت کے درمیان ایک حدِ فاصل ہے۔ ہمارے لیے یہ سارا عالم نادیدہ ہے۔ نہ ہم ’عالم ناسوت‘ اور ’عالم لاہوت‘ کے حدود کو جانتے اور نہ اِن دونوں کے درمیان کے اِس نشانِ فاصل کی حقیقت سے واقف ہیں، جس کو یہاں ’سِدْرَة‘ سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ یہ چیزیں متشابہات میں داخل ہیں۔ اِس وجہ سے، قرآن کی ہدایت کے مطابق، اِن پر ایمان لانا چاہیے، اِن کی حقیقت کے درپے ہونا جائز نہیں ہے۔ اِن کی حقیقت صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ جن کا علم راسخ ہوتا ہے، اُن کے علم میں اِن چیزوں سے اضافہ ہوتا ہے۔ رہے وہ لوگ جو اِن کی حقیقت جاننے کے درپے ہوتے ہیں، وہ ٹھوکر کھاتے اور گم راہی میں مبتلا ہوتے ہیں۔“ (تدبر قرآن 8/56)

ثانیاً، سدرۃ المنتہیٰ کے مقام کی بلندی کو واضح کرنے اور اِس کے گردونواح کی نشان دہی کے لیے جنت الماویٰ کا حوالہ دیا گیا ہے۔ قرآنِ مجید کی سورۂ سجدہ (32) سے واضح ہے کہ اِس سے مراد وہ جنت نہیں ہے، جو لوگوں کو اُن کے ایمان و عمل کی جزا میں ملے گی۔ اِس سے وہ باغات مراد ہیں، جہاں اہل ایمان اصل جنت میں داخل ہونے سے پہلے ابتدائی ضیافت سے مستفید ہوں گے۔ ارشاد فرمایا ہے:

اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰى نُزُلًا بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ.(19:32)

”جو ایمان لائے اور اُنھوں نے نیک عمل کیے ہیں، اُن کے لیے ٹھیرنے کے باغ ہیں، اُن کی ضیافت کے طور پر، اُن کے اعمال کے صلے میں۔“[21]

ثالثاً، جہاں تک جنات الماویٰ کے محل وقوع کا تعلق ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ عالم لاہوت کے آغاز پر قائم ہیں۔ امام امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

”... معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح ’سِدْرَةُ الْمُنْتَهٰى‘ عالم ناسوت کی آخری حد پر ہے، اُسی طرح ’جَنَّةُ الْمَاْوٰى‘ عالم لاہوت کے نقطۂ آغاز پر ہے۔ اِس نشان دہی سے یہ بات واضح ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت جبریل علیہ السلام کا دوبارہ مشاہدہ دونوں عالموں کے نقطۂ اتصال پر ہوا۔“(تدبر قرآن 8/57)

رابعاً، واقعۂ سدرۃ المنتہیٰ، یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت جبریل علیہ السلام کو سدرۃ المنتہیٰ کے مقام پر کھلی آنکھوں سے پورے اطمینان کے ساتھ دیکھنے کا واقعہ اِسی قدر ہے، جتنا اِس مقام پر بیان ہوا ہے۔ ’وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى‘ (اور اُس نے ایک مرتبہ پھر اُسے سدرۃ المنتہیٰ کے پاس اترتے دیکھا ہے) کے الفاظ نے اِسے واقعۂ قاب قوسین سے بالکل الگ کر دیا ہے۔ مزید برآں، قرآنِ مجید میں کسی اور مقام پر اِس سے متعلق کوئی اضافی یا ضمنی بات مذکور نہیں ہے۔ اِس لیے لازم ہے کہ اِسے ایک متعین، منفرد اور مکمل واقعے کی حیثیت سے قبول کیا جائے اور قرآن و حدیث کے کسی دوسرے واقعے کو اِس کے ساتھ جوڑنے کی سعی نہ کی جائے۔

---

[21] اِس پر ’البیان‘ کا حاشیہ یہ ہے:

”یہ اُن باغوں کا ذکر ہے، جہاں اصل جنت میں داخل ہونے سے پہلے اولین ضیافت کے لیے ایمان والوں کو ٹھیرایا جائے گا۔ اِن کے لیے ’جَنّٰت‘ کا لفظ جمع استعمال ہوا ہے۔ اِس سے یہ بات نکلتی ہے کہ یہ تمام اہل جنت کے لیے الگ الگ ہوں گے۔“(4/102)

4- واقعۂ شق صدر اور معراج

—— سینہ کھولنے اور معراج پر لے جانے کا واقعہ ——

عن شریك بن عبد الله أنه قال: سمعت أنس بن مالك يقول: ليلة اسری برسول الله صلى الله عليه وسلم من مسجد الكعبة انه جاءه ثلاثة نفر قبل أن يوحى إليه وهونائم في المسجد الحرام، فقال أولهم: أيهم هو؟ فقال اوسطهم: هوخيرهم، فقال آخرهم: خذوا خيرهم، فكانت تلك الليلة.

فلم يرهم حتى أتوه ليلةً أخرى فيما يرى قلبه، وتنام عينه، —— ولا ينام قلبه، وكذلك الانبياء تنام أعينهم ولا تنام قلوبهم، —— فلم يكلموه حتى احتملوه فوضعوه عند بئر زمزم، فتولاه منهم جبريل، فشق جبريل ما بين نحره إلى لبته حتى فرغ من صدره وجوفه، فغسله من ماء زمزم بيده حتى أنقى جوفه، ثم أتى بطست من ذهب فيه تور من ذهب محشوًا إيمانًا وحكمةً، فحشا به صدره ولغاديده يعني عروق حلقه ثم أطبقه.

ثم عرج به إلى السماء الدنيا، فضرب بابًا من ابوابها، فناداه أهل السماء: من هذا؟ فقال: جبريل، قالوا: ومن معك؟ قال: معي محمد، قال: وقد بعث؟ قال: نعم، قالوا: فمرحبًا به واهلاً، فيستبشر به اهل السماء لا يعلم اهل السماء بما يريد الله به في الارض حتى يعلمهم.

فوجد في السماء الدنيا آدم، فقال له جبريل: هذا أبوك آدم فسلم عليه، فسلم

عليه ورد عليه آدم، وقال: مرحبًا وأهلاً بابنى، نعم الابن أنت فإذا هو فى السماء الدنيا بنهرين يطردان، فقال: ما هذان النهران يا جبريل؟ قال: هذا النيل والفرات عنصرهما، ثم مضى به فى السماء، فإذا هوبنهر آخر عليه قصر من لؤلؤ وزبرجد، فضرب يده، فإذا هو مسك أذفر، قال: ما هذا يا جبريل؟ قال: هذا الكوثر الذى خبأ لك ربك.

ثم عرج به إلى السماء الثانية، فقالت الملائكة له مثل ما قالت له الاولى: من هذا؟ قال: جبريل، قالوا ومن معك؟ قال: محمد صلى الله عليه وسلم، قالوا: وقد بعث إليه؟ قال: نعم، قالوا: مرحبًا به وأهلاً.

ثم عرج به إلى السماء الثالثة، وقالوا له مثل ما قالت الاولى والثانية، ثم عرج به إلى الرابعة، فقالوا له مثل ذلك، ثم عرج به إلى السماء الخامسة، فقالوا مثل ذلك، ثم عرج به إلى السماء السادسة، فقالوا له مثل ذلك، ثم عرج به إلى السماء السابعة، فقالوا له مثل ذلك.

كل سماء فيها أنبياء قد سماهم، فأوعيت منهم إدريس فى الثانية، وهارون فى الرابعة، وآخر فى الخامسة، لم احفظ اسمه، وإبراهيم فى السادسة، وموسى فى السابعة ـــــ بتفضيل كلام الله ـــــ فقال موسى: رب لم أظن أن يرفع على أحد!

ثم علا به فوق ذلك بما لا يعلمه إلا الله، حتى جاء سدرة المنتهى، ودنا للجبار رب العزة، فتدلى، حتى كان منه قاب قوسين أو أدنى، فأوحى الله فيما أوحى إليه خمسين صلاةً على امتك كل يوم وليلة.

ثم هبط حتى بلغ موسى، فاحتبسه موسى، فقال: يا محمد، ماذا عهد إليك ربك؟ قال: عهد إلى خمسين صلاةً كل يوم وليلة، قال: إن أمتك لا تستطيع ذلك فارجع، فليخفف عنك ربك وعنهم، فالتفت النبى صلى الله عليه وسلم إلى جبريل كانه يستشيره فى ذلك، فأشار إليه جبريل: أن نعم إن شئت فعلاً به إلى الجبار، فقال وهو مكانه: يا رب، خفف عنا فإن امتى لا تستطيع هذا، فوضع عنه عشر صلوات.

ثم رجع إلى موسى، فاحتبسه فلم يزل يردده موسى إلى ربه حتى صارت إلى خمس

صلوات، ثم احتبسه موسى عند الخمس، فقال: يا محمد، والله لقد راودت بني إسرائيل قومي على أدنى من هذا، فضعفوا فتركوه، فامتك اضعف أجسادًا وقلوبًا وأبدانًا وأبصارًا وأسماعًا، فارجع، فليخفف عنك ربك، كل ذلك يلتفت النبي صلى الله عليه وسلم إلى جبريل ليشير عليه ولا يكره ذلك جبريل، فرفعه عند الخامسة.

فقال: يا رب، إن أمتي ضعفاء أجسادهم وقلوبهم وأسماعهم وأبصارهم وأبدانهم، فخفف عنا، فقال الجبار: يا محمد، قال: لبيك وسعديك، قال: إنه لا يبدل القول لدي كما فرضته عليك في أم الكتاب، قال: فكل حسنة بعشر أمثالها فهي خمسون في أم الكتاب وهي خمس عليك.

فرجع إلى موسى، فقال: كيف فعلت؟ فقال: خفف عنا أعطانا بكل حسنة عشر أمثالها، قال موسى: قد والله راودت بني إسرائيل على أدنى من ذلك فتركوه، ارجع إلى ربك فليخفف عنك أيضًا.

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: يا موسى، قد والله استحييت من ربي مما اختلفت إليه، قال: فاهبط باسم الله.

قال: واستيقظ وهو في مسجد الحرام. (بخاری، رقم 7517)

”شریک بن عبد اللہ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو اُس رات کے بارے میں یہ بیان کرتے سنا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجدِ کعبہ سے لے جایا گیا۔ (وہ بیان کرتے ہیں): وحی (کا سلسلہ) شروع ہونے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تین افراد (فرشتے) آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجدِ حرام میں سوئے ہوئے تھے۔ اُن میں سے ایک نے پوچھا: اِن (لوگوں) میں سے وہ کون ہیں؟ دوسرے نے جواب دیا: وہ جو اِن (لوگوں) میں سب سے بہتر ہیں۔ تیسرے نے کہا: جو سب سے بہتر ہیں بس اُنھیں لے جائیے۔ (پھر وہ تینوں واپس چلے گئے)۔ اِس رات میں بس اتنا ہی معاملہ ہوا۔

اُس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنھیں نہیں دیکھا، یہاں تک کہ یہی (تینوں افراد) ایک دوسری رات میں (دوبارہ) آئے۔ اُس وقت آپ کی کیفیت ایسی تھی کہ آپ

کا دل دیکھ رہا تھا، مگر آپ کی آنکھیں سو رہی تھیں۔ ـــــ اور آپ کا دل کبھی نہیں سوتا تھا۔ سب نبیوں کا یہی معاملہ ہے کہ (نیند کے عالم میں بھی) اُن کی آنکھیں تو سو جاتی ہیں، مگر اُن کے دل کبھی نہیں سوتے۔ ـــــ اُنھوں نے آپ سے کوئی بات نہیں کی، بلکہ آپ کو اٹھایا اور زم زم کے کنوئیں کے پاس لے جا کر لٹا دیا۔ پھر اُن میں سے جبریل علیہ السلام نے آپ کو اپنی تحویل میں لے لیا۔ جبریل علیہ السلام نے آپ کے حلق سے لے کر زیریں سینے تک کے حصے کو چیر ڈالا اور سینے اور پیٹ کے اندر جو کچھ تھا، اُسے نکال دیا۔ پھر اُنھوں نے زم زم کا پانی لے کر اپنے ہاتھوں سے اسے دھویا۔ یہاں تک کہ پیٹ کو بالکل صاف کر دیا۔ پھر اُس کے بعد سونے کا ایک طشت لایا گیا، جس میں سونے ہی کا ایک آفتابہ رکھا تھا، جو ایمان اور حکمت سے لبریز تھا۔ جبریل علیہ السلام نے اُس سے آپ کے سینے اور حلق کی رگوں کو بھر دیا اور پھر سینے کو سی کر برابر کر دیا۔

پھر جبریل علیہ السلام آپ کو لے کر آسمانِ زیریں کی طرف پرواز کر گئے۔ (وہاں پہنچ کر) اُنھوں نے اُس کے دروازوں میں سے ایک دروازہ کھٹکھٹایا۔ آسمان والوں کی طرف سے آواز آئی: کون آیا ہے؟ اُنھوں نے کہا: جبریل۔ پوچھا: آپ کے ساتھ کون ہیں؟ جواب دیا: میرے ساتھ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ پوچھا: کیا اُنھیں بلایا گیا ہے؟ جبریل علیہ السلام نے کہا: جی ہاں۔ اُنھوں نے کہا: مرحبا، خوش آمدید۔ اہل آسمان اِن (کی آمد) سے بہت خوش ہیں۔ (تاہم) آسمان والے نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ اِن سے زمین میں کیا چاہتے ہیں، یہاں تک کہ اُنھیں اِس سے آگاہ کر دیا جائے۔

پھر اِس آسمانِ زیریں پر آپ نے حضرت آدم علیہ السلام کو دیکھا۔ جبریل علیہ السلام نے آپ سے کہا کہ یہ آپ کے والد آدم علیہ السلام ہیں، اِنھیں سلام کیجیے۔ آپ نے حضرت آدم علیہ السلام کو سلام کیا اور اُنھوں نے اُس کا جواب دیا۔ پھر آدم علیہ السلام نے کہا: مرحبا، خیر مقدم میرے بیٹے، آپ کیا ہی اچھے فرزند ہیں۔ پھر اِسی اثنا میں آپ نے آسمانِ زیریں پر دو نہریں بہتی ہوئی دیکھیں۔ آپ نے پوچھا: جبریل، یہ نہریں کیا ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے بتایا: یہ نیل و فرات کی حقیقی صورت ہے۔ پھر وہ آپ کو لے کر وہاں

سے آگے بڑھے اور آپ نے ایک اور نہر دیکھی، جس کے کنارے موتیوں اور زمرد کا ایک محل تھا۔ آپ نے اُس (نہر) میں ہاتھ ڈالا تو اُس کی مٹی بالکل خوش بو دار مشک جیسی تھی۔ آپ نے پوچھا: جبریل یہ کیا ہے؟ اُنھوں نے کہا: یہ کوثر ہے، جو آپ کے پروردگار نے آپ کے لیے خاص کر رکھا ہے۔

اِس کے بعد جبریل علیہ السلام آپ کو لے کر دوسرے آسمان پر پہنچے۔ یہاں بھی فرشتوں نے وہی کچھ کہا، جو پہلے آسمان کے فرشتوں نے کہا تھا کہ کون آیا ہے؟ انھوں نے کہا: جبریل۔ اُنھوں نے پوچھا کہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ جواب دیا: میرے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پوچھا: کیا اُنھیں بلایا گیا ہے؟ جبریل علیہ السلام نے کہا: جی ہاں۔ اُنھوں نے کہا: مرحبا، خوش آمدید۔

پھر جبریل علیہ السلام آپ کو تیسرے آسمان پر لے گئے۔ یہاں بھی فرشتوں نے وہی کچھ کہا، جو پہلے اور دوسرے آسمان کے فرشتوں نے کہا تھا۔ پھر جبریل علیہ السلام چوتھے آسمان پر لے گئے۔ یہاں بھی فرشتوں نے وہی کچھ کہا، جو پہلے کہا تھا۔ پھر وہ پانچویں آسمان پر لے گئے۔ یہاں بھی فرشتوں نے وہی کچھ کہا، جو پہلے کہا تھا۔ پھر چھٹے آسمان پر لے گئے۔ یہاں بھی فرشتوں نے وہی کچھ کہا، جو پہلے کہا تھا۔ پھر ساتویں آسمان پر لے گئے۔ یہاں بھی فرشتوں نے وہی کچھ کہا، جو پہلے کہا تھا۔

اِن میں سے ہر آسمان پر انبیاے کرام موجود تھے (جن سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات ہوئی تھی)۔ اُن انبیا کے نام بھی بیان کیے گئے تھے۔ (راوی بیان کرتے ہیں کہ) اِن میں سے یہ نام مجھے یاد ہیں: ادریس علیہ السلام دوسرے آسمان پر، ہارون علیہ السلام چوتھے آسمان پر، ایک اور نبی پانچویں آسمان پر —— جن کا نام مجھے یاد نہیں ہے —— ابراہیم علیہ السلام چھٹے آسمان پر اور موسیٰ علیہ السلام ساتویں آسمان پر —— اِس لیے کہ اُنھیں (دنیا میں) اللہ کے ساتھ کلام کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ —— موسیٰ علیہ السلام نے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جبریل علیہ السلام کے ہم راہ دیکھ کر اور یہ جان کر کہ آپ کو ساتویں آسمان سے بھی اوپر لے جایا جا رہا ہے، تعجب سے) کہا: پروردگار، میرے گمان میں

بھی نہیں تھا کہ کوئی مجھ سے بھی اوپر جائے گا!

پھر جبریل علیہ السلام آپ کو اِس (ساتویں آسمان) سے بھی اوپر اُن بلندیوں کی طرف لے گئے، جنھیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ یہاں تک کہ آپ سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچ گئے۔ پھر اللہ رب العزت نے نزول فرمایا اور آپ کے قریب ہوئے۔ یہاں تک کہ دو کمانوں کے برابر یا اُس سے کچھ کم فاصلہ رہ گیا۔ پھر اللہ نے آپ کو وحی کی اور اُس کے ذریعے سے ہر روز و شب میں پچاس نمازوں کا حکم دیا گیا، جو تمھاری امت پر فرض ہوئیں۔

اِس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے نیچے اُترے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچے۔ موسیٰ علیہ السلام نے آپ کو روک لیا۔ اُنھوں نے دریافت کیا کہ اے محمد، اللہ نے آپ پر کیا ذمہ داری ڈالی ہے؟ آپ نے فرمایا: مجھ سے ہر دن رات میں پچاس نمازوں کا عہد لیا گیا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: آپ کی امت میں اِس کی ہمت نہیں ہے، (لہٰذا میرا مشورہ یہ ہے کہ) آپ واپس تشریف لے جائیے اور اپنی اور اپنی امت کی جانب سے اِن میں کمی کی درخواست کیجیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جبریل علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے، گویا اِس بارے میں اُن سے مشورہ چاہتے ہیں۔ جبریل علیہ السلام نے اثبات کا اظہار کیا کہ آپ جانا چاہیں تو ٹھیک ہے۔ چنانچہ آپ پھر اُسی مقام پر بارگاہِ الٰہی میں واپس پہنچے (جہاں پہلے حاضری ہوئی تھی)۔ آپ نے درخواست کی کہ پروردگار، ہمارے لیے اِس میں رعایت عطا فرمائیے، کیونکہ میری امت اِس کی طاقت نہیں رکھتی۔ (درخواست کو قبول کرتے ہوئے) اللہ تعالیٰ نے دس نمازیں کم کر دیں۔ (اب چالیس نمازیں رہ گئیں)۔

واپسی پر جب آپ موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچے تو اُنھوں نے آپ کو پھر روک لیا۔ (اور وہی مشورہ دیا، جو پہلے دیا تھا، آپ مشورہ قبول کر کے پھر بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہوئے)۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے آپ کو (تخفیف کے مشورے کے ساتھ) واپس بھیجنے کا سلسلہ جاری رہا، (اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے تخفیف ہوتی رہی) یہاں تک کہ

فرض نمازوں کی تعداد پانچ رہ گئی۔

موسیٰ علیہ السلام نے اِس کے بعد پھر آپ کو روکا اور (اور حسبِ معمول) کہا: اے محمد، اللہ کی قسم، میں نے اپنی قوم بنی اسرائیل کو اِس سے بھی کم پر راضی کرنا چاہا تھا، مگر اُنھوں نے کم زوری دکھائی اور اِس (فریضے) کو چھوڑ دیا۔ آپ کی امت تو قلب و بدن اور سماعت و بصارت میں زیادہ کم زور ہے، لہٰذا آپ ایک بار پھر جائیے تاکہ اللہ اِس میں مزید کمی فرمادے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مرتبہ جبریل علیہ السلام کی طرف دیکھا تاکہ اُن کی رائے معلوم ہو۔ جبریل علیہ السلام نے اِسے ناپسند نہیں کیا۔ چنانچہ وہ پانچویں مرتبہ آپ کو لے گئے۔

آپ نے درخواست کی کہ پروردگار، میری امت کے لوگ قلب و بدن اور سماعت و بصارت میں کم زور ہیں، اِس لیے آپ سے مزید کمی کی درخواست ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد! رسول اللہ نے کہا: لبیک و سعدیک (میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں)۔ اللہ نے فرمایا: میرا کہا ہوا تبدیل نہیں ہوتا۔ (چنانچہ حکم تو وہی رہے گا) جیساکہ میں نے ام الکتاب (یعنی لوح محفوظ) میں تم پر فرض کیا ہے۔ (البتہ، آپ کی امت کے لیے تخفیف کی صورت یہ ہوگی کہ اُن کی) ایک نیکی دس نیکیوں کے برابر ہوگی۔ چنانچہ ام الکتاب میں یہ نمازیں پچاس ہی رہیں گی، مگر آپ کے لیے اِن کی تعداد پانچ ہوگی۔ (گویا ایک نماز کا درجہ دس نمازوں کے برابر ہوگا)۔

(یہ حکم لے کر) آپ واپس موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچے۔ اُنھوں نے پوچھا کہ آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ آپ نے جواب دیا کہ اللہ نے نمازوں میں اِس طرح تخفیف کی ہے کہ ایک (نماز کی) نیکی کو دس (نمازوں کی) نیکیوں کے برابر کر دیا ہے۔ اِس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے (وہی بات دہرائی اور) کہا: بخدا میں نے اپنی قوم بنی اسرائیل سے اِس سے بھی کم کا تقاضا کیا تھا، مگر اُنھوں نے کم زوری دکھائی اور اِس (فریضے) کو چھوڑ دیا۔ آپ ایک بار پھر جائیے تاکہ اللہ اِس میں مزید کمی کر دے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: موسیٰ، بخدا، مجھے اب اپنے رب سے شرم آتی

ہے کہ میں (اِس کام کے لیے) پھر اُس کے پاس جاؤں۔ (اِس پر) موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ (اچھا، توبس پھر) اب اللہ کا نام لے کر نیچے اتر جائیے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اِس کے بعد جب آپ بیدار ہوئے تو مسجدِ حرام میں تھے۔''

پس منظر

یہ اِس سلسلے کا چوتھا اور آخری واقعہ ہے۔ یہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور اِسے امام بخاری نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے۔ یہ واقعہ دو اجزا پر مشتمل ہے۔ پہلے جز میں شق صدر کا ذکر ہے۔ یعنی حضرت جبریل علیہ السلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سینۂ مبارک کو کھولا اور اُسے آبِ زم زم سے دھو کر اور ایمان و حکمت سے لبریز کر کے بند کر دیا۔ دوسرے جز میں معراج کی تفصیل بیان ہوئی ہے، جس کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جبریل امین کے ہم راہ آسمانوں کی طرف روانہ ہوئے۔ پھر درجہ بہ درجہ سات آسمانوں اور سدرۃ المنتہیٰ سے گزر کر بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہوئے اور وہاں سے نمازوں کا تحفہ لے کر واپس لوٹے۔

یہ عام انسانی واقعہ نہیں ہے۔ اِس کا تعلق منصبِ نبوت کے ساتھ ہے۔ اللہ تعالیٰ جب اِس منصب کے لیے کسی انسان کا انتخاب کرتے ہیں تو اُسے اپنی ہم کلامی اور مخاطبت سے فیض یاب کرتے ہیں۔ اِس مخاطبت کی مختلف صورتیں ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مشیت کے مطابق اختیار کی جاتی ہیں۔ اِس امر کی وضاحت میں ''میزان'' میں لکھا ہے:

> ''نبوت کیا ہے؟ یہ مخاطبۂ الٰہی کے لیے کسی شخص کا انتخاب ہے۔ اِس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اِس منصب کے لیے جب اپنے بندوں میں سے کسی کا انتخاب کر لیتا ہے تو اُس سے کلام فرماتا ہے۔ قرآن نے بتایا ہے کہ انسان کو اِس کا شرف ہمیشہ دو ہی طریقوں سے

حاصل ہوا ہے:

ایک عام مخاطبت کے ذریعے سے جو پردے کے پیچھے سے ہوتی ہے۔ اِس میں بندہ ایک آواز سنتا ہے، مگر بولنے والا اُسے نظر نہیں آتا۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ یہی ہوا۔ طور کے دامن میں ایک درخت سے یکایک اُنھیں ایک آواز آنی شروع ہوئی، لیکن بولنے والا اُن کی نگاہوں کے سامنے نہیں تھا۔

دوسرے وحی کے ذریعے سے۔ یہ لفظ کسی کے دل میں کوئی بات ڈالنے کے لیے آتا ہے۔ اِس کی پھر دو صورتیں ہوتی ہیں: اولاً، اللہ تعالیٰ براہِ راست نبی کے دل میں اپنی بات ڈال دے۔ ثانیاً، فرشتہ بھیجے اور وہ اُس کی طرف سے نبی کے دل میں بات ڈالے۔ یہ معاملہ خواب اور بیداری، دونوں میں ہو سکتا ہے۔ پھر جو بات اُس میں کہی جاتی ہے، وہ خواب میں بعض اوقات ممثل بھی ہو جاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اِس کے نزول کی کیفیات روایتوں میں بیان ہوئی ہیں، اِن سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس کی شدید ترین صورت میں اِس سے پہلے گھنٹی کی سی آواز پیدا ہوتی تھی، یہاں تک کہ سخت ترین سردی کے موسم میں بھی آپ پسینے سے تر ہو جاتے تھے۔ اِس سے آگے اِس کی حقیقت کیا ہے؟ قرآن کا ارشاد ہے کہ اِس کو سمجھنا انسان کے حدودِ علمی سے باہر ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے:

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ. قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا. (بنی اسرائیل 17:85)

”وہ تم سے روح کے متعلق پوچھتے ہیں (جو تم پر وحی کی جاتی ہے)۔ اِن سے کہو، یہ روح میرے پروردگار کا ایک حکم ہے اور اِس طرح کے حقائق کا تم کو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے۔“

(131-130)

اِس تفصیل سے واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیا کے ساتھ تکلیم و تخاطب کی جو مختلف صورتیں اختیار کی جاتی تھیں، اُن میں نمایاں یہ ہیں:

1۔ اللہ کا اوٹ میں رہتے ہوئے براہِ راست کلام فرمانا۔

2۔ اللہ کا نبی کے دل میں اپنی بات ڈال دینا۔

3۔ اللہ کا فرشتے کے ذریعے سے بیداری میں اپنا پیغام پہنچانا۔

4۔ اللہ کا بیداری میں حقائق کو ممثل کرکے دکھانا۔

5۔ اللہ کا فرشتے کے ذریعے سے خواب میں اپنا پیغام پہنچانا۔

6۔ اللہ کا خواب میں حقائق کو ممثل کرکے دکھانا۔

واقعۂ معراج کی تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس میں موخر الذکر دو صورتیں اختیار کی گئی ہیں۔

تفصیل

واقعے کی جو تفصیل روایت سے معلوم ہوتی ہے، وہ یہ ہے:

1۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات مسجدِ حرام میں آرام فرمارہے تھے۔ روایت میں اِس کے لیے 'وھونائم فی المسجد الحرام' (آپ مسجد حرام میں سو رہے تھے) کے الفاظ آئے ہیں۔ وہاں آپ کے علاوہ اور لوگ بھی سوئے تھے۔[22]

2۔ اِس عالم میں آپ نے دیکھا کہ تین فرشتے آئے ہیں اور اُنھوں نے آپ کی پہچان کی ہے۔[23] اُس رات یہ فرشتے آپ کو دیکھ کر واپس چلے گئے۔

---

[22] فرشتوں کے اِس مکالمے سے یہی بات مفہوم ہوتی ہے: 'فقال اولھم: ایھم ھو؟ فقال اوسطھم: ھو خیرھم، فقال آخرھم: خذوا خیرھم' (اِن میں سے ایک نے پوچھا کہ وہ کون ہیں؟ دوسرے نے جواب دیا کہ وہ جو اِن میں سب سے بہتر ہیں۔ تیسرے نے کہا کہ اِن میں جو سب سے بہتر ہیں، اُنھیں لے لو)۔

[23] اِس کا مقصد غالباً یہ ہوگا کہ آیندہ شبِ معراج کو جب وہ آپ کو لینے آئیں تو اُنھیں پہچاننے میں کوئی

3۔ بعد ازاں کسی رات میں وہ دوبارہ آئے۔[24] اِس موقع پر بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجدِ حرام میں سورہے تھے۔ 'یری قلبہ، وتنام عینہ' (جب کہ آپ کا دل دیکھ رہا تھا اور آپ کی آنکھیں سو رہی تھیں) کے الفاظ سے یہی بات واضح ہوتی ہے۔

4۔ اُنھوں نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے وجودِ اطہر کو اٹھایا اور اُسے زم زم کے کنویں کے پاس لے گئے۔ وہاں حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کا سینہ چاک کیا اور اندرون کو آبِ زم زم سے دھویا۔ پھر آپ کے پاس ایک سونے کا طشت لایا گیا، جس میں علم وحکمت سے بھرا پیالہ رکھا تھا۔ جبریل علیہ السلام نے اِس پیالے سے علم وحکمت کو نکالا[25] اور اُس سے آپ کے سینے کو بھر دیا۔ پھر اُنھوں نے سینہ سی دیا۔[26]

5۔ یہ مرحلہ مکمل ہونے کے بعد جبریل امین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر آسمانوں کی طرف روانہ ہو گئے۔ آپ باری باری تمام سات آسمانوں میں سے گزرے۔ ہر آسمان پر آپ کو ایک پیغمبر سے ملایا گیا۔ راوی کی یادداشت کے مطابق یہ پیغمبر حضرت آدم علیہ السلام، حضرت ادریس علیہ السلام، حضرت ہارون علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے۔ دوسرے آسمان پر آپ کو زمین کے دریاے دَجلہ اور فُرات اور جنت کے حوضِ کوثر کا مشاہدہ بھی کرایا گیا۔ یہ تینوں نہروں کی صورت میں ممثل تھے۔

غلطی نہ ہو۔

[24] روایت کے الفاظ میں یہ صراحت نہیں ہے کہ یہ دوسری آمد اگلی رات ہی میں ہوئی یا کچھ ایام گزرنے کے بعد ہوئی۔

[25] اسلوب سے یہی بات ظاہر ہوتی ہے کہ علم وحکمت جیسی غیر مادی شے کو کسی سیال مادے کی صورت میں ممثل کرکے آپ کو دکھایا گیا۔

[26] یہ تمام معاملات عالم رؤیا میں انجام پائے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ واقعہ کے آغاز میں بیان کر دیا گیا ہے کہ جب یہ واقعہ رونما ہوا تو آپ کی آنکھیں سو رہی تھیں۔

6۔ سات آسمانوں سے گزار کر آپ کو سدرۃ المنتہیٰ کے مقام پر پہنچایا گیا۔ وہاں آپ کو ذاتِ باری تعالیٰ کا تقرب حاصل ہوا۔ قرب کی نوعیت ایسی تھی، جیسے کمان کے دو کنارے ایک دوسرے کے قریب ہوتے ہیں۔ اِس موقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پچاس نمازوں کی فرضیت کا حکم وحی کیا گیا۔

7۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ حکم لے کر واپسی کے سفر پر روانہ ہوئے تو ساتویں آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دوبارہ ملاقات ہوئی۔ اُنھوں نے اللہ سے ہونے والے عہد کے بارے میں دریافت کیا۔ آپ نے پچاس نمازوں کی فرضیت سے آگاہ فرمایا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے تجربے کی بنا پر تجویز کیا کہ دن رات میں پچاس نمازیں ادا کرنا آپ کی امت کے لیے دشوار ہو گا۔ لہٰذا مناسب یہی ہے کہ آپ بارگاہِ خداوندی میں واپس تشریف لے جایئے اور اللہ کے حضور اِن میں کمی کی درخواست پیش کیجیے۔ آپ کو یہ تجویز درست لگی، لہٰذا آپ واپس جنابِ الٰہی میں پیش ہوئے اور نمازوں کی تعداد میں تخفیف کی درخواست کی۔ اللہ تعالیٰ نے درخواست قبول فرمائی اور دس نمازوں کی رعایت دے دی۔ واپسی پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو اُنھوں نے اُسی بات کو پھر دہرایا۔ آپ ایک مرتبہ پھر اللہ کے حضور میں پہنچے اور دس نمازوں کی مزید رعایت حاصل کر کے واپس لوٹے۔ تخفیف کی درخواست کا یہ عمل اِسی طرح جاری رہا، یہاں تک کہ نمازوں کی تعداد پانچ تک باقی رہ گئی۔ اللہ تعالیٰ نے کمالِ عنایت سے ہر نماز کو دس نمازوں کے برابر کا درجہ دیا اور ارشاد فرمایا کہ ام الکتاب میں یہ پچاس نمازیں ہی رہیں گی، مگر آپ کی امت پر پانچ فرض ہوں گی۔ گویا جب آپ پانچ نمازیں ادا کریں گے تو وہ عند اللہ پچاس ہی شمار ہوں گی۔

8۔ اِس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پانچ نمازوں میں بھی تخفیف کرانے کا مشورہ دیا، مگر اِس مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے مشورے کو قبول نہیں فرمایا۔

9۔ اِس پر حضرت موسیٰ نے اتفاق کرتے ہوئے نیچے کی طرف واپس جانے کا مشورہ دیا۔

10۔ پھر جب آپ بیدار ہوئے تو آپ نے اپنے آپ کو مسجدِ حرام میں پایا۔

تفہیم

روایت کی توضیح و تفہیم کے اہم نکات درجِ ذیل ہیں:

اولاً، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سفر اور اِس کے تمام واقعات ومشاہدات عالم رؤیا میں رونما ہوئے۔ بیانِ واقعہ کے ابتدائی اور اختتامی الفاظ اِس نوعیت کو نہایت صراحت کے ساتھ واضح کرتے ہیں۔ ابتدا میں بیان ہوا ہے:

حتى اتوه ليلةً اخرى فيما يرى قلبه، وتنام عينه، ولا ينام قلبه، وكذلك الانبياء تنام اعينهم ولا تنام قلوبهم.

”یہاں تک کہ ایک دوسری رات کو وہ (دوبارہ) آئے۔ اُس وقت آپ کی کیفیت ایسی تھی کہ آپ کی آنکھیں تو سو رہی تھیں، مگر آپ کا دل نہیں سو رہا تھا۔ پیغمبروں کا معاملہ یہی ہوتا ہے کہ (نیند کے عالم میں بھی) اُن کی آنکھیں تو سو جاتی ہیں، مگر اُن کے دل نہیں سوتے۔“

اختتامی الفاظ ہیں:

واستيقظ وهو في مسجد الحرام.

”اِس کے بعد جب آپ بیدار ہوئے تو مسجدِ حرام میں تھے۔“

ثانیاً، ذاتِ باری تعالیٰ کے تقرب کو بیان کرنے کے لیے یہاں ’حتى كان منه قاب قوسين او ادنى‘ (یہاں تک کہ ذاتِ باری سے فاصلہ دو کمانوں کے برابر یا اُس سے کچھ کم رہ گیا) کے الفاظ آئے ہیں۔ یہ کم و بیش وہی الفاظ ہیں، جو سورۂ نجم میں جبریل علیہ السلام کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نزدیکی کا مفہوم ادا کرنے کے لیے آئے ہیں۔ ارشاد ہے: ’فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ

اَدْنیٰ'۔ (یہاں تک کہ دو کمانوں کے برابر یا اُس سے کچھ کم فاصلہ رہ گیا) عربی زبان میں یہ اُسی طرح کا تشبیہ کا اسلوب ہے، جس طرح ہم اپنی زبان میں 'ایک گز یا دو گز کا فاصلہ' یا 'دو چار ہاتھ کا فاصلہ'[27] کے الفاظ اختیار کرتے ہیں اور اِس سے ہماری مراد منزل کی نزدیکی یا چیزوں کی قربت ہوتی ہے۔ چنانچہ قرین قیاس یہی ہے کہ روایت میں آپ سے اللہ کے قرب کو نمایاں کرنے کے لیے سورۂ نجم ہی کے پیرایۂ بیان کو مستعار لیا گیا ہے۔

ثالثاً، قربِ الٰہی کے مذکورہ اسلوب کی بنا پر غالب گمان یہی ہے کہ اِس موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کے دیدار کا شرف حاصل ہوا ہو گا۔ بعض دیگر روایتوں میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے یہ الفاظ آئے ہیں کہ میں نے اپنے پروردگار کو اعلیٰ ترین صورت میں دیکھا۔ بالبداہت واضح ہے کہ یہاں عالم رؤیا میں دیکھنا مراد ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ روایت کے الفاظ 'وتنام عینہ، ولا ینام قلبہ' دلیل ہیں کہ معراج کا واقعہ ایسے موقع پر پیش آیا، جب آپ کی آنکھیں سو رہی تھیں اور آپ کا دل نہیں سو رہا تھا۔ بعض دیگر روایتوں میں بھی بیان ہوا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو نیند کی کیفیت میں عالم رؤیا میں دیکھا تھا۔ اِس سلسلے کی ایک روایت ملاحظہ ہو:[28]

عن معاذ بن جبل رضی الله عنه، قال: احتبس عنا رسول الله صلی الله علیه وسلم ذات غداة عن صلاة الصبح حتی کدنا نتراءی عین الشمس، فخرج سریعًا فثوب	''معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں فجر کی نماز ادا کرنے سے روکے رکھا، (کیونکہ آپ امامت کے

[27] قائم چاند پوری سے منسوب معروف شعر ہے:

قسمت کی خوبی دیکھیے، ٹوٹی کہاں کمند   دو چار ہاتھ جب کہ لبِ بام رہ گیا

[28] اِس موضوع پر تفصیلی بحث آیندہ صفحات میں ''رؤیتِ باری تعالیٰ'' کے زیرِ عنوان کی گئی ہے۔

بالصلاة فصلى رسول الله صلى الله عليه وسلم وتجوز في صلاته، فلما سلم دعا بصوته، فقال لنا: على مصافكم كما أنتم، ثم انفتل إلينا، ثم قال: أما إني سأحدثكم ما حبسني عنكم الغداة.

لیے گھر سے باہر تشریف نہیں لائے تھے)۔ قریب تھا کہ ہم سورج کو دیکھ لیں گے کہ آپ تیزی سے باہر تشریف لائے۔ آپ نے نماز کے لیے لوگوں کو بلایا اور نماز پڑھائی۔ (وقت کی کمی کی وجہ سے) آپ نے مختصر نماز پڑھائی اور سلام پھیر کر لوگوں کو (قریب) بلا لیا۔ فرمایا: اپنی اپنی جگہ بیٹھ جاؤ۔ (جب ہم بیٹھ گئے تو) پھر آپ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: میں تم لوگوں کو وہ بات بتانا چاہتا ہوں، جس کی وجہ سے مجھے فجر میں تاخیر ہوئی ہے۔

إني قمت من الليل فتوضأت وصليت ما قدر لي، فنعست في صلاتلي حتى استثقلت فإذا أنا بربي تبارك وتعالى في أحسن صورة.

(آپ نے فرمایا): میں رات کو تہجد کی نماز پڑھنے کے لیے اٹھا۔ میں نے وضو کیا اور حسبِ توفیق نماز ادا کی۔ پھر نماز کے دوران میں مجھ پر غنودگی طاری ہو گئی، یہاں تک کہ میں گہری نیند سو گیا۔ اِسی اثنا میں میں نے اپنے آپ کو اپنے بزرگ و برتر رب کے حضور میں پایا۔ (میں نے دیکھا کہ) اُس کی ذات اعلیٰ ترین صورت میں (میرے سامنے) ہے۔

فقال: یا محمد، قلت: لبیك رب، قال: فیم یختصم الملا الاعلی؟ قلت: لا أدری، قالها ثلاثًا.

رب تعالیٰ نے آواز دی: اے محمد، میں نے جواب دیا: میں حاضر ہوں، میرے پروردگار! ارشاد فرمایا: کیا آپ جانتے ہیں کہ ملاے اعلیٰ میں کس بات پر جھگڑا ہو رہا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میں (اِس بارے میں) نہیں جانتا۔ اللہ نے یہ سوال تین مرتبہ دہرایا۔ (ہر بار میں نے یہی جواب دیا)۔

قال: فرایته وضع کفه بین کتفی حتی وجدت برد انامله بین ثدیی، فتجلی لی کل شیء وعرفت.

(ترمذی، رقم 3235)

(پھر) آپ نے فرمایا: میں نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا، اُس نے اپنا ہاتھ میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھ دیا۔ یہاں تک کہ میں نے اُس کی انگلیوں کی ٹھنڈک اپنے سینے کے اندر محسوس کی۔ اِس کے نتیجے میں (ملاے اعلیٰ) کی ہر چیز میرے سامنے روشن ہو گئی اور میں (صورتِ حال کو) پوری طرح جان گیا۔‘‘

رابعاً، روایت کے الفاظ ’فھی خمسون فی ام الکتاب وھی خمس علیك‘ (ام الکتاب میں یہ نمازیں پچاس ہی رہیں گی، مگر آپ کے لیے اِن کی تعداد پانچ ہو گی) سے بہ ظاہر یہ بات مفہوم ہوتی ہے کہ نمازِ پنجگانہ اِسی موقع پر فرض ہوئی تھی۔ ہمارے علما کا عام موقف بھی یہی ہے۔ لیکن یہ موقف قرآنِ مجید اور بعض روایتوں سے ہم آہنگ نہیں ہے۔ اُس کی وجہ یہ ہے کہ نماز کی عبادت ہمیشہ سے اللہ کے دین کا جزوِلازم رہی ہے۔ قرآنِ مجید میں صراحت ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے انبیاے کرام کو اولین فریضے کے طور پر اِس کی تاکید فرمائی۔ سنن ابو داؤد کی ایک روایت، رقم 393 سے بھی اِس امر کی تائید ہوتی ہے۔ اُس میں بیان ہوا ہے کہ جبریل امین نے ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ نماز ہمیشہ سے پانچ وقت ہی ادا کی جاتی رہی ہے۔ اِس تناظر میں قرین صواب یہی معلوم ہوتا ہے کہ نماز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ساتھ ہی مشروع ہو گئی ہو گی اور معراج میں اِسی مشروعیت کے پس پردہ حقائق کو ممثل کر کے آپ کو دکھایا گیا ہو گا۔

خلاصۂ کلام

گذشتہ صفحات میں استاذِ گرامی جناب جاوید احمد غامدی کے موقف کو بالتفصیل بیان کیا گیاہے۔ اِس کا خلاصہ درجِ ذیل ہے:

* ''اسرا و معراج'' کے زیرِ عنوان بیان کی جانے والی تفصیلات ایک واقعہ نہیں، بلکہ چار الگ الگ واقعات ہیں۔

* اِن میں سے ایک اسرا، دوسرا قاب قوسین، تیسرا سدرۃ المنتہیٰ اور چوتھا معراج ہے۔

* اول الذکر تین واقعات قرآنِ مجید میں اور چوتھا واقعہ احادیث میں بیان ہوا ہے۔

* اِن واقعات کے زمانۂ وقوع اور ترتیبِ زمانی کے بارے میں قرآن و حدیث میں کوئی حتمی بات مذکور نہیں ہے۔

* چار میں سے دو رؤیا کے اور دو بیداری کے مشاہدات ہیں۔

* چاروں من جانبِ اللہ اور نبوت کے ساتھ خاص ہیں، اِس لیے اِن کی نوعیت بہ منزلۂ وحی ہے۔

* چنانچہ خواہ یہ رؤیا کے مشاہدات ہیں یا چشم سر کے، دونوں صورتوں میں یکساں طور پر معتبر ہیں۔ نیند اور بیداری کے فرق کی بنا پر اِن کے اعتبار میں تفریق نہیں کی جاسکتی۔

* اِن میں سے جو واقعات قرآنِ مجید میں مذکور ہیں، اُن کی قطعیت تو ہر شک و شبہے سے پاک ہے، مگر جو واقعہ روایات میں آیا ہے، اُس کی نسبت اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متحقق

ہے تو اُس کی قبولیت میں بھی کسی تردد کا اظہار نہیں کیا جا سکتا۔

* کوئی مسلمان نہ اِن کے وقوع کا انکار کر سکتا ہے اور نہ اِنھیں عام انسانی تجربات کے مماثل قرار دے کر اِن کی الہامی شان کم کر سکتا ہے۔

* چاروں واقعات کے متعلقہ نصوص اِن کی انفرادیت کو پوری طرح واضح کرتے ہیں۔

* تاہم، احادیث و آثار کے بعض راویوں نے اِنھیں ایک واقعے کی صورت میں پیش کیا ہے۔ اِسی بنا پر علما و مفسرین اِنھیں ایک واقعے کے طور پر بیان کرتے ہیں۔

* اِس غلطی کا سبب لفظی اشتراکات یا واقعاتی مماثلتیں یا حفظ کے مسائل یا فہم کی کوتاہیاں یا بیان کی کم زوریاں ہو سکتی ہیں۔

* قرآن کو حدیث کی روشنی میں سمجھنے کے بجاے اگر حدیث کو قرآن کی روشنی میں سمجھنے کا اصول اپنایا جائے تو اِس طرح کی فروگذاشتوں سے محفوظ رہا جا سکتا ہے۔

باب دوم

اسرا و معراج

روایتی نقطۂ نظر اور اُس کا تنقیدی جائزہ

اسرا و معراج کے حوالے سے روایتی موقف کے واقعاتی اجزا کا خلاصہ ابتدا میں ''تعارف'' کے زیرِ عنوان بیان ہو چکا ہے۔ وہاں اُسے ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ ذیل میں اُس کے اہم علمی نکات درج ہیں:

* اسرا و معراج کا ذکر قرآنِ مجید اور احادیث، دونوں میں آیا ہے۔ قرآن میں اجمال ہے اور احادیث میں تفصیل ہے۔

* قرآن و حدیث کے متعلقہ اجزا کو باہم مربوط کرنے سے جو تصویر سامنے آتی ہے، اُس کی بنا پر اِسے ایک واقعے پر محمول کرنا زیادہ قرین قیاس ہے۔

* نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ واقعہ عالم بیداری میں پیش آیا اور آپ نے بہ چشم سر اور بہ چشم دل، دونوں طریقوں سے آیاتِ الٰہی کا مشاہدہ فرمایا۔

* یہ درست ہے کہ قرآن و حدیث میں جسمانی معراج اور بیداری کے سفر کی لفظی صراحت نہیں ہے، لیکن دونوں کے اسالیبِ بیان اِس کے جسمانی اور حالتِ بیداری میں ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

* یہ بھی درست ہے کہ قرآنِ مجید نے اِس واقعے کو 'رُؤْیَا' قرار دیا ہے، جس کے

معروف معنی نیند میں دیکھنے، یعنی خواب کے ہیں، مگر خواب ماننے سے یہ ایک عام واقعہ قرار پاتا ہے اور اِس کی معجزاتی شان قائم نہیں رہتی۔ مزید بر آں، اِس کے نتیجے میں قرآن و حدیث کے اُن اسالیب کی معنویت بھی متاثر ہوتی ہے، جو اِس واقعے کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کی قدرت اور عظمت کو نمایاں کرتے ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ لفظ 'رؤیا' کو اُس کے عام مفہوم کے بجاے اُس مفہوم میں استعمال کیا جائے، جس میں اُس کے معنی بیداری میں دیکھنے کے ہیں۔ کلام عرب میں چونکہ اِس کے نظائر موجود ہیں، اِس لیے اِسے رؤیتِ بصری کے معنی پر محمول کرنا زبان و بیان کے عین مطابق ہے۔

* بعض روایات میں نقل ہوا ہے کہ یہ واقعہ روحانی طور پر عالم خواب میں رونما ہوا، مگر اِن کی اسناد اور متون کو دیگر روایتوں کے تقابل اور تناظر میں دیکھا جائے تو حالتِ بیداری میں جسمانی سفر کا موقف زیادہ قوی معلوم ہوتا ہے۔

* اِس سے بھی انکار نہیں ہے کہ اِسرا و معراج کی احادیث میں باہمی اختلاف پایا جاتا ہے ——— یعنی مثال کے طور پر مشاہدات کے احوال مختلف ہیں، واقعات میں تنوع اور تعدد بھی ہے، اُن کے وقوع کی زمانی اور مکانی ترتیب میں بھی فرق ہے ——— اور بعض اجزا قرآنِ مجید کی مخالفت پر بھی منتج ہوتے ہیں،[29] لیکن اگر واقعے کی معجزانہ شان کو ملحوظ رکھتے ہوئے مختلف روایات کی کڑیاں ملا دی جائیں، متعارض بیانات کی توجیہ کر دی جائے اور خلافِ قرآن اجزا کو رد کر دیا جائے تو اِن میں واقعاتی ربط قائم کرنا بالکل ممکن ہے۔ اِس کے بعد یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایمان افروز معجزے اور تاریخ انسانی کے عظیم الشان واقعے کے طور پر سامنے آتا ہے۔

اِن نکات کے حوالے سے چند اقتباسات کا مطالعہ تفہیم مدعا کے لیے مفید ہو گا۔

---

[29] مثلاً، بعض روایتوں میں رؤیتِ باری تعالیٰ کا ذکر ہے۔ اکثر علما کے نزدیک یہ بات خلافِ قرآن ہے۔

تفسیر ابنِ کثیر میں ہے:

وإذا حصل الوقوف على مجموع هذه الاحاديث صحيحها وحسنها وضعيفها، فحصل مضمون ما اتفقت عليه من مسرى رسول الله صلى الله عليه وسلم من مكة إلى بيت المقدس وأنه مرة واحدة، وإن اختلفت عبارات الرواة في أدائه، أو زاد بعضهم فيه أو نقص منه، فإن الخطأ جائز على من عدا الانبياء عليهم السلام...

”اِن تمام احادیث کو جاننے کے بعد جن میں صحیح بھی ہیں، حسن بھی ہیں، ضعیف بھی ہیں، یہ بات تو واضح ہو گئی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ سے بیت المقدس لے جائے جانے اور اِس کے ایک واقعہ ہونے پر اتفاق ہے۔ یہ درست ہے کہ راویوں کی عبارتوں میں بھی اختلاف اور اُن میں کمی بیشی کا فرق بھی ہے، تاہم یہ ایسی غلطی ہے، جو ممکن ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ انبیا علیہم السلام کے سوا کوئی بھی خطا سے پاک نہیں ہے۔...

وأما عرض الآنية عليه من اللبن والعسل أو اللبن والخمر، أو اللبن والماء أو الجميع فقد ورد أنه في بيت المقدس وجاء أنه في السماء. ويحتمل أن يكون هاهنا وهاهنا، لانه كالضيافة للقادم....

(اِن اختلافی بیانات میں) جہاں تک اِس بات کا تعلق ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دودھ اور شہد یا دودھ اور شراب یا دودھ اور پانی پیش کیا گیا یا یہ چاروں چیزیں پیش کی گئیں تو بعض روایتوں میں ہے کہ یہ واقعہ بیت المقدس کا ہے اور بعض میں یہ ہے کہ یہ واقعہ آسمانوں کا ہے۔ تاہم، عین ممکن ہے کہ یہ چیزیں بہ طورِ مہمان نوازی دونوں جگہوں پر پیش کی

گئی ہوں...۔

ثم اختلف الناس: هل كان الإسراء ببدنه عليه السلام وروحه، أو بروحه فقط؟ على قولين، فالأكثرون من العلماء على أنه أسرى ببدنه وروحه يقظة لا منامًا، ولا ينكرون أن يكون رسول الله صلى الله عليه وسلم رأى قبل ذلك منامًا ثم رآه بعد يقظةً، لأنه كان عليه السلام لا يرى رؤيًا إلا جاءت مثل فلق الصبح....

پھر اِس میں بھی لوگوں نے اختلاف کیا ہے کہ اسرا (لے جانے) کا واقعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اور روح، دونوں کے ساتھ ہوا تھا یا صرف روح کے ساتھ ہوا تھا؟ اِس بارے میں دونوں طرح کی آرا پائی جاتی ہیں۔ اکثر علما کی رائے تو یہی ہے کہ یہ واقعہ جسم اور روح، دونوں کے ساتھ بیداری کے عالم میں ہوا تھا۔ یعنی آپ سو نہیں رہے تھے۔ البتہ، وہ اِس امکان کا انکار نہیں کرتے کہ بعینہٖ یہ واقعہ پہلے آپ کو خواب میں دکھایا گیا ہو اور بعد میں بیداری میں بھی رونما ہوا ہو۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو خواب دیکھتے تھے، وہ دن کی روشنی کی طرح واضح ہوتا تھا...۔

وقد قال تعالىٰ: ”وَما جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ“.[30] قال ابن عباس: هي رؤيا عين أريها رسول الله صلى الله عليه وسلم ليلة

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ’وَما جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ‘ کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ اِس میں رؤیا

[30] بنی اسرائیل 17:60۔

أسرى به، والشجرة الملعونة هى شجرة الزقوم، رواه البخارى، وقال تعالٰى: مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَاطَغٰى[31] والبصر من آلات الذات لا الروح.

(41-39/5)

سے مراد آنکھوں کا دیکھنا ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُس رات دکھایا گیا، جب آپ کو لے جایا گیا اور شجرۂ ملعونہ سے شجرۂ زقوم مراد ہے۔ بہ روایتِ بخاری۔[32] اِس معاملے میں خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: 'مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى'، "اُس کی نگاہ بہکی، نہ بے قابو ہوئی۔" اور نگاہ ظاہر ہے کہ انسان کی مکمل ذات کا وظیفہ ہے، نہ کہ فقط روح کا۔"

مولانا سید ابو الاعلیٰ صاحب مودودی لکھتے ہیں:

"اِس (معراج) کا ذکر قرآن میں بھی ہے اور حدیث میں بھی۔ قرآن یہ بتاتا ہے کہ معراج کس غرض کے لیے ہوئی تھی اور خدا نے اپنے رسول کو بلا کر کیا ہدایات دی تھیں۔ حدیث یہ بتاتی ہے کہ معراج کس طرح ہوئی اور اِس سفر میں کیا واقعات پیش آئے۔ اِس واقعہ کی تفصیلات 28 ہم عصر راویوں کے ذریعہ سے ہم تک پہنچی ہیں۔ سات راوی وہ ہیں، جو خود معراج کے زمانہ میں موجود تھے اور 21 وہ جنھوں نے بعد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی زبانِ مبارک سے اِس کا قصہ سنا۔ مختلف روایتیں قصہ کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتی ہیں اور سب کو ملانے سے ایک ایسا سفر نامہ بن جاتا ہے، جس سے زیادہ دل چسپ، معنی خیز اور نظر افروز سفر نامہ انسانی لٹریچر کی پوری تاریخ میں نہیں ملتا۔"

(سفر نامۂ معراج 3)

---

31 النجم 53:17۔

32 بخاری، رقم 4716۔

مولانامودودی ''تفہیم القرآن''میں آیۂ اسرا کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں:

''اِس سفر کی کیفیت کیا تھی ؟ یہ عالم خواب میں پیش آیا تھا یا بیداری میں ؟ اور آیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہ ذاتِ خود تشریف لے گئے تھے یا اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے محض روحانی طور پر ہی آپ کو یہ مشاہدہ کرادیا گیا؟اِن سوالات کا جواب قرآنِ مجید کے الفاظ خود دے رہے ہیں۔ 'سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی' سے بیان کی ابتدا کرنا خود بتارہا ہے کہ یہ کوئی بہت بڑا خارقِ عادت واقعہ تھا، جو اللہ تعالیٰ کی غیر محدود قدرت سے رونما ہوا۔ ظاہر ہے کہ خواب میں کسی شخص کا اِس طرح کی چیزیں دیکھ لینا، یا کشف کے طور پر دیکھنا یہ اہمیت نہیں رکھتا کہ اُسے بیان کرنے کے لیے اِس تمہید کی ضرورت ہو کہ تمام کم زوریوں اور نقائص سے پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو یہ خواب دکھایا یا کشف میں یہ کچھ دکھایا۔ پھر یہ الفاظ بھی کہ ''ایک رات اپنے بندے کو لے گیا'' جسمانی سفر پر صریحاً دلالت کرتے ہیں۔ خواب کے سفر یا کشفی سفر کے لیے یہ الفاظ کسی طرح موزوں نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا ہمارے لیے یہ ماننے بغیر چارہ نہیں کہ یہ محض ایک روحانی تجربہ نہ تھا، بلکہ ایک جسمانی سفر اور عینی مشاہدہ تھا، جو اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کرایا۔''(2/589)

مفتی محمد شفیع نے بیان کیا ہے:

''مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک کا سفر جس کا ذکر اِس آیت میں ہے، اُس کو اسرا کہتے ہیں اور یہاں سے جو سفر آسمانوں کی طرف ہوا، اُس کا نام معراج ہے۔ اسرا اِس آیت (سورۂ بنی اسرائیل 17: 1) کی نص قطعی سے ثابت ہے اور معراج کا ذکر سورۂ نجم کی آیات میں ہے اور احادیثِ متواترہ سے ثابت ہے۔... قرآنِ مجید کے ارشادات اور احادیثِ متواترہ سے، جن کا ذکر آگے آتا ہے، ثابت ہے کہ اسرا و معراج کا تمام سفر صرف روحانی نہیں تھا، بلکہ جسمانی تھا، جیسے عام انسان سفر کرتے ہیں۔...جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں پر اِس کا اظہار کیا تو کفارِ مکہ نے تکذیب کی اور مذاق اڑایا، یہاں تک کہ بعض نو مسلم اِس خبر کو سن کر مرتد ہو گئے۔ اگر معاملہ خواب کا ہوتا تو اِن معاملات کا کیا امکان تھا اور یہ بات اِس کے منافی نہیں کہ آپ کو اِس سے پہلے اور بعد

میں کوئی معراجِ روحانی بہ صورتِ خواب بھی ہوئی ہو۔ جمہور امت کے نزدیک آیتِ قرآن 'وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ 'میں رؤیا سے مراد رؤیت ہے، مگر اِس کو بہ لفظِ رؤیا (جو اکثر خواب دیکھنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے) تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اِس معاملے کو تشبیہ کے طور پر رؤیا کہا گیا ہو کہ اِس کی مثال ایسی ہے، جیسے کوئی خواب دیکھ لے۔ اور اگر رؤیا کے معنی خواب ہی کے لیے جائیں تو یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ معراج جسمانی کے علاوہ اِس سے پہلے یا پیچھے یہ معراج روحانی بہ طورِ خواب بھی ہوئی ہو۔ اِس لیے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا سے جو اِس کا واقعۂ خواب ہونا منقول ہے، وہ بھی اپنی جگہ صحیح ہے۔ مگر اِس سے یہ لازم نہیں آتا کہ معراج جسمانی نہ ہوئی ہو۔ "(معارف القرآن 5/ 438-439)

پیر کرم شاہ صاحب الازہری اپنی تفسیر "ضیاء القرآن" میں لکھتے ہیں:

"'سبحان' کے کلمہ سے یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر عیب و نقص، کم زوری اور بے بسی سے پاک ہے۔ اِس کے لیے دلیل کی ضرورت تھی، کیونکہ کوئی دعویٰ دلیل کے بغیر قابلِ قبول نہیں ہوا کرتا۔ بہ طورِ دلیل ارشاد فرمایا: 'الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ' کیونکہ اللہ تعالیٰ وہ ہے، جس نے اپنے محبوب بندے کو رات کے تھوڑے سے حصہ میں اتنا طویل سفر کرایا اور اپنی قدرت کی بڑی بڑی نشانیاں اور آیاتِ بینات دکھائیں۔ جو ذات اتنے طویل سفر کو اتنے قلیل وقت میں طے کرا سکتی ہے، واقعی اُس کی قدرت بے پایاں، اُس کی عظمت بے کراں ہے اور اُس کی کبریائی کے دامن پر کسی کم زوری اور بے بسی کا کوئی داغ نہیں۔ تو جس واقعہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی سبحانیت کی دلیل کے طور پر ذکر فرمایا ہے، وہ کوئی معمولی واقعہ نہیں ہو سکتا۔ بلکہ کوئی بڑا اہم، عظیم الشان اور محیر العقول واقعہ ہو گا۔...

قرآن کا یہ انداز صاف بتا رہا ہے کہ یہ واقعہ خواب کا نہیں، بلکہ عالم بیداری کا ہے۔ اِس پر یہ شبہ کیا جا سکتا ہے کہ قرآن کریم کی دوسری آیت میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ یہ رؤیا تھا، یعنی خواب تھا۔ ارشادِ باری ہے: 'وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ'۔ یہاں 'رؤیا' کا لفظ ہے۔ اِس کا معنی خواب ہے۔... جب خود قرآنِ پاک نے تصریح کر دی

کہ یہ خواب تھا تو پھر اِس کا انکار کیسے کیا جاسکتا ہے۔

جواباً عرض ہے کہ اکثر مفسرین کی یہ رائے ہے کہ اِس آیت کا تعلق واقعۂ معراج سے ہے ہی نہیں، بلکہ کسی دوسرے خواب سے ہے۔ اور اگر اِس پر ہی اصرار ہو کہ اِس آیت میں معراج کا ہی ذکر ہے تو پھر حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی تصریح کے بعد کوئی التباس نہیں رہتا۔ آپ نے فرمایا: یہاں رؤیا سے مراد عالم بیداری میں آنکھوں سے دیکھنا ہے۔...

یہ لوگ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اِس حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ واقعۂ معراج بیان کرنے کے بعد حضور نے فرمایا: 'ثم استیقظت وانا فی المسجد الحرام'، ''پھر میں نیند سے بیدار ہوا اور اپنے آپ کو مسجد حرام میں پایا۔'' اِس روایت کے متعلق فن حدیث کے ماہرین کی تصریح ملاحظہ فرمایئے، خود بہ خود شبہ دور ہو جائے گا۔ علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ یہ الفاظ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے شریک نے نقل کیے ہیں اور شریک اہل حدیث کے نزدیک حافظ حدیث نہیں ہے۔... علامہ ابنِ کثیر لکھتے ہیں کہ اِن الفاظ کا شمار شریک کی غلطیوں میں ہوتا ہے۔''(2/627-626)

اہل حدیث مکتبِ فکر کے نمایندہ عالم حافظ صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں:

''... یہ واقعہ چوبیس سے زیادہ صحابہ سے مروی ہے۔ اِس اعتبار سے اِسے تواترِ معنوی کا درجہ حاصل ہے۔ اِس لیے بعض راویوں کے وہم یا مخصوص تعبیر کی وجہ سے سارے واقعے کو اور اِس کی اہم تفصیلات کو مشکوک قرار دیا جاسکتا ہے نہ اِسے خواب قرار دے کر اِس کی ساری اعجازی شان ہی کو ختم کیا جاسکتا ہے۔

اِسی طرح بعض علما کا اختلاف روایات کی وجہ سے تعددِ معراج کا قائل ہونا بھی صحیح نہیں، نہ یہ راویوں کے اختلافات کا کوئی صحیح حل ہی ہے۔ اتنے عظیم اور مہتم بالشان واقعے کو جب متعدد لوگ بیان کریں تو واقعے کی تفصیلات میں جزوی اختلافات یا اُس میں تقدیم و تاخیر اور زیادت و نقص کا واقع ہو جانا کوئی بعید نہیں۔ کسی چیز کی نقل میں متعدد راویوں کے بیانات میں ایسا باہمی اختلاف عام ہے۔ ایسے موقعوں پر نفس واقعہ کا انکار کیا جاتا ہے نہ

اُنھیں متعدد واقعات قرار دیا جاتا ہے، بلکہ اُن بیانات کے مشترکہ نکات اور اجزا کی روشنی میں اصل واقعہ اور اُس کی ضروری تفصیلات کو تسلیم کیا جاتا ہے۔‘‘

(واقعۂ معراج اور اُس کے مشاہدات 28-29)

حافظ صاحب مزید لکھتے ہیں:

’’یہ روایات مختلف راویوں سے ہیں، اِس لیے اِن کی بیان کردہ بعض تفصیلات ایک دوسرے سے مختلف ہیں، جیسا کہ اِس سے قبل اِس طرف ہم اشارہ کر آئے ہیں۔ اور ایک عظیم واقعے کی تفصیلات جب مختلف لوگ بیان کرتے ہیں تو بالعموم ایسا ہی ہوتا ہے، اِس لیے اگر اسرا و معراج کے راویوں کے بیانات میں بھی بعض اختلافات اور کچھ اوہام پائے جاتے ہیں تو اِس کی وجہ سے نفس واقعہ کی استنادی حیثیت پر اثر نہیں پڑتا۔ ائمۂ حدیث اور شارحین حدیث نے اِن اختلافات و اوہام کی وضاحت بھی کر دی ہے اور جن کے درمیان جمع و تطبیق ممکن تھی، اُن کا حل بھی پیش کر دیا ہے، جس کے بعد اصل واقعہ واضح اور بے غبار ہو جاتا ہے۔‘‘(واقعۂ معراج اور اُس کے مشاہدات 42)

حافظ صلاح الدین یوسف بنی اسرائیل کی آیت 60 کے لفظ ’الرُّؤیا‘ کے بارے میں لکھتے ہیں:

’’قرآنِ مجید میں (رؤیا) رویت ہی کے معنی میں ہے۔ بعض لوگ قرآنِ کریم کی درجِ ذیل آیت سے استدلال کرتے ہوئے اِسے خواب قرار دیتے ہیں:

وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ.

’’اور جو رؤیا (خواب) ہم نے آپ کو دکھایا، اُسے لوگوں کے لیے آزمایش بنا دیا۔‘‘

حالانکہ اِس آیت میں رؤیا خواب کے معنی میں نہیں ہے، جیسا کہ اِس کا زیادہ استعمال اِس معنی میں ہے۔ یہاں اِسے آنکھوں سے دیکھنے کے معنی ہی میں استعمال کیا گیا ہے، کیونکہ اِس معنی میں بھی استعمال عربی زبان میں ہوتا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے: (رأیته بعینیی رؤیۃً و رؤیا) ’’میں نے اُس کو اپنی آنکھوں سے دیکھا‘‘۔ یعنی آنکھوں کے ساتھ دیکھنے کو ’رؤیۃ‘ اور ’رؤیا‘ دونوں لفظوں سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اور علامہ جمال الدین

قاسمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وجاء فی اللغة الرؤیا بمعنی الرؤیة مطلقًا وھو معنًی حقیقی لھا....

''لغت میں رؤیا مطلق رؤیت (دیکھنے) کے معنی میں بھی آتا ہے اور یہی اِس کے حقیقی معنی ہیں، جیسے: (قربیٰ اور قربۃ) ہیں۔'''' (واقعۂ معراج اور اُس کے مشاہدات 23)

علامہ عبدالعزیز بن باز کے شاگرد ڈاکٹر محمد لقمان سلفی نے اپنی تفسیر ''تیسیر الرحمٰن'' میں واقعۂ معراج کی نوعیت و کیفیت کے حوالے سے علمائے سلف کے اقوال کا خلاصہ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''اکثر و بیش تر علمائے سلف و خلف کی رائے ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جسم اور روح، دونوں کے ساتھ بیت المقدس اور پھر آسمان پر تشریف لے گئے۔ ابنِ عباس، جابر، انس، حذیفہ، عمر، ابوہریرہ، مالک بن صعصعہ، ابوحبہ البدری، ابن مسعود، ضحاک، سعید بن جبیر، قتادہ، سعید بن المسیب، ابن شہاب، ابنِ زید، حسن، مسروق، مجاہد، عکرمہ اور ابن جریج کا یہی قول ہے۔ طبری، احمد بن حنبل اور اکثر متاخرین فقہا اور محدثین اور متکلمین و مفسرین کا بھی یہی قول ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ معراج صرف روحانی واقع ہوا تھا، اور اُنھوں نے اِس سورت کی آیت 60 'وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ' سے استدلال کیا ہے کہ قرآن نے صراحت کر دی ہے کہ وہ ایک خواب تھا، اور ابنِ اسحاق نے عائشہ رضی اللہ عنہا اور معاویہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ کا جسم مبارک اپنی جگہ سے مفقود نہیں پایا گیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا ہے: 'بینما انا نائم'۔ کہ جب یہ واقعہ پیش آیا تو میں سویا ہوا تھا۔

اور تیسرا قول یہ ہے کہ بیت المقدس تک کا سفر جسم کے ساتھ طے کیا اور وہاں سے آسمان کی طرف آپ نے روحانی سفر کیا۔ اِس لیے کہ آیت میں اسرا کی تحدید مسجدِ اقصیٰ تک کر دی گئی ہے۔

قاضی عیاض نے اپنی کتاب ''الشفا'' میں لکھا ہے کہ حق اور صحیح ان شاء اللہ یہی ہے کہ

معراج کا واقعہ آپ کے جسم و روح، دونوں کے ساتھ پیش آیا تھا۔ آیتِ کریمہ، صحیح احادیث اور غور و فکر سے یہی بات ثابت ہوتی ہے۔ اور ظاہری معنی چھوڑ کر تاویل کی راہ اُس وقت اختیار کی جاتی ہے، جب ظاہری معنی مراد لینا ناممکن ہو۔" (795-796)

اِس تفصیل سے ہمارے روایتی موقف کا استدلال، امید ہے کہ واضح ہو گیا ہو گا۔ آیندہ صفحات میں اِس کے بنیادی مباحث کا تنقیدی جائزہ لیا جائے گا۔

بحث و استدلال کے بنیادی اصول

روایتی موقف پر نقد و نظر سے پہلے ہم وہ بنیادی اصول بیان کریں گے، جن پر استاذِ گرامی جناب جاوید احمد غامدی کے استدلال کی اساس قائم ہے۔ اسرا و معراج کے حوالے سے اُن کا جو موقف گذشتہ صفحات میں نقل ہوا ہے، اُس میں اِنھی اصولوں کا لحاظ کیا گیا ہے۔ آیندہ صفحات میں اُن کے موقف کی تفہیم اور روایتی موقف پر نقد میں بھی یہی اصول بنائے استدلال ہوں گے۔ یہ عقل و نقل کے چند مبادیات ہیں، جنھیں اختیار کیے بغیر دین و شریعت کے صحیح فہم تک رسائی ممکن نہیں ہے۔ یہ درجِ ذیل ہیں:

اول، دین میں قرآنِ مجید کی حیثیت میزان اور فرقان کی ہے۔[33] اِس کے معنی یہ ہیں کہ دین سے متعلق تمام معاملات میں اِسے فیصلہ کن حیثیت حاصل ہے۔ چنانچہ احادیث و آثار، تاریخ و سیرت، فقہ و تفسیر کے ہر قول، ہر روایت اور ہر رائے کو اِس کی ترازو میں تولا جائے گا اور اِس کی کسوٹی پر پرکھا جائے گا۔ وہی چیز قابلِ قبول ہو گی، جسے یہ قبول کرے گا۔ جسے یہ رد

---

[33] 'اَللّٰهُ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِیْزَانَ.' ''اللہ ہی ہے، جس نے اپنی یہ کتاب قول فیصل کے ساتھ اتاری ہے اور (اِس طرح حق و باطل کو الگ الگ کرنے کے لیے) اپنی میزان نازل کر دی ہے" (الشوریٰ 42:17)۔ 'تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا.' ''بہت بزرگ، بہت فیض رساں ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر یہ فرقان اتارا ہے، اِس لیے کہ وہ اہل عالم کے لیے خبر دار کرنے والا ہو" (الفرقان 25:1)۔

کرے گا، اُسے دین یا اُس کی شرح و وضاحت کی حیثیت سے قبول نہیں کیا جائے گا۔

اِس اصول پر عمل کے لیے ضروری ہے کہ حدیث کو قرآن کی روشنی میں سمجھا جائے اور اِس میں اگر کوئی چیز قرآن و سنت کے خلاف ہو تو اُسے قبول نہ کیا جائے۔ "میزان" میں ہے:

"... دین میں اُس (قرآن) کی حیثیت میزان اور فرقان کی ہے۔ وہ ہر چیز پر نگران ہے اور حق و باطل میں امتیاز کے لیے اُسے حکم بنا کر اتارا گیا ہے، لہٰذا یہ بات تو مزید کسی استدلال کا تقاضا نہیں کرتی کہ کوئی چیز اگر قرآن کے خلاف ہے تو اُسے لازماً رد ہونا چاہیے۔... نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیثیت نبوت و رسالت میں جو کچھ کیا، اُس کی تاریخ کا حتمی اور قطعی ماخذ بھی قرآن ہی ہے۔ لہٰذا احادیث کے بیش تر مضامین کا تعلق اُس سے وہی ہے، جو کسی چیز کی فرع کا اُس کی اصل سے اور شرح کا متن سے ہوتا ہے۔ اصل اور متن کو دیکھے بغیر اُس کی شرح اور فرع کو سمجھنا، ظاہر ہے کہ کسی طرح ممکن نہیں ہوتا۔ حدیث کو سمجھنے میں جو غلطیاں اب تک ہوئی ہیں، اُن کا اگر دقت نظر سے جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت صاف واضح ہو جاتی ہے۔ عہدِ رسالت میں رجم کے واقعات، کعب بن اشرف کا قتل، عذاب قبر اور شفاعت کی روایتیں، 'أمرت أن أقاتل الناس'[34] اور 'من بدل دینه فاقتلوه'[35] جیسے احکام اِسی لیے الجھنوں کا باعث بن گئے کہ اُنھیں قرآن میں اُن کی اصل سے متعلق کر کے سمجھنے کی کوشش نہیں کی گئی۔" (63-65)

دوم، قرآنِ مجید صاف اور واضح عربی زبان میں نازل ہوا ہے۔ اِس کے الفاظ و اسالیب میں کوئی الجھاؤ، کوئی ابہام، کوئی شذوذ اور کوئی غرابت نہیں ہے۔ یہ اپنا مدعا پوری صراحت کے ساتھ پیش کرتا ہے، جسے اہل علم کو سمجھنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔

"میزان" میں بیان ہوا ہے:

"... قرآن صرف عربی ہی میں نہیں، بلکہ عربی مبین میں نازل ہوا ہے۔ یعنی ایک

---

[34] بخاری، رقم 25۔ مسلم، رقم 129۔ "مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اِن لوگوں سے جنگ کروں۔"

[35] بخاری، رقم 3017۔ "جو اپنا دین تبدیل کرے، اُسے قتل کر دو۔"

ایسی زبان میں جو نہایت واضح ہے، جس میں کوئی اینچ پینچ نہیں ہے، جس کا ہر لفظ صاف اور جس کا ہر اسلوب اپنے مخاطبین کے لیے ایک مانوس اسلوب ہے۔ ارشاد فرمایا ہے:

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ، عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ. بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ. (الشعراء26:193-195)

”اِس کو روح الامین لے کر اترا ہے۔ تمھارے دل پر، اِس لیے کہ دوسرے پیغمبروں کی طرح تم بھی خبردار کرنے والے بنو۔ نہایت صاف عربی زبان میں۔“

قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ. (الزمر39:28)

”ایسے قرآن کی صورت میں جو عربی زبان میں ہے، جس کے اندر کوئی ٹیڑھ نہیں ہے، اِس لیے کہ وہ خدا کے عذاب سے بچیں۔“

قرآن کے بارے میں یہ ایک واضح حقیقت ہے۔ اِسے مانیے تو اِس کے لازمی نتیجے کے طور پر یہ بات تسلیم کرنا پڑتی ہے کہ قرآن کا کوئی لفظ اور کوئی اسلوب بھی اپنے مفہوم کے اعتبار سے شاذ نہیں ہو سکتا۔ وہ اپنے مخاطبین کے لیے بالکل معروف اور جانے پہچانے الفاظ اور اسالیب پر نازل ہوا ہے۔ زبان کے لحاظ سے اُس کی کوئی چیز اپنے اندر کسی نوعیت کی کوئی غرابت نہیں رکھتی، بلکہ ہر پہلو سے صاف اور واضح ہے۔ چنانچہ اُس کے ترجمہ و تفسیر میں ہر جگہ اُس کے الفاظ کے معروف معنی ہی پیشِ نظر رہنے چاہییں۔ اِن سے ہٹ کر اُس کی کوئی تاویل کسی حال میں قبول نہیں کی جا سکتی۔“ (20-21)

ہمارے نزدیک روایتی مکاتب میں فکر و نظر کی بیش تر غلط فہمیوں کا باعث عقل و نقل کے اِنھی اصولوں سے گریز ہے۔ اسرا و معراج کے واقعات کی تفہیم میں اِنھیں کلیتاً نظر انداز کیا گیا ہے۔[36] قرآن کے قطعی الثبوت اور قطعی الدلالہ نصوص کو ذیلی اور احادیث کے ظنی

36 اِس میں شبہ نہیں کہ سلف و خلف کے علما اِنھیں قبول کرتے ہیں اور اپنے استدلالی مقدمات میں

الثبوت اور ظنی الدلالہ نصوص کو اصل مانا گیا ہے۔ احادیث کو قرآن کی روشنی میں سمجھنے کے بجاے قرآن کی احادیث کی روشنی میں تاویل کی گئی ہے۔ یہی معاملہ عربی زبان کے معروف الفاظ و اسالیب کے ساتھ ہوا ہے۔ اُنھیں اُن کے مستعمل معانی سے ہٹا کر شاذ اور اجنبی مفاہیم پر محمول کیا گیا ہے۔ علم و فکر کے اِس غلط انداز اور فہم و استدلال کی اِس معکوس ترتیب سے قرآن کے میزان اور فرقان ہونے کی منزلت مجروح ہوئی ہے، زبان و بیان کے مسلمات صرفِ نظر ہوئے ہیں اور ایسے مدعا کا ابلاغ ہوا ہے، جو بعض پہلوؤں سے قرآن و حدیث، دونوں کے مطمحِ نظر کے خلاف ہے۔

اِس معاملے میں ہوا کیا ہے، اُسے سمجھنے کے لیے متعلقہ نصوص اور اُن سے ماخوذ نتائج کا ایک طائرانہ جائزہ ہی کفایت کر سکتا ہے۔ ہر شخص بہ ادنیٰ تامل سمجھ جائے گا کہ پہلے مختلف روایات کو ملا کر ایک واقعہ ترتیب دیا ہے اور پھر اُس کے تناظر میں آیاتِ قرآنی کی تاویل کی گئی ہے۔ قرآن کی کسی آیت نے اگر مرتب شدہ واقعے کو قبول کرنے سے انکار کیا ہے تو اُس کی ایسی توجیہ کی ہے، جو قرآن کے عرف اور اُس کی زبان کے معروف کے خلاف ہے۔ اِسی طرح اگر کسی روایت میں متصورہ واقعے سے مختلف بات سامنے آئی ہے تو اُس روایت کو رد کر دیا گیا ہے، خواہ وہ جلیل القدر محدثین کے معیارِ صحت پر پوری اترتی ہو۔

اِنھیں بیان بھی کرتے ہیں، مگر یہ قبولیت اور یہ بیان نظری دائرے ہی تک محدود رہتا ہے۔ عملی اور اطلاقی دائرے میں اِن سے صرفِ نظر ہی کا رویہ اختیار کیا جاتا ہے۔

ایک واقعہ یا چار واقعات

ہمارے روایتی نقطۂ نظر میں اسرا اور معراج کی تفصیلات کو عام طور پر ایک ہی واقعہ سمجھا جاتا ہے اور قرآنِ مجید کے مختلف مقامات اور حدیث کی متفرق روایات کو اُس کے اجزا کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ اِس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ مختلف نصوص میں موجود عقل و نقل، زبان و بیان اور زمان و مکان کے جملہ دلائل ایک کل کے طور پر سامنے لائے جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک مقام کے لیے دوسرے اور دوسرے کے لیے تیسرے کے دلائل سے استشہاد کیا جاتا ہے۔ اِس ضمن میں اگر زبان و بیان یا سیاق و سباق یا عرفِ کلام اُن کے ربط و پیوند کو قبول کرنے سے انکار کریں، تب بھی اُنھیں ایک ہی سلسلے کی کڑیاں قرار دینے پر اصرار کیا جاتا ہے۔ اِس معاملے میں تفریق اور تناقض کی ہر شہادت نظر انداز کر دی جاتی ہے۔

مثال کے طور پر سورۂ نجم میں بیان ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل امین کو سدرۃ المنتہیٰ پر کھلی آنکھوں سے دیکھا، جب کہ سورۂ بنی اسرائیل میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجدِ اقصیٰ کا سفر عالم رؤیا میں کرایا گیا۔ اِن میں سے پہلا مقام عالم بیداری کی صراحت کرتا ہے اور دوسرے میں رؤیا، یعنی پیغمبرانہ خواب کی تصریح ہے۔ ظاہر ہے کہ دونوں کیفیات ایک دوسرے کے برعکس اور باہم مغائر ہیں۔ اب اگر اِن دونوں مقامات کو ایک ہی موقعے کے ایک ہی واقعے پر محمول کیا جائے گا تو لامحالہ کسی ایک مقام کے الفاظ اور اسالیب کو اُن کے معانی و مفاہیم سے ہٹانا پڑے گا۔ یعنی اگر اِس مجموعی واقعے کو رؤیا

کامشاہدہ قرار دینا مقصود ہو تو 'رَاٰی' (اُس نے دیکھا) اور 'مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی' (اُس کی نگاہ نہ بہکی، نہ بے قابو ہوئی) کے الفاظ کو خواب اور نیند کے مفہوم پر محمول کرنا ہو گا اور اگر اِسے بیداری کا واقعہ بتانا پیشِ نظر ہے تو 'الرُّءْيَا' (خواب) کو رؤیتِ بصری، یعنی آنکھوں سے دیکھنے کے معنی پہنانے پڑیں گے۔

دیکھیے، قرآن و حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے متعدد واقعات کا ذکر آیا ہے۔ اِن میں یہ صورت بھی ہے کہ واقعہ ایک ہے، مگر اُس کے اجزا اور متعلقات متعدد مقامات پر بیان ہوئے ہیں۔ یہ صورت بھی ہے کہ مقام ایک ہے، مگر واقعات ایک سے زیادہ مذکور ہیں۔ اور یہ صورت بھی ہے کہ کئی واقعات ہیں، جو اپنے وقوع کے اعتبار سے مختلف اور منفرد ہیں اور الگ الگ مقامات پر بیان ہوئے ہیں۔ اول الذکر کی مثال قصۂ آدم و ابلیس ہے، ثانی الذکر کی مثال سورۂ بنی اسرائیل کی آیات 59-60 ہیں، جن میں تین واقعات کا حوالہ ہے اور موخر الذکر کی مثال حضرات موسیٰ و خضر علیہما السلام کا واقعہ یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جادوگروں سے مقابلے کا واقعہ ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اِس بات کا تعین کیسے ہو گا کہ فلاں آیت یا فلاں روایت یا فلاں روداد یا فلاں بیان کسی واقعے کا جز ہے یا بہ ذاتِ خود ایک منفرد واقعہ ہے یا اِس میں متعدد واقعات مذکور ہیں؟ اِس کا ایک جواب یہ ہے کہ اِس کا تعین ہم ذہنی کاوش سے کریں گے اور اپنی قوتِ متخیلہ کو بروے کار لاتے ہوئے مختلف اور منتشر اجزا کو ایک کل کی صورت میں ترتیب دے دیں گے۔ یہ جواب فکشن نگاری کے لیے یقیناً قابلِ قبول ہو سکتا ہے، مگر قرآن و حدیث کے مندرجات کے فہم اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و سوانح کی تالیف میں اِس کی کوئی گنجایش نہیں ہے۔ اِن کے معاملے میں حتمی اور فیصلہ کن حیثیت اُن مندرجات یا اُن بیانات کی ہو گی، جو قطعی یا قابلِ قبول ذرائع سے ہم تک پہنچے ہیں۔ وہ اگر مختلف واقعات کو ایک واقعے کی صورت دیتے ہیں تو ایک واقعہ مانا جائے گا، وگرنہ الگ الگ واقعات پر محمول کیا

جائے گا۔ اپنی خیال آرائی سے اُنھیں ایک دوسرے سے جوڑنے کی کوشش ہر گز نہیں کی جائے گی۔

یہ بات اگر واضح ہو گئی ہے تو پھر بہ آسانی سمجھا جا سکتا ہے کہ چار واقعات کو ایک واقعہ قرار دینا ہی وہ غلط فہمی ہے، جس کی وجہ سے اِن عظیم الشان واقعات کی حقیقت اور نوعیت کو سمجھنا محال ہوا ہے۔

ہمارے نزدیک جو دلیل اِن چار واقعات کی تفریق پر قطعی طور پر دلالت کرتی ہے، وہ یہ ہے کہ اِن کے بیانات اِنھیں ایک واقعے کی حیثیت سے پیش نہیں کر رہے۔ اِن کا نظمِ کلام، اِن کا سیاق وسباق، اِن کے الفاظ واسالیب، اِن کا مفہوم و مدعا، سب اِن کی انفرادیت کو نمایاں کرتے ہیں۔ لہٰذا جب نصوص اِنھیں ایک واقعے کی حیثیت سے پیش نہیں کر رہے، بلکہ الگ الگ واقعات کے طور پر سامنے لا رہے ہیں تو پھر کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنے تصور کی بنا پر اِن کی کڑیاں ملانے کی کوشش کرے اور اِنھیں ایک واقعے کی صورت میں ترتیب دے کر پیش کرے۔

اِس بات پر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اِن واقعات میں یہ کہاں بیان ہوا ہے کہ یہ الگ الگ واقعات ہیں تو یہ اعتراض بجائے خود زبان و بیان سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ قرآن و حدیث اور سیرت و سوانح کے مندرجات میں جہاں بالعموم تاریخیں درج نہیں ہوتیں اور یہ بھی نہیں لکھا ہوتا کہ فلاں واقعہ فلاں واقعے سے متصل ہے اور اِس کے فلاں اجزا مقدم اور فلاں موخر ہیں، اِس کا تعین واقعے کا بیان کرتا ہے کہ اُسے منفرد واقعہ مانا جائے یا کسی دوسرے واقعے کے سابقے یا لاحقے کے طور پر قبول کیا جائے۔ اِس طرح کے ہر معاملے میں فیصلہ کن حیثیت متکلم اور اُس کے کلام کی ہوتی ہے۔ وہی کسی بیان کے محکم اور متشابہ یا مجمل اور مفصل یا متعلق اور غیر متعلق ہونے کا تعین کرتا ہے۔ سامع یا قاری کا کردار فقط یہ ہوتا ہے کہ وہ اُسے سن کر یا پڑھ کر سمجھنے کی کاوش کرے۔ اِس مقصد کے لیے وہ لفظ کے استعمال، جملے کی تالیف،

عرفِ کلام، سیاق و سباق اور اِس نوعیت کے بعض دوسرے قرائن کو بنیاد بناتا ہے اور متکلم کے منشا تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے۔ شرح و تفسیر اور تفہیم و تبیین کے دائرے میں بھی اُس کا فریضہ فقط کلام میں محصور مفہوم اور مضمر مدعا کو بیان کرنا ہوتا ہے۔ اِس سے تجاوز متکلم کے حریم میں داخل ہونے کے مترادف ہے، جس کی دین واخلاق اور علم و استدلال میں کوئی گنجایش نہیں ہے۔

اِس بنیادی دلیل کے علاوہ کچھ مزید دلائل بھی درج ذیل ہیں:

1۔ مقامات کا فرق

واقعۂ اسرا سورۂ بنی اسرائیل میں اور واقعۂ معراج احادیث میں نقل ہوا ہے۔ قاب قوسین اور سدرۃ المنتہیٰ کے واقعات سورۂ نجم میں بیان ہوئے ہیں۔ موخر الذکر دونوں واقعات اگرچہ سورۂ نجم میں بیان ہوئے ہیں، مگر خود قرآن نے لفظی طور پر اِن کے الگ الگ ہونے کی صراحت کر دی ہے۔

2۔ کیفیات کا فرق

واقعۂ اسرا اور واقعۂ معراج عالم رؤیا میں اور واقعۂ سدرۃ المنتہیٰ اور واقعۂ قاب قوسین عالم بیداری میں رونما ہوئے ہیں۔ نصوص میں یہ کیفیات پوری صراحت سے بیان ہوئی ہیں۔

3۔ مشاہدات کا فرق

واقعۂ اسرا زمین پر رہتے ہوئے زمین کے مقام کا مشاہدہ ہے۔ واقعۂ معراج آسمان پر جا کر آسمان کے مقامات کا مشاہدہ ہے۔ واقعۂ قاب قوسین زمین پر رہتے ہوئے افق اعلیٰ پر جبریل

امین کا مشاہدہ ہے۔ واقعۂ سدرہ زمین پر رہتے ہوئے سدرۃ المنتہیٰ اور آسمان کے انوار و تجلیات کا مشاہدہ ہے۔

4۔ مقاصد کا فرق

واقعۂ اسرا کا مقصد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجدِ اقصیٰ اور مسجدِ حرام، دونوں کی امانت ملنے کے فیصلے کا اظہار ہے۔ واقعۂ معراج کا مقصد خاص نبوت کے پہلو سے اللہ کی نشانیوں کا مشاہدہ کرانا ہے۔ واقعۂ قاب قوسین اور واقعۂ سدرۃ المنتہیٰ کا مقصد قریش پر قرآن کی حقانیت کو واضح کرنا ہے۔

5۔ تفصیلات کا فرق

چاروں میں سے ہر واقعہ یک سر مختلف اور منفرد تفصیلات کا حامل ہے۔

جسمانی یا روحانی کی بحث میں قطعی دلیل

سوال یہ ہے کہ کیا واقعۂ اسرا کے جسمانی یا روحانی ہونے کے حوالے سے نصوص میں کوئی ایسی قطعی دلیل موجود ہے، جو بحث کو حتمی طور پر فیصل کر دے؟ اِس سوال کا جواب اثبات میں ہے۔ دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اِس معاملے کو مبہم نہیں رکھا، بلکہ واضح طور پر بتا دیا ہے کہ یہ واقعہ کس کیفیت میں پیش آیا تھا۔ چنانچہ نص قطعی کی حیثیت سورۂ بنی اسرائیل کی آیت 60 کو حاصل ہے۔ اُس سے یہ بات پوری طرح متحقق ہو جاتی ہے کہ یہ واقعہ عالم رؤیا میں پیش آیا تھا۔

آیئے، اِس بات کو سمجھ لیتے ہیں۔ دیکھیے، ہم نے سورۂ بنی اسرائیل کی پہلی آیت کو پڑھا تو معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک رات میں مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ لے جایا گیا۔ اِس بیان میں دونوں احتمالات موجود تھے۔ یعنی اِسے حالت بیداری میں جسمانی معراج بھی سمجھا جا سکتا تھا اور عالم رؤیا کا سفر بھی قرار دیا جا سکتا تھا۔[37] بات اگر آیت 1 ہی میں محصور ہوتی تو 'سُبۡحٰنَ'، 'اَسۡرٰی' اور 'عَبۡد' کے اشاراتی یا ظنی دلائل[38] اصل قرار پاتے اور اِن کی روشنی میں

---

[37] رؤیا کا امکان اِس لیے پیدا ہوتا ہے کہ قرآن و حدیث اور سابق الہامی صحائف کی بنا پر یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ رؤیا وحی کے ذرائع میں سے ایک ذریعہ تھا اور اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں کو نیند کی حالت میں بھی حقائق کے مشاہدات کراتے تھے۔

[38] ظنی اِس وجہ سے کہ یہ بیداری کا مفہوم لینے کے لیے قطعی نہیں ہیں۔ جیسا کہ سورۂ نجم کے الفاظ

دونوں آرا میں سے کوئی ایک رائے قائم کر لی جاتی۔ مگر واقعہ یہ ہوا ہے کہ بات آیت 1 تک محدود نہیں ہے۔ آیت 60 میں ایک دوسرے پہلو سے اِس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور یہاں کلام اللہ نے واضح کر دیا ہے کہ یہ واقعہ عالم رؤیا میں پیش آیا تھا۔

اِس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اِس صراحت کے بعد اب اِس معاملے میں قطعی اور فیصلہ کن دلیل سامنے آگئی ہے۔ چنانچہ درجِ ذیل نکات اِس کا لازمی نتیجہ ہیں:

1۔ لفظ 'الرؤیا' کو بنیادی دلیل کی حیثیت حاصل ہو گی اور باقی تمام دلائل اِس کے توابع کی حیثیت رکھیں گے۔

2۔ 'الرؤیا' کا معنی و مفہوم عربی زبان کے عرف کے مطابق طے کیا جائے گا۔

3۔ عربی زبان میں 'رؤیا' کے معروف معنی نیند میں یا خواب میں دیکھنے کے ہیں، اِس لیے واقعے کو جسمانی نہیں، بلکہ روحانی قرار دیا جائے گا اور باقی تمام احتمالات کو رد کر دیا جائے گا۔

4۔ سورۂ بنی اسرائیل کی آیت 1 میں مذکور 'سُبۡحٰنَ'، 'اَسۡرٰی' اور 'عَبۡد' جیسے اشاراتی دلائل کی تفسیر بھی 'الرؤیا' کے معنی و مفہوم کو ملحوظ رکھ کر کی جائے گی۔[39]

5۔ لفظِ 'رؤیا' سورۂ بنی اسرائیل کے واقعۂ اسرا اور سورۂ نجم کے واقعۂ سدرۃ المنتہیٰ اور واقعۂ قاب قوسین میں باہمی تعلق کے حوالے سے بھی فیصلہ کن ہو جائے گا۔ اِس کے نتیجے میں یہ لازم ہو گا کہ دونوں واقعات کو الگ الگ سمجھا جائے، کیونکہ ایک میں یہ صراحت ہو گئی ہے کہ وہ عالم رؤیا میں ہوا اور باقی دونوں کے بارے میں یہ واضح ہے کہ وہ عالم بیداری میں کھلی آنکھوں کے ساتھ ہوئے۔ گویا سورۂ بنی اسرائیل کی آیت 60 کو اِسی سورہ کی آیت 1

'رَاٰی' (اُس نے دیکھا) اور 'مَا زَاغَ الۡبَصَرُ وَمَا طَغٰی' (اُس کی نگاہ نہ بہکی، نہ بے قابو ہوئی) بیداری کے مفہوم میں قطعی ہیں۔

[39] یعنی ایسا نہیں ہو گا کہ لفظ 'رؤیا' کی قطعی دلیل کا مدعا اِن اشاراتی دلائل کی روشنی میں طے کیا جائے۔

اور سورۂ نجم کی متعلقہ آیات کے مابین تفریق کے مفہوم پر قولِ فیصل کی حیثیت حاصل ہو گی۔

6۔ واقعۂ اسرا سے متعلق تمام احادیث و آثار کو اِسی حتمی دلیل کی روشنی میں سمجھا جائے گا اور جو بات اِس کے خلاف ہو گی، اُسے خلافِ قرآن قرار دے کر رد کر دیا جائے گا۔

اِس تفصیل سے واضح ہے کہ 'الرؤیا' کی لفظی دلیل کو حجتِ قاطع کی حیثیت حاصل ہے۔ یہ بہ یک قلم اُن تمام دلائل کا رد ہے، جنھیں اِس معاملے میں بالعموم بنیاد بنایا جاتا ہے اور جن کا ذکر ''فتح الباری''، ''تفسیر ابنِ کثیر'' اور دیگر حوالہ جات کی صورت میں اوپر ہو چکا ہے۔ اِسی طرح یہ اُن دلائل کی تردید کے لیے بھی کفایت کرتی ہے، جو اِس بحث میں زبان و بیان کے حوالے سے پیش کیے جاتے ہیں اور جنھیں سلف و خلف کے اکثر علمانے اختیار کیا ہے۔

اِس کے مبرہن ہو جانے سے استاذِ گرامی کے نقد و نظر کا استدلال بہ تمام و کمال مکمل ہو جاتا ہے۔ اِس کے بعد اصلاً اِس کی کوئی ضرورت نہیں رہتی کہ علماکے دلائل کی فرداً فرداً تنقیح کی جائے اور بتایا جائے کہ یہ کیسے قرآن و حدیث کے نصوص اور زبان و بیان کے مسلمات کے خلاف ہیں۔ لیکن چونکہ سلف نے اِنھیں پیش کیا ہے، خلف نے اِن پر اصرار کیا ہے اور عامۃ الناس نے اِنھیں قبول کیا ہے، اِس لیے اِن پر تبصرہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ یہ تبصرہ آیندہ صفحات میں درج ہے۔ اِسے بر سبیل تنزل سمجھنا چاہیے اور اِس پر نظر ڈالتے ہوئے مذکورہ بالا اصل دلیل سے صرفِ نظر نہیں کرنا چاہیے۔

'رؤیا' سے مراد ـــــ روایتی موقف کا جائزہ

قرآنِ مجید میں واقعۂ اسرا سورۂ بنی اسرائیل (17) میں بیان ہوا ہے۔ اِس کی ابتدائی آیت میں مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک لے جانے کا ذکر آیا ہے اور آیت 60 میں لے جانے کی کیفیت مذکور ہے۔ ارشاد ہے:

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ.(1:17)

"ہر عیب سے پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجدِ حرام سے اُس دور کی مسجد تک لے گئی، جس کے ماحول کو ہم نے برکت دی ہے تاکہ اُس کو ہم اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں۔ بے شک، وہی سمیع و بصیر ہے۔"

...وَمَا جَعَلۡنَا الرُّءۡیَا الَّتِیۡۤ اَرَیۡنٰکَ اِلَّا فِتۡنَۃً لِّلنَّاسِ....(60:17)

"...ہم نے جو رؤیا تمھیں دکھایا، اُس کو بھی ہم نے اِن لوگوں کے لیے بس ایک فتنہ بنا کر رکھ دیا...۔"[40]

---

[40] واضح رہے کہ آیت 60 کا اصل مدعا سفر کی نوعیت کو واضح کرنا نہیں ہے۔ یہ بات اِس سے ضمناً مفہوم ہوتی ہے۔

اِن آیات کے حوالے سے دو باتوں پر اتفاق پایا جاتا ہے:

ایک یہ کہ سورۂ بنی اسرائیل میں فقط اُس سفر کا ذکر ہے، جو بیت الحرام سے بیت المقدس تک ہوا ہے۔ آسمانوں کا سفر یہاں مذکور نہیں ہے۔

ثانیاً، آیت 60 میں 'الرُّءْیَا' کا جو لفظ آیا ہے، اُس کی نسبت سفر اقصیٰ کے اُسی واقعے سے ہے، جو آیت 1 میں بیان ہوا ہے۔

صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کی تفاسیر کے جامع امام ابن جریر طبری کا قول ہے کہ اِس پر جلیل القدر مفسرین کا اتفاق ہے کہ آیت 60 میں 'رُءْیَا' کا لفظ شبِ اسرا کے لیے آیا ہے۔ تفسیر ابنِ کثیر میں ہے:

... ولهذا اختار ابن جرير أن المراد بذلك ليلة الإسراء ... قال لإجماع الحجة من أهل التأويل على ذلك.(85/5)

"...لہٰذا امام ابنِ جریر نے اِس موقف کو اختیار کیا ہے کہ (آیت 60 کے اِس مقام سے) اسرا کی رات مراد ہے۔ ...اُن کے نزدیک اہل تفسیر کے جلیل القدر ائمہ کا اِس بات پر اتفاق ہے۔"

امام ابو عبد اللہ قرطبی نے اپنی تفسیر "الجامع لاحکام القرآن" میں آیت 60 کے تحت لکھا ہے:

قوله تعالى: "وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ". لما بين أن إنزال آيات القرآن تتضمن التخويف ضم إليه ذكر آية الإسراء، وهي المذكورة في صدر السورة. (282/10)

"اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: 'وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ'. اِس آیت میں جب یہ فرمایا کہ قرآن کی آیات کا نزول تنبیہ و تخویف کو شامل ہے تو اِس سے آیتِ اسرا کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یہ آیت اِس سورہ کے آغاز میں آئی ہے۔"

واضح ہوا کہ سلف و خلف کے علما اِس بات پر متفق ہیں کہ سورۂ بنی اسرائیل کی آیت 60 کے الفاظ 'الرُّءْيَا الَّتِيْ اَرَيْنٰكَ' (ہم نے جو رؤیا تمھیں دکھایا) میں جس واقعے کا حوالہ دیا گیا ہے، وہ واقعۂ اسرا ہے، اور اِسی کا ذکر سورہ کی آیت 1 میں ہوا ہے۔ اِس کا مطلب ہے کہ علما کی یہ متفقہ راے ہے کہ واقعۂ اسرا عالم رؤیا میں پیش آیا تھا۔

'رؤیا' عربی زبان کا نہایت معروف اور مستعمل لفظ ہے۔ اِس میں یہ نیند میں دیکھنے کے معنوں میں ایسے ہی استعمال ہوتا ہے، جیسے ہم انگریزی، ہندی اور اردو میں ڈریم (Dream)، سپنا اور خواب کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ عربی لغات میں اِس کے یہی معنی درج ہیں۔ اِس کے شعر و ادب میں خواب کا مفہوم ادا کرنے کے لیے اِسی لفظ کو اختیار کیا جاتا ہے۔ احادیث میں یہ کم و بیش سات سو مقامات پر استعمال ہوا ہے اور اِسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ قرآنِ مجید میں بھی یہ مختلف سورتوں میں سات مرتبہ آیا ہے۔ ہر جگہ اِس سے خواب ہی مراد ہے۔

ہمارے علما خواب کے معنوں میں اِس کے عمومی استعمال کا انکار تو نہیں کرتے، بلکہ قرآن و حدیث کی شرح و تفسیر میں خواب کا مفہوم ادا کرنے کے لیے خود بھی یہی لفظ اختیار کرتے ہیں، لیکن اسرا کے سفر کو چونکہ وہ جسمانی سفر قرار دیتے ہیں، اِس لیے اُس کی نسبت سے آنے والے لفظ 'رؤیا' کو خواب کے بجاے بیداری میں دیکھنے پر محمول کرتے ہیں۔ چنانچہ اُن کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر جسمانی تھا۔ اِس سفر کے دوران میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو مشاہدات کرائے گئے، وہ عالم بیداری میں تھے اور آپ نے جو کچھ بھی دیکھا، بہ چشم سر اور کامل بصارت سے دیکھا۔

علما کا یہ موقف جن دلائل پر مبنی ہے، اُن کا خلاصہ درجِ ذیل ہے۔ یہی دلائل ہیں، جو اِس موضوع پر استاذِ گرامی جناب جاوید احمد غامدی کے موقف کی تردید کے لیے پیش کیے جاتے ہیں۔

1۔ 'رؤیا' کا لفظ زیادہ تر خواب کے مفہوم میں بولا جاتا ہے۔ تاہم، یہ فقط اِس مفہوم کے

لیے خاص نہیں ہے۔ اِس کے ساتھ یہ کھلی آنکھوں سے دیکھنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اِس کی مثال عربی زبان کے مشہور شاعر متنبی کا ایک شعر ہے۔ اِس میں یہ لفظ نیند میں دیکھنے کے بجاے بیداری میں دیکھنے کے لیے استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ سورۂ بنی اسرائیل کے لفظ 'رؤیا' سے ظاہری آنکھوں سے دیکھنے کا مفہوم اخذ کرنا اور اِس بنا پر مسجدِ اقصیٰ کے سفر کو جسمانی سفر پر محمول کرنا عربی زبان و ادب کے بالکل مطابق ہے۔ امام ابنِ حجر عسقلانی نے "فتح الباری" میں آیۂ اسرا کے تحت لکھا ہے:

وممن استعمل الرؤيا فى اليقظة المتنبى فى قوله: ورؤياك أحلى فى العيون من الغمض.(673/5)	"اور جن لوگوں نے 'الرؤیا' کو بیداری کے معنی میں استعمال کیا ہے، اُن میں سے ایک متنبی ہے۔ اُس کا قول ہے: 'ورؤياك أحلى فى العيون من الغمض' (یہ تیرا رؤیا آنکھوں کے لیے نیند سے بھی زیادہ شیریں ہے)۔"

یہی معاملہ عربی کے معروف شاعر راعی کے ایک شعر کا بھی ہے۔ اُس میں اُس کے الفاظ ہیں: 'فكبر للرؤيا وهش فؤاده' (اُس نے یہ 'رؤیا' (منظر) دیکھا تو اللہ اکبر کہا اور اُس کا دل خوشی سے سرشار ہو گیا)۔ اِس سے بھی واضح ہے کہ عربی زبان میں 'رؤیا' کا لفظ بیداری میں دیکھنے کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

2۔ عربی زبان و ادب سے استشہاد اور قرآن و حدیث کی شرح و تفسیر کے حوالے سے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی حیثیت مسلم ہے۔ صحیح بخاری میں اُن سے منقول ہے کہ سورۂ بنی اسرائیل میں لفظِ 'رؤیا' سے مراد 'رؤیت عین'، یعنی آنکھوں سے دیکھنا ہے۔[41]

---

[41] بخاری، رقم 4716۔

اب اگر اُن جیسے جلیل القدر مفسر نے یہ تفسیر کر دی ہے تو پھر ہمیں اپنی قیاس آرائی کی ضرورت نہیں ہے۔ اُن کے قول کو اِس معاملے میں دلیل قاطع کی حیثیت حاصل ہونی چاہیے۔ تفسیر ابنِ کثیر میں ہے:

عن ابن عباس: هي رؤيا عين أريها رسول الله صلى الله عليه وسلم ليلة أسري به. (84/5)

''سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ (سورۂ بنی اسرائیل کی آیت 60 کی تفسیر میں) بیان کرتے ہیں کہ اِس میں 'رؤیا' سے مراد آنکھوں کا دیکھنا ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُس رات دکھایا گیا، جب آپ کو لے جایا گیا۔''

3۔ اب جب کہ یہ طے ہے کہ 'رؤیا' کے معنی کھلی آنکھوں سے دیکھنے کے بھی ہو سکتے ہیں اور حبر الامہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے اِس کے یہی معنی بتائے ہیں تو پھر یہ ضروری ہے کہ آیت 60 کی تاویل آیت 1 کی روشنی میں کی جائے۔ یہ درست نہیں ہو گا کہ آیت 1 کی تفصیلات کو آیت 60 کی روشنی میں دیکھا جائے۔ آیت 1 کے افعال، اسما اور اسالیب روحانی کے بجائے جسمانی واقعے کے لیے موزوں ہیں۔ لہٰذا 'رؤیا' کے مفہوم کو اِنھی کی روشنی میں متعین کرنا چاہیے۔

4۔ سورۂ بنی اسرائیل کی آیت 1 میں یہ واقعہ بیان کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنی پاکیزگی بیان فرمائی ہے۔ اِس کے لیے 'سُبۡحٰن' (ہر عیب سے پاک ہے وہ ذات) کا لفظ آیا ہے۔ اِس اسلوب کا تقاضا ہے کہ اِس کے بعد کوئی نہایت غیر معمولی بات ذکر کی جائے۔ اگر یہ واقعہ خواب کا مانا جائے تو 'سُبۡحٰن' کے کلمۂ تنزیہ کا اگلی بات سے تعلق واضح نہیں ہوتا۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ خواب میں دور دراز کا سفر کر لینا یا خلافِ قیاس چیزوں کا مشاہدہ کر لینا عام انسانی تجربہ ہے۔ اِس کیفیت کا واقعہ مخاطبین کے لیے محیر العقول اور خارقِ عادت قرار نہیں دیا جا

سکتا۔ چنانچہ لفظ 'سُبْحٰن' کا تقاضا ہے کہ اِس کے بعد بیان ہونے والے واقعے کو ایسا غیر معمولی معجزہ سمجھا جائے، جس سے اللہ کی قدرت کا ظہور ہوتا ہو۔ یہ ظہور، ظاہر ہے کہ اُسی صورت میں نمایاں ہوتا ہے، جب چالیس دن کی مسافرت ایک رات کی چند ساعتوں میں طے ہو جائے۔

امام ابنِ کثیر لکھتے ہیں:

والدلیل علی هذا قوله تعالیٰ: سُبْحَانَ الَّذِی ... فالتسبیح إنما یکون عند الامور العظام، ولو کان منامًا لم یکن فیه کبیر شیء، ولم یکن مستعظمًا. (تفسیر ابن کثیر 5/40)

''اِس بات کی ایک دلیل 'سُبْحَانَ الَّذِیْ'... کے الفاظ ہیں۔ (یعنی اللہ نے اپنی پاکیزگی بیان فرمائی ہے) تسبیح کے الفاظ اِس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ اِن کے بعد کوئی بہت اہم بات بیان ہو۔ چنانچہ اگر یہ واقعہ خواب کا مانا جائے تو خواب میں ایسے واقعات کا مشاہدہ کوئی بڑی اور غیر معمولی بات نہیں ہے۔''

5۔ سورۂ بنی اسرائیل کی آیت 1 میں 'الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ' کے الفاظ آئے ہیں۔ یعنی ''جو لے گیا اپنے بندے کو''۔ یہاں 'اَسْرٰی' کا فعل خواب کے لیے موزوں نہیں ہے۔ اِس کے معنی لے جانے کے ہیں۔ یہ ایک عمل ہے، جو کسی جسمانی وجود ہی کے ساتھ کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا اِس کا اطلاق خواب پر نہیں ہو سکتا۔ اِسی طرح لفظ 'عَبْد' (بندے) کا اطلاق تنہا روح پر نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ عبد روح اور جسم، دونوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔ چنانچہ اِس لفظ کا استعمال تقاضا کرتا ہے کہ یہاں جسمانی وجود مراد لیا جائے، جو روح و بدن کا مجموعہ ہے۔ ''تفسیر ابنِ کثیر'' میں ہے:

... فإن العبد عبارة عن مجموع الروح والجسد وقد قال ''أَسْرٰی

''... مزید برآں، یہاں 'أَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا' کے الفاظ آئے ہیں۔ اِن

بِعَبۡدِهٖ لَيۡلًا".(41/5) میں لفظ 'عَبۡد' کا اطلاق روح اور جسم کے مجموعے پر ہوتا ہے۔"

6۔ آیت 60 میں اِس واقعے کے لیے 'فِتۡنَةً لِّلنَّاسِ' کے الفاظ آئے ہیں، جن سے واضح ہے کہ اِس واقعے کو لوگوں کے لیے آزمایش بنا دیا گیا۔ فتنہ یا آزمایش، ظاہر ہے کہ کوئی ایسا واقعہ ہی بن سکتا ہے، جو غیر معمولی ہو۔ خواب میں انسان غیر معمولی چیزوں کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔ جب وہ ایک دوسرے کو ایسے مشاہدات سے آگاہ کرتے ہیں تو کسی کے لیے حیرت اور اچنبھے کی بات نہیں ہوتی۔ لہٰذا وہ کسی تعجب کے بغیر دوسروں کے خواب سنتے اور اپنے خواب اُنھیں سناتے ہیں۔ کوئی خواب نہ اُن کے لیے تردد پیدا کرتا ہے اور نہ فتنہ و آزمایش بنتا ہے۔ اگر انسانوں کا عام رویہ یہ ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا خواب سنایا ہو اور وہ لوگوں کے لیے فتنہ بن گیا ہو؟ یہ فتنہ اُسی صورت میں بن سکتا ہے، جب اُسے ایک جسمانی واقعہ قرار دیا جائے۔ اِس صورت میں آزمایش بننے کے تمام لوازم اُس کے اندر پیدا ہو جاتے ہیں۔

امام ابنِ حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

"اِس بات میں اختلاف کرنا جائز نہیں ہے کہ بیت المقدس تک آپ کا ایک رات میں سیر کرنا بیداری میں تھا، اِس لیے کہ اِس پر ظاہر قرآن ناطق ہے اور اِس لیے کہ قریش نے اِس کا انکار کیا اور اگر بیت المقدس تک سیر کرنا خواب میں ہوتا تو قریش انکار نہ کرتے۔" (فتح الباری 1/ 460)

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی نے اِس بات کو قدرے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ آیت 60 کے تحت لکھتے ہیں:

"اشارہ ہے معراج کی طرف۔ اِس کے لیے یہاں لفظ "رؤیا" جو استعمال ہوا ہے، یہ "خواب" کے معنی میں نہیں ہے، بلکہ آنکھوں سے دیکھنے کے معنی میں ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر وہ محض خواب ہوتا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے خواب ہی کی حیثیت سے کفار

کے سامنے بیان کیا ہوتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ اُن کے لیے فتنہ بن جاتا۔ خواب ایک سے ایک عجیب دیکھا جاتا ہے، اور لوگوں سے بیان بھی کیا جاتا ہے، مگر وہ کسی کے لیے بھی ایسے اچنبھے کی چیز نہیں ہوتا کہ لوگ اِس کی وجہ سے خواب دیکھنے والے کا مذاق اڑائیں اور اُس پر جھوٹے دعوے یا جنون کا الزام لگانے لگیں۔" (تفہیم القرآن 2/627)

7۔ روایتوں میں بیان ہوا ہے کہ واقعۂ اسرا کی روداد سن کر لوگوں نے اِس پر یقین کرنے سے انکار کر دیا۔ کفار نے اِس کی ہنسی اڑائی اور مسلمانوں میں سے بعض مرتد ہو گئے۔ لوگوں کا یہ ردِ عمل ثابت کرتا ہے کہ یہ جسمانی سفر کا واقعہ تھا، کیونکہ اگر یہ خواب کا واقعہ ہوتا تو اِسے معمول کی بات سمجھ کر نظر انداز کر دیا جاتا۔ نہ منکرین اِسے رد کرتے اور نہ مسلمانوں کے ارتداد کی نوبت آتی۔

"تفسیر ابنِ کثیر" میں ہے:

فالتسبيح إنما يكون عند الامور العظام، ولو كان منامًا لم يكن فيه كبير شيء ولم يكن مستعظمًا، ولما بادرت كفار قريش إلى تكذيبه، ولما ارتدت جماعة مما كان قد أسلم. (5/40)

"(واقعۂ اسرا کے جسمانی ہونے کی دلیل تسبیح کے الفاظ ہیں) اللہ کی پاکی بیان کرنے کا لازمی تقاضا ہے کہ اِس کے بعد نہایت عظیم الشان بات کا تذکرہ کیا جائے۔ لیکن اگر اِس سفر کو خواب پر محمول کیا جاتا ہے تو اِسے بہت بڑا اور غیر معمولی واقعہ قرار نہیں دیا جا سکتا (اور تسبیح کے الفاظ سے اِس کی مطابقت نہیں ہوتی)، کیونکہ اِس صورت میں نہ کفارِ قریش آپ کی تکذیب کرنے میں جلدی کرتے اور نہ اسلام قبول کرنے والوں میں سے ایک گروہ ارتداد اختیار کرتا۔"

اِن دلائل کی بنا پر ہمارے علما کا اصرار ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اِس سفر کو روحانی سفر یا رؤیا کے سفر پر محمول کرنا درست نہیں ہے، اِسے جسمانی سفر سمجھنا چاہیے۔

استاذِ گرامی جناب جاوید احمد غامدی کے نزدیک واقعۂ اسرا کے حوالے سے علما کا یہ موقف درست نہیں ہے۔ اُن کی جلالتِ علمی اور دینی حمیت کے اعتراف کے باوجود، واقعہ یہ ہے کہ یہ موقف زبان و بیان کے مسلمات، علم و استدلال کے محکمات اور قرآن و حدیث کے نظائر کے منافی ہے اور نتیجے کے لحاظ سے کتاب اللہ اور رسول اللہ کی بات کو اپنا مفہوم دینے کے مترادف ہے۔

واقعۂ اسرا کے اجزا اور اِس کی نوعیت کے بارے میں جملہ تفصیلات ابتدا میں بیان ہو چکی ہیں۔ یہاں ہم علما کے موقف پر استاذِ گرامی کا نقد پیش کریں گے۔

1۔ 'الرؤیا' کا معنی و مفہوم

'رؤیا' عربی زبان کا نہایت معروف لفظ ہے۔ یہ خواب کے معنوں میں مستعمل ہے۔ قرآن و حدیث، زبان و ادب اور فرہنگ و لغت میں اِس کے لیے یہی معنی اختیار کیے گئے ہیں۔ ذیل میں چند شواہد درج ہیں۔

عربی لغات

پہلے امہاتِ لغت کے حوالے دیکھ لیجیے۔

اسماعیل بن حماد الجوہری کی ''الصحاح فی اللغہ'' میں لکھا ہے:

الرؤیا: رأی فی منامہ رؤیا. ''الرؤیا: جو کسی نے اپنی نیند میں دیکھا۔''

(2349/6)

علامہ ابنِ منظور کے مشہور لغت ''لسان العرب'' میں ہے:

الرؤیا: ما رأیتہ فی منامك. ''الرؤیا: جو تو اپنی نیند میں دیکھے۔''

(278/8)

علامہ مرتضٰی زبیدی کی ''تاج العروس'' میں نقل ہے:

الرؤیا: ما رأیتہ فی منامك. ''الرؤیا: جو تم نیند میں دیکھتے ہو۔''

(436/17)

''المعجم الوسیط'' میں بیان ہوا ہے:

الرؤیا: مایری فی النوم. "الرؤیا: جو نیند میں دیکھا جائے۔"

(320/1)

امام راغب اصفہانی نے اپنی معروف کتاب "المفردات فی غریب القرآن" میں 'رؤیا' کے معنی نیند میں دیکھے جانے والے خواب کے کیے ہیں۔ اِس کے علاوہ اُنھوں نے اِس کے کوئی اور معنی نقل نہیں کیے۔ مزید بر آں، قرآنِ مجید کی جن آیات کو اُنھوں نے بہ طورِ شہادت پیش کیا ہے، اُن میں سورۂ بنی اسرائیل کی مذکورہ آیت بھی شامل ہے۔ لکھتے ہیں:

والرؤیا ما یری فی المنام... وروی 'لم یبق من مبشرات النبوة إلا الرؤیا' قال: "لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ"— "... الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ". (209)

"'الرؤیا' کے معنی اُس چیز کے ہیں، جو نیند میں دیکھی جائے۔ ... ایک حدیث میں ہے کہ "نبوت میں سے بس رؤیا (خواب) باقی رہ گئے ہیں"۔ قرآنِ مجید میں ہے کہ "اللہ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا تھا"۔[42] "جو خواب ہم نے آپ کو دکھایا..."۔[43]"

یہ چند لغات کے حوالے ہیں۔ اِن کے علاوہ بھی عربی زبان کے ہر لغت میں لفظ 'رؤیا' کے لیے نیند میں دیکھنے یا خواب دیکھنے کا معنی درج ہے۔ لغات میں اِنھیں عربی مادہ 'رَأَی' کے تحت ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

قرآنِ مجید

اِس کے بعد اب قرآنِ مجید کو دیکھیے۔ اِس میں یہ لفظ مختلف مقامات پر 7 مرتبہ آیا ہے۔

---

[42] الفتح 48:27۔

[43] بنی اسرائیل 17:60۔

ہر مقام پر یہ خواب ہی کے معروف اور مستعمل معنی میں استعمال ہوا ہے۔ مفسرین نے سورۂ بنی اسرائیل کے استثنا کے ساتھ تمام مقامات پر اِس کا ترجمہ خواب کیا ہے۔ واضح رہے کہ اِن چھ میں سے چار مقامات پر انبیاے کرام ہی کے خوابوں کا ذکر ہے۔ یہ تمام مقامات درجِ ذیل ہیں۔ ہر مقام کے تحت ''تفسیر ابنِ کثیر'' سے ماخوذ نوٹ بھی درج ہے۔ اِس سے قارئین کو اندازہ ہو جائے گا کہ یہ لفظ خواب کے مفہوم کے لیے کس قدر صریح ہے۔

1۔ سورۂ فتح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رؤیا

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ.... (27:48)

''یہ حقیقت ہے کہ اللہ نے اپنے رسول کو بالکل سچا خواب دکھایا تھا۔ بے شک، اللہ نے چاہا تو تم مسجدِ حرام میں ضرور داخل ہو گے، پورے امن کے ساتھ، اِس طرح کہ اپنے سر منڈواؤ گے اور بال کتراؤ گے، تمھیں کوئی اندیشہ نہیں ہو گا...۔''

تمام مفسرین کے نزدیک یہاں 'رؤیا' سے خواب مراد ہے۔ مثال کے طور پر ''تفسیر ابنِ کثیر'' میں ہے:

کان رسول الله صلی الله علیه وسلم قد رأی فی المنام أنه دخل مكة وطاف بالبیت فأخبر أصحابه بذلك وهو بالمدینة فلما ساروا عام الحدیبیة لم یشك جماعة منهم أن هذه الرؤیا تتفسر هذا العام. (331/7)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نیند میں، (یعنی خواب میں) دیکھا تھا کہ آپ مکہ میں گئے اور بیت اللہ کا طواف کیا، آپ نے اِس کا ذکر اپنے اصحاب سے مدینہ ہی میں کر دیا تھا۔ حدیبیہ والے سال جب آپ عمرے کے ارادے سے چلے تو اِس خواب کی بنا پر صحابہ کو یقین کامل تھا کہ اِس سفر میں

ہی اِس خواب کی تعبیر دیکھ لیں گے۔"

2۔ سورۂ صافات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا رؤیا

فَلَمَّآ اَسۡلَمَا وَتَلَّهٗ لِلۡجَبِيۡنِ. وَنَادَيۡنٰهُ اَنۡ يّٰۤاِبۡرٰهِيۡمُ. قَدۡ صَدَّقۡتَ الرُّءۡيَا....

(37:103-105)

"پھر جب دونوں نے سرِ تسلیم خم کر دیا اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا۔ اور ہم نے اُس سے پکار کر کہا کہ ابراہیم، تم نے خواب کو سچا کر دکھایا ہے...۔"

یہاں بھی سبھی نے خواب کا مفہوم لیا ہے۔ امام ابنِ کثیر نے حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لکھا ہے:

رؤیا الانبیاء وحی، ثم تلا ھذہ الآیۃ: "قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيۡۤ اَرٰى فِى الۡمَنَامِ اَنِّيۡۤ اَذۡبَحُكَ فَانْظُرۡ مَاذَا تَرٰى".

(تفسیر ابن کثیر 7/24)

"سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ انبیا کے خواب وحی ہوتے ہیں۔ پھر اُنھوں یہ آیت تلاوت کی کہ "ابراہیم نے کہا کہ بیٹے، میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تمھیں ذبح کر رہا ہوں تو تم کیا کہتے ہو؟""

3۔ سورۂ یوسف میں حضرت یوسف علیہ السلام کا رؤیا

اِذۡ قَالَ يُوۡسُفُ لِاَبِيۡهِ يٰۤاَبَتِ اِنِّىۡ رَاَيۡتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوۡكَبًا وَّالشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ رَاَيۡتُهُمۡ لِىۡ سٰجِدِيۡنَ. قَالَ يٰبُنَىَّ لَا تَقۡصُصۡ رُءۡيَاكَ عَلٰٓى اِخۡوَتِكَ فَيَكِيۡدُوۡا لَكَ كَيۡدًا اِنَّ الشَّيۡطٰنَ لِلۡاِنۡسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيۡنٌ. (12:4-5)

"یہ اُس وقت کا قصہ ہے، جب یوسف نے اپنے باپ سے کہا: ابا جان، میں نے خواب دیکھا ہے کہ گیارہ ستارے ہیں اور سورج اور چاند ہیں۔ میں نے اُن کو دیکھا کہ وہ مجھے سجدہ

کر رہے ہیں۔ جواب میں اُس کے باپ نے کہا: بیٹا، اپنا یہ خواب اپنے بھائیوں کو نہ سنانا، ایسا نہ ہو کہ وہ تمھارے خلاف کوئی سازش کرنے لگیں۔ اِس میں شبہ نہیں کہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔"

اِن آیات کے حوالے سے ابنِ کثیر نے لکھا ہے:

وقال ابن عباس رؤیا الانبیاء وحی، وقد تکلم المفسرون علی تعبیر ھذا المنام أن الاحد عشر کوکبًا عبارۃ عن إخوته، ... والشمس والقمر عبارۃ عن أمه وأبیه...یقول تعالٰی مخبرًا عن قول یعقوب لابنه یوسف حین قص علیه ما رأی من ھذہ الرؤیا التی تعبیرھا خضوع إخوته له، ... فخشی یعقوب علیه السلام أن یحدث بھذا المنام.

(تفسیر ابن کثیر 4/317-318)

"سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبیوں کے خواب وحی ہوتے ہیں۔ مفسرین نے کہا ہے کہ یہاں گیارہ ستاروں سے مراد یوسف علیہ السلام کے گیارہ بھائی ہیں۔...اور سورج چاند سے مراد آپ کے والد اور والدہ ہیں۔ ... حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ خواب سن کر اور اُس کی تعبیر کو سامنے رکھ کر یعقوب علیہ السلام نے تاکید کردی کہ اِسے بھائیوں کے سامنے نہ دہرانا، کیونکہ اِس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ آپ کے بھائی آپ کے سامنے جھکیں گے۔"

4۔ سورۂ یوسف میں حضرت یوسف علیہ السلام کے رؤیا کی تعبیر

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰی یُوْسُفَ اٰوٰٓی اِلَیْهِ اَبَوَیْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِیْنَ. وَرَفَعَ اَبَوَیْهِ عَلَی الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا وَقَالَ یٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِیْلُ رُءْیَایَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّیْ حَقًّا.... (12:99-100)

”پھر جب یہ لوگ یوسف کے پاس پہنچے، اُس نے اپنے والدین کو خاص اپنے پاس جگہ دی اور کہا: مصر میں، اللہ چاہے تو امن چین سے رہیے۔ (اپنے گھر پہنچ کر) اُس نے اپنے والدین کو تخت پر بٹھایا اور سب بے اختیار اُس کے لیے سجدے میں جھک گئے۔ یوسف نے کہا: ابا جان، یہ میرے اُس خواب کی تعبیر ہے، جو میں نے پہلے دیکھا تھا۔ میرے پروردگار نے اُس کو حقیقت بنا دیا...۔“

امام ابنِ کثیر لکھتے ہیں:

عن سلیمان: کان بین رؤیا یوسف وتأویلها أربعون سنةً، قال عبد اللہ بن شداد: وإلیها ینتهی أقصی الرؤیا. (تفسیر ابن کثیر 4/353)

”سلیمان کا قول ہے کہ خواب کے دیکھنے اور اُس کی تعبیر کے ظاہر ہونے میں چالیس سال کا وقفہ تھا۔ عبد اللہ بن شداد کہتے ہیں کہ خواب کی تعبیر کے واقع ہونے میں اِس سے زیادہ زمانہ لگتا بھی نہیں۔ یہ آخری مدت ہے۔“

5۔6۔ سورۂ یوسف میں بادشاہ مصر کا رؤیا

وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّيْٓ اَرٰى سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِيْ فِيْ رُءْيَايَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُوْنَ. (43:12)

”(پھر ایک دن) بادشاہ نے (اپنے دربار کے لوگوں سے) کہا: میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ سات موٹی گائیں ہیں، جنھیں سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں، اور سات بالیں ہری اور دوسری سات سوکھی ہیں (اور وہ بھی ہری بالیوں کو کھا رہی ہیں)۔ دربار کے لوگو، مجھے میرے خواب کی تعبیر بتاؤ، اگر تم خواب کی تعبیر دیتے ہو۔“

امام ابنِ کثیر نے اِس کی تفسیر میں لکھا ہے:

هذه الرؤیا من ملك مصر مما قدر

”یہ بادشاہِ مصر کا خواب ہے۔

الله تعالٰی أنها كانت سببًا لخروج يوسف عليه السلام من السجن، معززًا مكرمًا، وذلك أن الملك رأى هذه الرؤيا، فهالته. (تفسیر ابن کثیر 4/335)	قدرتِ الٰہی نے یہ طے کر رکھا تھا کہ یوسف علیہ السلام قید خانے سے عزت و احترام کے ساتھ نکلیں۔ اِس کے لیے قدرت نے یہ سبب بنایا کہ شاہِ مصر نے ایک خواب دیکھا، جس سے وہ خوف زدہ ہو گیا۔“

اِس تفصیل سے واضح ہے کہ قرآنِ مجید میں کل سات مقامات پر 'رؤیا' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اِن میں سے چار مقامات انبیاے کرام سے متعلق اور دو مقام ایک عام انسان بادشاہِ مصر سے متعلق ہیں۔ ہم نے یہ تمام مقامات اوپر نقل کر دیے ہیں۔ اِن سات میں سے چھ مقامات پر سلف و خلف کے مفسرین نے 'رؤیا' کو اُس کے معروف اور مستعمل مفہوم میں لیا ہے اور اُسے خواب قرار دیا ہے۔ اِس معاملے میں اُنھوں نے کسی ادنیٰ تردد کا بھی اظہار نہیں کیا۔ صرف سورۂ بنی اسرائیل وہ واحد مقام ہے، جہاں اُسے اِس کے معروف اور مستعمل مفہوم سے ہٹایا گیا ہے۔ لفظ کو کسی واضح قرینے کے بغیر اُس کے معروف اور مستعمل معنی سے ہٹانا زبان و بیان کے مسلمات کے منافی ہے۔ اِس طرح کا کام متکلم کے منشا کو تبدیل کرنے یا اُس کے منہ میں اپنی بات ڈالنے کے مترادف ہوتا ہے، جسے کسی صورت میں قبول نہیں کیا جا سکتا۔[44]

---

[44] یہ نادانستہ اُسی طرح کا کام ہے، جیسا ہمارے اِس زمانے میں بعض بزعم خود مفسرین قرآن نے کیا ہے اور کتاب الٰہی سے اپنے مطلوبہ مفاہیم کے استخراج کے لیے عربی زبان کی ایسی لغت ایجاد کی ہے، جس کا نہ عربی زبان سے کوئی تعلق ہے اور نہ انسانی نطق سے کوئی علاقہ ہے۔ اِس بات کی تفہیم کے لیے سر سید احمد خان اور جناب غلام احمد پرویز کی تفاسیر میں مثال کے طور پر جنات، ملائکہ، قیامت، آخرت جیسے الفاظ و اصطلاحات کی تشریحات کا ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

کتبِ احادیث

قرآنِ مجید کے بعد اب حدیث کے بھی چند حوالے ملاحظہ کر لیجیے:

...أن أبا هريرة، قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "لم يبق من النبوة إلا المبشرات"، قالوا: وما المبشرات؟ قال: "الرؤيا الصالحة". (بخاری، رقم 6990)

"...حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نبوت میں سے صرف مبشرات باقی رہ گئے ہیں۔ لوگوں نے پوچھا: یہ مبشرات کیا ہیں؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اچھا خواب۔"

والرؤيا ثلاثة : فرؤيا الصالحة بشرى من الله، ورؤيا تحزين من الشيطان، ورؤيا مما يحدث المرء نفسه، فإن رأى أحدكم ما يكره فليقم فليصل ولا يحدث بها الناس. (مسلم، رقم 6042)

"(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا): خواب تین طرح کا ہے: ایک نیک خواب، جو اللہ کی طرف سے خوش خبری ہوتا ہے۔ دوسرے رنج والم کا خواب جو شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔ تیسرے وہ خواب جو اپنے دل کا خیال ہو۔ پھر جب تم میں سے کوئی برا خواب دیکھے تو کھڑا ہو اور نماز پڑھے اور اسے لوگوں سے بیان نہ کرے۔"

عن أبي قتادة، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: الرؤيا الصالحة من الله، والحلم من الشيطان، فإذا حلم فليتعوذ منه، وليبصق عن شماله، فإنها

"حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اچھا خواب اللہ کی طرف سے ہوتا ہے اور برا خواب

لا تضره. (بخاری، رقم 6986)

شیطان کی طرف سے۔ پس اگر کوئی برا خواب دیکھے تو اُسے اُس سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہیے اور بائیں طرف تھوکنا چاہیے۔ پھر یہ خواب اُسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔“

عن عائشة أم المؤمنين، أنها قالت: أول ما بدئ به رسول الله صلى الله عليه وسلم من الوحي الرؤيا الصالحة في النوم، فكان لا يرى رؤيا إلا جاءت مثل فلق الصبح. (بخاری، رقم 3)

”ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا سلسلہ اچھے خوابوں سے شروع ہوا۔ آپ خواب میں جو کچھ دیکھتے، وہ صبح کی روشنی کی طرح واضح ہوتا۔“

اِسی طرح بے شمار اور احادیث میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے اور وہاں اِس کا مطلب حالتِ نیند میں خواب دیکھنا ہی ہے۔ اِس کی نمایاں مثال یہ ہے کہ حدیث کی کتابوں میں محدثین نے جب خوابوں کی روایات کے بارے میں عنوان قائم کیے ہیں تو بیانِ مدعا کے لیے یہی لفظ منتخب کیا ہے۔ صحیح بخاری سے چند مثالیں ملاحظہ کیجیے:

’باب رؤيا يوسف‘ (باب: یوسف علیہ السلام کا خواب)۔

’باب رؤيا إبراهيم عليه السلام‘ (باب: ابراہیم علیہ السلام کا خواب)۔

’باب رؤيا الليل‘ (باب: رات کے وقت کا خواب)۔

’باب الرؤيا بالنهار‘ (باب: دن کے وقت کا خواب)۔

’باب رؤيا النساء‘ (باب: عورتوں کے خواب)۔

’باب ما بدئ به رسول الله صلى الله عليه وسلم من الوحي الرؤيا الصالحة‘ (باب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتدا سچے خواب سے ہوئی)۔

'باب الرؤیا من اللہ' (باب: اللہ کی طرف سے دکھایا جانے والا خواب)۔

'باب الرؤیا الصالحة جزء من ستة وأربعین جزءًا من النبوة' (باب: اچھا خواب نبوت کے چھیالیس حصوں میں سے ایک حصہ ہے)۔

'باب التواطؤ علی الرؤیا' (باب: خواب کا توارد، یعنی ایک ہی خواب کئی آدمی دیکھیں)۔

'باب رؤیا أهل السجون والفساد والشرك' (باب: قیدیوں اور اہل شرک و فساد کے خواب کا بیان)۔[45]

عربی لغات اور قرآن و حدیث کے مذکورہ بالا مندرجات سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ لفظِ 'رؤیا' خواب ہی کے معنی میں معروف ہے۔ یہ درست ہے کہ بعض لغات میں ذیلی یا اضافی معانی کے طور پر 'رؤیت عین' کے یا بیداری میں کوئی منظر دیکھنے کے مجازی معنی درج ہیں اور کلام عرب میں بھی مجاز، استعارے اور کنایے کے اسالیب میں اِس کا استعمال عرف کے مطابق ہے، مگر اِس کے معنی یہ ہرگز نہیں ہیں کہ یہ لفظ اپنے حقیقی اسلوب میں خواب کے علاوہ کسی اور معنی کا بھی احتمال رکھتا ہے۔

یہ زبان و بیان کا عام قاعدہ ہے کہ الفاظ اپنے معروف معنوں ہی میں مستعمل ہوتے ہیں۔ اُنھیں غیر معروف مفہوم میں استعمال کرنا یا شاذ اور اجنبی مفہوم پر قیاس کرنا خلافِ نطق ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ زبان کا وظیفہ ابلاغ ہے اور ابلاغ اُنھی الفاظ و معانی میں ہو سکتا ہے، جن سے مخاطب واقف اور مانوس ہو۔ نادر اور قلیل الاستعمال کلمات و مطالب نہ متکلم کے مدعا کو واضح کرتے ہیں اور نہ مخاطب کے لیے قابل فہم ہوتے ہیں۔ یہ قاعدہ ہر زبان اور ہر کلام سے متعلق ہے۔[46] جہاں تک قرآنِ مجید کے فہم کا تعلق ہے تو اُس کے معاملے میں اِس قاعدے کو بنیادی

---

[45] صحیح بخاری، کتاب التعبیر کی فہرست میں یہ عنوان ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔

[46] اِس سے وہ کلام مستثنیٰ ہیں، جو نحو و لغت کے اعتبار سے ناقص ہوتے ہیں یا جن میں متکلم کا منشا وضوح نہیں، بلکہ ابہام و ایہام ہوتا ہے۔

اصول کی حیثیت حاصل ہے۔ قرآنِ مجید نے اپنے بارے میں یہ بات خود بیان کر دی ہے کہ وہ 'بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ'، یعنی صاف اور واضح عربی زبان میں نازل ہوا ہے اور زبان و بیان کے اعتبار سے وہ 'غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ' ہے، یعنی اُس میں کوئی کجی، کوئی ٹیڑھ، کوئی کمزوری نہیں ہے۔[47]

یہ درست ہے کہ امہاتِ لغت میں معروف اور مستعمل معنی کے علاوہ لغوی، مجازی، اصطلاحی اور شاذ مفاہیم بھی درج کر دیے جاتے ہیں، مگر یہ کام معانی کے تعدد یا اختلاف پر دلالت نہیں کرتا۔ اِس کا مقصد معانی کا احصا اور استقصا ہوتا ہے۔ مولف چاہتا ہے کہ قاری لفظ کے استعمال کی مختلف اور متنوع جہتوں سے آگاہ ہو سکے۔ لٰہذا لغت میں کسی لفظ کے ذیل میں اپنا پسندیدہ معنی دیکھ کر یہ خیال کرنا کہ فلاں کلام کے فلاں جملے میں اِس کا معنی یہی ہے، نطق و زبان کے مسلمات کے خلاف ہے۔

---

[47] الشعراء 26:192-195۔ الزمر 39:28۔

2۔ متنبی کے شعر سے استشہاد

’رؤیا‘ کے لفظ کو بیداری میں دیکھنے کے مفہوم میں لینے کے لیے ابو طیب متنبی[48] کے ایک مصرع سے استشہاد کیا جاتا ہے۔ امام ابنِ حجر عسقلانی نے اِسے بنائے استدلال بنایا ہے اور ”فتح الباری“ کتاب التفسیر میں آیۂ اسرا کے تحت لکھا ہے:

ومن استعمل الرؤیا فی الیقظة المتنبی فی قوله: ورؤیاك أحلی فی العیون من الغمض. (673/5)	”اور جنھوں نے ’الرؤیا‘ کو بیداری کے معنی میں استعمال کیا ہے، اُن میں سے ایک متنبی ہے۔ اُس کا قول ہے: ’ورؤیاك أحلی فی العیون من الغمض‘ (یہ تیرا رؤیا آنکھوں کے لیے نیند سے بھی زیادہ شیریں ہے)۔“

اِس مصرع کے حوالے سے استدلال یہ ہے کہ یہاں ’رؤیا‘ کا لفظ خواب کے مفہوم میں استعمال نہیں ہوا۔ یعنی اِس سے مراد وہ غیر حقیقی منظر نہیں ہے، جو نیند میں دیکھا جاتا ہے۔ اِس سے بیداری کی حالت میں دیکھنا مراد ہے۔

ہمارے نزدیک ابنِ حجر کی یہ بات بالکل درست ہے کہ اِس مصرع میں ’رؤیا‘ کا لفظ خواب

---

[48] ابو الطیب احمد بن الحسین الکوفی المعروف متنبی۔ پیدایش 303ھ، وفات 354ھ۔ عربی زبان کا مشہور شاعر جسے عربی لغت پر کافی عبور حاصل تھا۔ اُس نے نبوت کا دعویٰ بھی کیا تھا۔

کے معنی میں استعمال نہیں ہوا، اِس لیے اِسے جاگتی آنکھوں سے دیکھنے کے مفہوم میں لینا چاہیے۔[49] لیکن اِس کے باوجود سوال یہ ہے کہ کیا اِس دلیل سے وہ نتیجہ نکلتا ہے، جو ابنِ حجر اور دیگر اہل علم نے نکالا ہے کہ 'رؤیا' کا لفظ نیند میں دیکھنے کے ساتھ بیداری میں دیکھنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور سورۂ بنی اسرائیل میں یہ اِسی دوسرے معنی میں استعمال ہوا ہے؟ ہمارے نزدیک اِس سوال کا جواب نفی میں ہے۔

اِس بات کو سمجھنے کے لیے پہلے درجِ ذیل تین سوالوں پر غور ضروری ہے:

1۔ کیا زیرِ بحث آیت کے لفظ، جملے یا اسلوب نے ایسی ضرورت پیدا کر دی ہے کہ متکلم کا منشا جاننے کے لیے کتاب الٰہی سے باہر جانا پڑ گیا ہے؟

2۔ کیا ابوطیب متنبی اُن شعرا میں شامل ہے، جن کا کلام فہم قرآن میں استشہاد کے لیے قابل قبول ہے؟

3۔ کیا شعر اور آیت کے مابین تالیفِ کلام یا اسلوب بیان کا کوئی اشتراک یا مشابہت موجود ہے؟

---

[49] اِس شعر میں 'رؤیا' کا لفظ کس طرح ''جاگتی آنکھوں سے دیکھنے'' کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے، اِس کی تفہیم اِس طریقے سے ہو گی: شعر میں 'رؤیا' (خواب) کا لفظ 'غمض' (نیند) کے تقابل میں آیا ہے اور اِس کے غیر کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ لیکن مسلمہ ہے کہ خواب اور نیند ایک دوسرے کا جزوِ لازم ہیں، یہ باہم مغائر نہیں ہو سکتے۔ اِسی طرح یہ آنکھوں سے متعلق ہو کر بھی آیا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ خواب دیکھنے کا آنکھوں سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، اِس کا تعلق دل و دماغ سے ہوتا ہے۔ اِن وجوہ سے یہ ممکن نہیں ہے کہ یہاں 'رؤیا' کا معنی نیند میں دیکھا جانے والا خواب کیا جائے۔ جب یہ ممکن نہیں رہا تو پھر ضروری ہے کہ اِس کے معنی کا تعین 'غمض' (نیند) کے مخالف مفہوم اور 'العیون' (آنکھوں) کے موافق مفہوم کے طور پر کیا جائے۔ اِس صورت میں 'رؤیا' کا معنی 'رؤیت العین'، یعنی آنکھ سے دیکھنا قرار پائے گا۔ خواب کا مفہوم کرنا ممکن نہیں ہو گا۔

یہ تینوں سوال مسئلۂ زیرِ بحث کو سمجھنے کے لیے ناگزیر ہیں۔ اِنھیں نظر انداز کر کے استشہاد کا طریقہ اختیار کرنا فہم قرآن اور زبان و بیان کے مسلمات کے منافی ہے۔

ہمارے نزدیک اِن تینوں سوالوں کا جواب نفی میں ہے، لہٰذا متنبی کا محولہ شعر بہ طورِ استشہاد پیش نہیں کیا جا سکتا۔ تفصیل درجِ ذیل ہے۔

سورۂ بنی اسرائیل کی مذکورہ آیت میں کلام نے کوئی ایسا تقاضا نہیں کیا کہ لفظ یا اسلوب کو سمجھنے کے لیے کلام عرب سے استشہاد کرنا پڑے۔ کسی کلام میں اِس نوعیت کی ضرورت، ممکنہ طور پر، اُس وقت پیش آتی ہے، جب لفظ یا اسلوب غیر معروف ہو یا ایک سے زیادہ معنی کا احتمال رکھتا ہو یا اُس کی اپنے مفہوم پر دلالت قطعی نہ ہو یا وہ مجازی معنوں میں استعمال ہوا ہو۔ درجِ بالا مباحث میں یہ بات پوری طرح واضح ہو چکی ہے کہ لفظ 'رؤیا' نہ شاذ ہے، نہ محتمل المعانی ہے اور نہ ظنی الدلالہ ہے۔[50] یہ عربی زبان کا نہایت معروف لفظ ہے اور ''خواب'' کے ایک ہی معنی میں مستعمل ہے۔ یہ جب بھی اور جہاں بھی استعمال ہوتا ہے، اپنے مفہوم اور اطلاق کو پوری طرح واضح کر دیتا ہے۔ قرآن و حدیث میں یہ جہاں جہاں بھی آیا ہے، اپنے اِسی معروف اور متداول مفہوم میں آیا ہے۔ مزید یہ کہ اِس آیت میں یہ اپنے حقیقی مفہوم میں استعمال ہوا ہے، مجازی مفہوم میں استعمال نہیں ہوا۔ چنانچہ آیۂ زیر بحث میں اِس کے استعمال کے حوالے سے ادنیٰ درجے میں بھی کوئی ایسا تردد پیدا نہیں ہوتا کہ کلام کو سمجھنے کے لیے کلام سے باہر کسی چیز سے رجوع کرنا پڑے۔

ابو طیب متنبی کے حوالے سے یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ اُس کا شمار اُن شعرا میں نہیں ہوتا، جن کے کلام سے فہم قرآن میں استشہاد کیا جا سکتا ہے۔ یہ عباسی دور کا شاعر ہے اور عربی شاعری کے چار طبقات میں سے چوتھے طبقے میں شمار ہوتا ہے، جب کہ یہ مسلمہ ہے کہ

---

[50] قرآنِ مجید بلسانِ عربی مبین نازل ہوا ہے، اِس لیے اُس میں فہم کے اِن تینوں اسقام کی کوئی گنجایش نہیں ہے۔

قرآن و حدیث کی زبان میں استشہاد کے لیے ابتدائی دو طبقات کے شعرا ہی کے نظائر پیش کیے جاسکتے ہیں۔ عربی زبان و ادب کے علوم و معارف کی معروف کتاب ''خزانۃ الادب ولب لباب لسان العرب'' میں عبد القادر بن عمر البغدادی لکھتے ہیں:

الکلام الذی یستشھد بہ نوعان: شعر وغیرہ، فقائل الاول قد قسمہ العلماء علی طبقات أربع: الطبقۃ الاولیٰ: الشعراء الجاھلیون وھم قبل الإسلام کامرئ القیس والاعشیٰ. الثانیۃ: المخضرمون وھم الذین أدرکوا الجاھلیۃ والإسلام کلبید وحسّان، الثالثۃ: المتقدمون، ویقال لھم الإسلامیون، وھم الذین کانوا فی صدر الإسلام کجریر والفرزدق، الرابعۃ: المولدون ویقال لھم المحدثون، وھم من بعدھم إلی زماننا کبشار بن برد وأبی نواس. فالطبقتان الاولیان یستشھد بشعرھما إجماعًا.(1/5-6)

''جس کلام سے زبان کے معاملے میں استشہاد کیا جاتا ہے، اُس کی دو قسمیں ہیں: ایک جو شعر کی صورت میں ہے اور دوسرا جو شعر کی صورت میں نہیں ہے۔ اِن میں سے پہلی قسم کو اہل علم نے چار طبقات میں تقسیم کیا ہے: پہلا طبقہ اسلام سے پہلے کے شعراے جاہلیت کا ہے، جیسے امرؤ القیس اور اعشیٰ۔ دوسرا مخضرمین کا ہے، جنھوں نے اسلام اور جاہلیت، دونوں کا زمانہ پایا، جیسے لبید اور حسان۔ تیسرے متقدمین ہیں، جنھیں اسلامیین بھی کہا جاتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں، جو اسلام کے دورِ اول میں ہوئے، مثال کے طور پر جریر اور فرزدق۔ چوتھے مولدین ہیں، جنھیں محدثین بھی کہتے ہیں۔ اِن میں وہ سب لوگ شامل ہیں، جو پہلے تین طبقات کے بعد ہمارے اِس زمانے تک ہوئے ہیں، جیسے بشار بن برد اور ابونواس۔ اِن میں سے پہلے دو

طبقات کے بارے میں اجماع ہے کہ اُن
کے اشعار سے استشہاد کیا جائے گا۔‘‘

جہاں تک شعر اور آیت کے مابین تالیفِ کلام یا اسلوب بیان کے اشتراک یا مشابہت کا تعلق ہے تو اُس کی سرے سے کوئی بنیاد نہیں ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ آیت میں لفظِ ’رُءْیَا‘ اپنے حقیقی معنوں میں آیا ہے، جب کہ متنبی نے اِسے مجازی معنوں میں استعمال کیا ہے۔ یہ بات نطق و بیان سے واقف ہر شخص جانتا ہے کہ استشہاد کی غرض سے لفظ کے حقیقی اور مجازی استعمالات ایک دوسرے کے لیے کارآمد نہیں ہو سکتے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ جب کسی لفظ کو مجاز کے دائرے میں استعمال کیا جاتا ہے تو وہ اپنے معنی اور اطلاق میں حقیقی استعمال کے دائرے سے بالکل مختلف ہو جاتا ہے۔ وہ ایک اعتبار سے لفظ کا نیا استعمال ہوتا ہے، جو لفظ کے ابتدائی مفہوم سے الگ اور منفرد ہوتا ہے۔ لہٰذا ایک کے مفہوم کا تعین کرنے کے لیے دوسرے کے استعمال کو بناے استدلال نہیں بنایا جا سکتا۔ اِس بات کو اردو زبان کے چند اشعار سے سمجھا جا سکتا ہے۔

”ماں کا خواب“ کے زیرِ عنوان علامہ اقبال کی ایک نظم کے ابتدائی شعر ملاحظہ کیجیے۔ اِن میں خواب کا لفظ اپنے حقیقی معنوں میں استعمال ہوا:

میں سوئی جو اک شب تو دیکھا یہ خواب
بڑھا اور جس سے مرا اضطراب
یہ دیکھا کہ میں جا رہی ہوں کہیں
اندھیرا ہے اور راہ ملتی نہیں

اب اِسی لفظِ ’خواب‘ کا مجازی استعمال علامہ ہی کے شعر میں دیکھیے۔ ”خضر راہ“ کا مشہور شعر ہے:

عام حریت کا جو دیکھا تھا خواب اسلام نے
اے مسلماں، آج تو اُس خواب کی تعبیر دیکھ

اِس شعر میں شاعرِ مشرق نے دین اسلام کو اپنے تصور میں مشخص کیا ہے اور پھر بتایا ہے کہ اُس نے انسانوں کی آزادی کا ایک خواب دیکھا تھا۔ ظاہر ہے کہ اسلام کوئی شخصی وجود نہیں ہے کہ رات میں سوئے اور خوابوں کا مشاہدہ کرے۔ لہٰذا یہاں خواب کا لفظ حقیقی مفہوم میں نہیں، بلکہ فکر و نظر اور تصور وخیال (آئیڈیا) کے مجازی معنی میں استعمال ہوا ہے۔

میر تقی میر کا شعر دیکھیے:

ہوا ہے خواب ملنا اُس سے شب کا
کبھو آتا ہے وہ مہ خواب میں اب

اِس شعر میں لفظِ 'خواب' دو بار آیا ہے۔ پہلے محال ہونے کے مجازی معنوں میں اور پھر نیند میں دیکھنے کے حقیقی معنوں میں۔

اِن مثالوں سے ہر صاحبِ زبان سمجھ سکتا ہے کہ لفظ کا حقیقی اور مجازی استعمال کیا ہوتا ہے اور اِن میں سے ایک کو دوسرے کے لیے بہ طورِ مثال یا بہ طورِ تفہیم یا بہ غرضِ استشہاد استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ یہی معاملہ ہر زبان کے ہر اُس لفظ کا ہے، جو حقیقت اور مجاز، دونوں اسالیب کا حامل ہوتا ہے۔

اِس وضاحت کے بعد آیئے اب اِس بات کو سمجھ لیتے ہیں کہ ابوطیب متنبی کے شعر میں لفظ 'رؤیا' کیسے مجازی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اِس مقصد کے لیے مناسب ہو گا کہ شعر کو اُس کے سیاق وسباق میں دیکھ لیا جائے:

إذا اعتل سيف الدولة اعتلت الارض
ومن فوقها والناس والكرم المحض

"جب سیف الدولہ بیمار ہوتا ہے تو گویا زمین بھی بیمار پڑ جاتی ہے اور جو کچھ اُس کے اوپر ہو، وہ بھی (رنج والم کا شکار ہو جاتا ہے)۔ یعنی لوگ بھی اور خالص فیض وکرم بھی (بیماری میں مبتلا ہو جاتے ہیں)۔"

وكيف انتفاعي بالرقاد وإنما

بعلته يعتل في الاعين الغمض

"اِس حالت میں میں نیند سے کیسے راحت پاتا، کیونکہ اُس (سیف الدولہ) کی بیماری نے تو نیند کو بھی آنکھوں میں بیمار کر دیا تھا۔ (اِس لیے نیند نہ آئی اور میں رات بھر جاگتا رہا اور سیف الدولہ تجھے تکتا رہا)۔"

مضى الليل والفضل الذي لك لا يمضي

ورؤياك أحلى في العيون من الغمض

"اب رات تو گزر چکی ہے، مگر تیرے (دیدار کا) فیض جاری ہے (آج کی رات اگر میں سو جاتا تو تیری دید کے خواب، بے شک میری نیند کو شیریں بنا دیتے)، مگر یہ جاگتی آنکھوں کا خواب (جس میں میں تجھے کھلی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں)، میری آنکھوں کے لیے نیند (کے اُن خوابوں) سے کہیں زیادہ شیریں ہے۔"

شعر کو پڑھیے تو یہ بہ ذاتِ خود بتا رہا ہے کہ یہاں 'رؤیا' کا لفظ مجازی مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ نیند میں انسان میٹھے میٹھے خوابوں (رؤیا) کا نظارہ کرتا ہے، جن کی وجہ سے اُس کی نیند شیریں ہوتی ہے۔ اِس عام تجربے سے شاعر نے کنایہ کیا ہے اور اپنے ممدوح کے لیے کہا ہے کہ میں ساری رات نیند کے میٹھے خواب دیکھنے کے بجائے جاگ کر تجھے تکتا رہا ہوں اور میرا یہ کھلی آنکھوں کا خواب (شیریں نظارہ) نیند کے خوابوں (رؤیا) سے بھی زیادہ میٹھا ہے۔ یہ اِس شعر کا مفہوم ہے، ما قبل کے شعروں سے بھی اِسی کی تائید ہوتی ہے۔

لفظوں کا مجازی استعمال زبان و بیان کا عام طریقہ ہے۔ ہر زبان اِس سے مزین ہے۔ ہم لفظ کو اُس کے حقیقی مفہوم سے اٹھاتے ہیں اور کسی اشتراک کو بنیاد بنا کر تشبیہ، استعارہ، کنایہ کا طریقہ اختیار کرتے ہیں اور بالکل مختلف مفہوم میں استعمال کر لیتے ہیں۔ جب ہم اپنی قوم سے کہتے ہیں کہ پاکستان شاعر مشرق کا خواب ہے یا اپنے بیٹے سے کہتے ہیں کہ میں نے تمھارے لیے بہت خواب دیکھے ہیں تو اِس سے مراد وہ خواب نہیں ہوتا، جو ہم نیند کے عالم میں دیکھتے

ہیں۔ تفہیم مزید کے لیے اردو کے چند اشعار دیکھ لیجیے، جن میں 'خواب' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اندازہ ہو گا کہ لفظ کا مجازی استعمال کس قدر مختلف اور متنوع پیرا یے اختیار کر تا ہے:

علامہ اقبال کا شعر ہے:

یہ حکم تھا کہ گلشن کن کی بہار دیکھ
ایک آنکھ لے کے خوابِ پریشاں ہزار دیکھ

اِس میں اقبال نے لفظِ 'خواب' کو آنکھ سے دیکھنے کے معنی میں استعمال کیا ہے۔ یہ کنایے کا کم و بیش وہی اسلوب ہے، جو متنبی نے اپنے شعر میں اختیار کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قدرت نے انسان کو آنکھیں دے کر وحشت ناک خواب دیکھنے کے اسباب پیدا کر دیے ہیں۔ گویا شاعر نے یہاں آنکھوں سے خواب دیکھنے کی تعبیر اختیار کی ہے۔

ایک شعر میں 'جوانی' کو 'خواب' سے تعبیر کیا ہے:

لکھی جائیں گی کتابِ دل کی تفسیریں بہت
ہوں گی اے خواب جوانی، تیری تعبیریں بہت

مرزا غالب کا مشہور شعر ہے:

ہے غیبِ غیب جس کو سمجھتے ہیں ہم شہود
ہیں خواب میں ہنوز، جو جاگے ہیں خواب میں

یہاں غالب نے خواب کے اندر جاگنے اور خواب کے اندر خواب دیکھنے کی بالکل منفرد صورتوں کی تصویر کشی کی ہے۔

میر کے درجِ ذیل شعر میں خواب نیند کے مجازی معنوں میں استعمال ہوا ہے:

گزری ہے شب خیال میں خوباں کے جاگتے
آنکھیں لگا کے اُس سے میں ترسوں ہوں خواب کو

میر ہی کے درج ذیل دو شعروں میں دل چسپ معاملہ دیکھیے کہ خواب لفظاً تو اپنے حقیقی

مفہوم میں ہے، مگر معناً مجاز کے لیے استعمال ہوا ہے:

سن کان کھول کر کہ تنک جلد آنکھ کھول
غافل یہ زندگانی فسانہ ہے، خواب ہے
جو کچھ نظر پڑے ہے، حقیقت میں کچھ نہیں
عالم میں خوب دیکھو تو عالم ہے خواب کا

استاذِ مکرم ڈاکٹر خورشید رضوی نے اپنے ایک شعر میں خواب کو اُس کے حقیقی معنوں میں استعمال کیا ہے اور اُس کی کیفیت کو کمال خوبی سے واضح کیا ہے:

عالم خواب کا عقدہ نہیں کھلتا، یعنی
آنکھ باقی نہ رہے اور تماشا رہ جائے

ایک شعر میں اُنھوں نے کھلی آنکھوں کے وظیفے بصر و نظر کو عالم خواب کے لیے موثر اور عالم بیداری کے لیے غیر موثر مان کر عرفانِ ذات کے یک سر منفرد معنی پیدا کیے ہیں:

مری نگاہ نے خوابوں میں خود کو پہچانا
کہ جاگتے میں جو گزری، وہ بے بصر گزری

استاذِ گرامی جناب جاوید احمد غامدی کی نظم کا ایک بند ملاحظہ کیجیے۔ اِس میں خواب کو حقیقی اور مجازی، دونوں معانی میں استعمال کیا ہے اور عالم خواب اور عالم بیداری کے خیالات کی مضمون آفرینی سے قلبی واردات کو نمایاں کیا ہے:

مرے ندیم، کئی بار آخرِ شب میں
مرے چراغ کی لو میں بنی تری تصویر
کنارِ آب چناروں میں ڈوب کر ابھری
خیالِ خواب میں خوابِ خیال کی تعبیر

خواب کے بارے میں یہ عام تجربہ ہے کہ جاگنے کے بعد وہ یادداشت سے محو ہو جاتا ہے۔

اِسی بنا پر بھولی بسری بات کو مجازاً 'خواب' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اردو زبان میں اِس کے لیے خواب و خیال کی ترکیب مستعمل ہے۔ استاذِ گرامی کا شعر ہے:

نہ وہ زماں ہے، نہ وہ مکاں ہے، عجیب منظر بدل رہا ہے
ہوا ہے خواب و خیال وہ بھی، جو تھا کبھی دیدہ و شنیدہ

یہ مجاز و حقیقت کی چند مثالیں ہیں۔ اِن کا مزید استقصا کیا جائے تو بہت سے صفحے سیاہ کیے جا سکتے ہیں۔ خاتمۂ کلام کے طور پر جدید دور کی شاعرہ پروین شاکر کی غزل کے دو شعر ملاحظہ کر لیجیے۔ اِن میں لفظِ 'خواب' کو خوش نما مناظر کے لیے بہ طورِ کنایہ استعمال کیا ہے۔ یہ ویسا ہی اسلوب ہے، جیسے متنبی نے لفظ 'رؤیا' سے اپنے ممدوح کے خوش نما دیدار کے لیے کنایہ کیا ہے:

آنکھوں سے میری، کون مرے خواب لے گیا
چشم صدف سے گوہر نایاب لے گیا
کچھ کھوئی کھوئی آنکھیں بھی موجوں کے ساتھ تھیں
شاید اُنھیں بہا کے کوئی خواب لے گیا

اِس تفصیل سے یہ پہلو پوری طرح واضح ہو گیا ہے کہ کسی لفظ کا معروف اور مستعمل معنی سے مختلف معانی میں استعمال دیکھ کر یہ حکم لگانا کہ یہ لفظ فلاں فلاں معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور پھر اِسے کسی دوسرے کلام کے لیے بہ طورِ شہادت پیش کرنا زبان و بیان کے لحاظ سے درست نہیں ہے۔ اگر اِس طریقے کو فہم کلام کے اصولوں میں شامل کر لیا جائے تو درجِ بالا اشعار کی بنا پر لفظِ 'خواب' کے معنی کی فہرست میں آنکھوں سے دیکھنے، نیند میں جاگنے، کسی کام کے محال ہونے، کسی چیز کے معدوم ہونے، کسی بات کے بھول جانے اور اِسی طرح کے بے شمار مفاہیم کا اضافہ کرنا ہو گا۔

یہ ایسے ہی ہے کہ ہم غالب کا مصرع پڑھیں کہ ——— غالب کو برا کہتے ہو، اچھا مرے

آگے ——— اور اُس کا مفہوم یہ بتائیں کہ آپ غالب کو دوسروں کے سامنے تو برا کہتے ہیں، مگر میرے سامنے اچھا کہتے ہیں، اِسی طرح اقبال کا مصرع پڑھیں کہ ——— جوے شیر و تیشہ و سنگِ گراں ہے زندگی ——— اور پھر یہ اصرار کریں کہ زندگی کے معنی حیات کے علاوہ دودھ کی نہر، پتھر تراشنے کا تیشہ اور چٹان بھی ہیں۔ یہ زبان و بیان کا خون ہے، جو وہی شخص کر سکتا ہے، جو اِسے نطق کے بجاے منطق کے طریقے پر سمجھتا ہے۔

اِس بحث میں مزید بر آں، یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ اِس کا فیصلہ کہ کلام میں کوئی لفظ حقیقی معنوں میں استعمال ہوا ہے یا مجازی معنوں میں، خود کلام کرتا ہے۔ سامع، قاری، شارح، مترجم، مفسر، کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہوتا کہ وہ اپنی جانب سے یا اپنی راے سے مفہوم کا تعین کرے۔ یہ متکلم کے منہ میں اپنی بات ڈالنے اور اُس کے منشا کو متغیر کرنے کے مترادف ہے، جس کی زبان و بیان میں کوئی گنجایش نہیں ہے۔

یہاں بعض لوگ یہ سوال کر سکتے ہیں کہ کلام کیسے بتاتا ہے کہ اُس میں فلاں لفظ فلاں معنی میں استعمال ہوا ہے؟ اِس کا جواب یہ ہے کہ کلام کے موقع و محل میں یا اُس کے سیاق و سباق میں یا جملوں کی تالیف میں یا اسلوب بیان میں ایسے قرائن موجود ہوتے ہیں، جو پوری صراحت کے ساتھ لفظ کے مدعا و مفہوم کو متعین کر دیتے ہیں۔ یہی قرائن ہوتے ہیں، جو فہم کے اختلاف میں فیصلے کے لیے دلائل کا فائدہ دیتے ہیں۔ اِنھی کی بنا پر ہم کلام کے اسما و افعال کے مفاہیم طے کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ مثال کے طور پر شیر کا اسم فلاں جملے میں جنگل کے جانور کے لیے اور فلاں میں بہادر انسان کے لیے استعمال ہوا ہے، آفتاب و ماہ تاب فلاں جگہ اجرام فلکی کے لیے اور فلاں جگہ محبوب و ممدوح کے لیے آئے ہیں اور خواب فلاں جگہ سپنے کے لیے، فلاں جگہ تصور کے لیے اور فلاں جگہ نیند کے لیے استعمال ہوا ہے۔ یہی معاملہ افعال کا ہے۔ مثلاً، سونے اور جاگنے کے افعال نیند اور بیداری کے ساتھ ساتھ غافل ہونے اور سرگرم ہونے کے معنوں میں ہر زبان میں استعمال ہوتے ہیں۔

زبان و بیان کے اِنھی پہلووں کی تفہیم کے لیے ''میزان'' کا درجِ ذیل اقتباس مفید ہو سکتا ہے:

''... دنیا کی ہر زندہ زبان کے الفاظ و اسالیب جن مفاہیم پر دلالت کرتے ہیں، وہ سب متواترات پر مبنی اور ہر لحاظ سے بالکل قطعی ہوتے ہیں۔ لغت و نحو اور اِس طرح کے دوسرے علوم اِسی تواتر کو بیان کرتے ہیں۔ اِس میں نقل کرنے والوں کا صدق و کذب اور اُن کی تعداد سرے سے زیر بحث ہی نہیں ہوتی۔ جن الفاظ و اسالیب کو شاذ اور غریب کہا جاتا ہے، وہ بھی اپنے مفہوم کے لحاظ سے نہیں، بلکہ اپنے استعمال کی قلت و کثرت، اور سننے اور پڑھنے والوں کے علم و اطلاع کے لحاظ سے شاذ اور غریب کہلاتے ہیں۔ لفظ اور معنی کا سفر کبھی الگ الگ نہیں ہوتا، وہ جب تک مستعمل رہتا ہے، اپنے معنی کے ساتھ مستعمل رہتا ہے۔ ہم کسی لفظ کے مفہوم سے ناواقف ہو سکتے ہیں اور اُس کی تعیین میں غلطی بھی کر سکتے ہیں، لیکن وہ اپنے مفہوم کی قطعیت کے بغیر ہی مستعمل ہے یا کسی دور میں مستعمل رہا ہے، اِس کا کوئی تصور نہیں کیا جا سکتا۔ مجاز، کنایہ اور اجمال و تخصیص وغیرہ کے مواقع کا شعور بھی اِسی طرح متواتر ہے۔ دنیا کی سب زبانوں میں یہ انسان کا مشترک سرمایہ ہے۔ 'شیر جنگل کا بادشاہ ہے' اور 'کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے' — اِن جملوں میں مجاز اور حقیقت کو الگ الگ پہچاننے میں کوئی فرد تو بے شک، غلطی کر سکتا ہے، لیکن انسان کا یہ اجتماعی شعور کبھی متردد نہیں ہوتا اور ہم اِسی کی روشنی میں فرد کو اُس کی غلطی پر متنبہ کرتے ہیں۔ زبان سے متعلق یہی حقیقت ہے، جس کی بنا پر ہم جو کچھ بولتے اور لکھتے ہیں، اِس اعتماد کے ساتھ بولتے اور لکھتے ہیں کہ دوسرے اُس سے وہی کچھ سمجھیں گے، جو ہم کہنا چاہتے ہیں۔ دنیا میں ہر روز جو دستاویزات لکھی جاتی ہیں، جو فیصلے سنائے جاتے ہیں، جو احکام جاری کیے جاتے ہیں، جو اطلاعات بہم پہنچائی جاتی ہیں اور جن علوم کا ابلاغ کیا جاتا ہے، اُن کے بارے میں ایک لمحے کے لیے بھی یہ خیال اگر پیدا ہو جائے کہ اُن کے الفاظ کی دلالت اپنے مفہوم پر قطعی نہیں ہے تو اُن میں سے ہر چیز بالکل بے معنی ہو کر رہ جائے گی۔''

(32-33)

3۔ راعی کے شعر سے استشہاد

'رؤیا' کے لفظ کو رؤیتِ بصری کے مفہوم میں لینے کے لیے اموی دور کے ایک شاعر عبید بن حصین الراعی[51] کے اِس مصرع کو بھی بہ طورِ دلیل پیش کیا جاتا ہے:

فكبر للرؤيا وهش فؤاده

"اُس نے یہ 'رؤیا' (منظر) دیکھا تو اللہ اکبر کہا اور اُس کا دل خوشی سے سرشار ہو گیا۔"

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک صاحبِ زبان شاعر نے 'رؤیا' کو نیند میں دیکھنے کے بجاے بیداری میں دیکھنے کے معنی میں استعمال کیا ہے۔ اِس کا مطلب ہے کہ عربی زبان میں یہ لفظ کھلی آنکھوں سے دیکھنے کے مفہوم میں بھی مستعمل ہے۔ لہٰذا سورۂ بنی اسرائیل کی آیت 60 میں اِس کا معنی رؤیتِ بصری کرنا زبان و بیان کے خلاف نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر اِس سے خواب کا غیر حقیقی یا غیر مرئی منظر لینے کے بجاے بیداری کا مشاہدہ مراد لیا جائے تو یہ لفظ کے استعمالات کے مطابق ہو گا۔

اِس ضمن میں عموماً "لسان العرب" کا درجِ ذیل حوالہ پیش کیا جاتا ہے:

قال ابن بری: وقد جاء الرؤيا في   "ابن بری کا قول ہے کہ 'الرؤیا'

---

[51] عبید بن حصین النمیری بن معاویہ بن جندل الراعی۔ بصرہ کے علاقے کا معروف شاعر ہے۔ اِس کا شمار اموی دور کے شعرا میں ہوتا ہے۔ جریر اور فرزدق اِس کے معاصرین میں شامل ہیں۔ 90 ہجری بہ مطابق 709 عیسوی میں فوت ہوا۔

الیقظة قال الراعی: فكبر للرؤيا وهش فؤاده. وبشر نفسًا كان قبل يلومها. وعليه فسر قوله تعالى: ”وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ“.(297/8)	بیداری کے لیے بھی آیا ہے۔ راعی کہتا ہے: ’فكبر للرؤيا وهش فؤاده. وبشر نفسًا كان قبل يلومها‘۔ اِسی بنا پر اللہ تعالیٰ کے اِس ارشاد کی تفسیر کی گئی ہے: ’وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ‘۔“

ہمارے نزدیک یہ دلیل بھی اُسی غلطی کا اعادہ ہے، جو متنبی کے شعر کے معاملے میں ہوئی ہے۔ یعنی پہلے، غلط طور پر ’رؤیا‘ کے مجازی مفہوم کو حقیقی مفہوم پر محمول کیا ہے، پھر اُس غلط مفہوم کو دلیل بنا کر لفظ کے معانی میں نئے معنی کا اضافہ کیا ہے اور آخر الامر اُس نئے معنی کو حقیقی مفہوم میں مستعمل قرار دے کر آیت پر اُس کا اطلاق کر دیا ہے۔ بات کچھ پیچیدہ ہو گئی ہے۔ آیئے، اِسے ایک مثال سے سمجھ لیتے ہیں۔

اردو زبان کے اساتذہ کے چند اشعار درجِ ذیل ہیں۔ اِن میں لفظِ ”دل“ کو مجازاً ”گھر“ کے مفہوم میں یا اُس کے مترادف کے طور پر استعمال کیا گیا ہے:

دل میں ذوقِ وصل و یادِ یار تک باقی نہیں
آگ اِس گھر میں لگی ایسی کہ جو تھا جل گیا

(غالب)

دل کے تئیں آتش ہجراں سے بچایا نہ گیا
گھر جلا سامنے پر ہم سے بجھایا نہ گیا

(میر)

ترا کیا کام اب دل میں غم جانانہ آتا ہے
نکل اے صبر اِس گھر سے کہ صاحب خانہ آتا ہے

(امیر)

درد کو پھر ہے مرے دل کی تلاش
خانہ برباد کو گھر یاد آیا

(فانی)

جنھیں میں ڈھونڈتا تھا آسمانوں میں زمینوں میں
وہ نکلے میرے ظلمت خانۂ دل کے مکینوں میں

(اقبال)

اِن اشعار کی بنا پر اگر یہ کہا جائے کہ اِن میں ''دل'' کا لفظ چونکہ ''گھر'' کے معنی میں استعمال ہوا ہے، اِس لیے اِس لفظ کے مطالب کی فہرست میں جسمانی عضو اور جذبہ و احساس کے ساتھ گھر، خانہ یا مکان کے مفردات بھی درج کر دینے چاہییں تاکہ قارئین پیشِ نظر عبارت میں جس معنی کو اپنے ذوق اور فہم کے قریب محسوس کریں، اُسے اختیار کر لیں۔ چنانچہ مثال کے طور پر اگر وہ مولانا ظفر علی خان کے اِس شعر کو پڑھیں:

میں اُس کو کعبہ و بت خانہ میں کیوں ڈھونڈنے نکلوں
مرے ٹوٹے ہوئے دل ہی کے اندر ہے قیام اُس کا

اور اِس کا یہ مفہوم بیان کریں کہ ـــــ مجھے اللہ تعالیٰ کی جستجو میں نہ کعبہ جانے کی ضرورت ہے اور نہ بت کدے میں، کیونکہ وہ تو میرے اپنے ٹوٹے ہوئے گھر میں رہتا ہے ـــــ تو اِسے زبان و بیان کے عین مطابق قرار دیا جائے گا۔

اِس مثال میں ''ٹوٹے ہوئے دل'' کو ''ٹوٹے ہوئے گھر'' کے معنی میں لینا، کس قدر غلط ہے، اِسے قارئین بہ ادنیٰ تامل سمجھ سکتے ہیں۔ تفہیم مزید کے لیے گذشتہ صفحات میں حقیقت و مجاز کی بحث پر ایک نظر ڈالی جا سکتی ہے۔

اِس توضیح کے بعد اب عبید بن حصین الراعی کے مذکورہ مصرع میں لفظ 'رؤیا' کے مجازی مفہوم کو بھی جان لینا چاہیے۔ شعر کو اُس کے سیاق و سباق میں رکھ کر پڑھا جائے تو یہ مفہوم

پوری طرح واضح ہو جائے گا۔ شاعر کہتا ہے:

ومستنبح تهوى مساقط رأسه

على الرحل في طخياء طمس نجومها

”جب اندھیری رات کے تارے مٹنے لگے تو ایک اجنبی مسافر آیا، جس کا سر (رات بھر سفر کرنے کے بعد نیند اور تھکاوٹ سے) بار بار کجاوے پر گر رہا تھا۔“

رفعت له مشبوبة عصفت لها

صبا تزدهيها مرة وتقيمها

”میں نے اُس کے لیے آگ بھڑکا رکھی تھی۔ اُس پر بادِ صبا چلنے لگی، جو اُس (آگ کی لپٹ) کو کبھی حرکت دیتی تھی اور کبھی کھڑا کر دیتی تھی۔“

فكبر للرؤيا وهش فؤاده

وبشر نفسًا كان قبل يلومها

”(تھکے ہارے ناامید) مسافر نے جب یہ حسین خواب (جیسا نظارہ)، یعنی دل کش منظر دیکھا تو (فرطِ مسرت سے) اللہ اکبر کہا اور اُس کا دل خوشی سے سرشار ہو گیا۔ پھر اُس نے اپنے نفس کو بشارت دی، جسے وہ (کچھ دیر) پہلے (مایوسی کی وجہ سے) ملامت کر رہا تھا۔“

صاف واضح ہے کہ یہاں شاعر نے ’خواب کے دل کش مناظر‘ سے کنایہ کرتے ہوئے ’رؤية‘ کی جگہ ’رؤیا‘ کے لفظ کو استعمال کیا ہے۔ اِس سے مقصود صورتِ حال کی سنگینی میں مسافر کو ملنے والی غیر متوقع خوشی کو نمایاں کرنا ہے۔[52] مسافر ریگ زار میں ساری رات کے سفر کی جس مشکل اور مشقت سے گزر کر آیا تھا، اُس کے بعد اچانک آگ کا الاؤ نظر آ جانا اُس کے لیے کسی سہانے سپنے سے کم نہ تھا۔ شاعر نے اِسی غیر متوقع اور غیر معمولی صورت حال کو

---

[52] اِس طرح کی صورتِ حال میں ہماری زبان پر بھی اِس طرح کا جملہ آ جاتا ہے کہ ”لگ رہا ہے کہ میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں“۔ اِسے بولتے ہوئے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ خواب نہیں حقیقت ہے۔ شاعری میں خواب کے مجازی استعمال کی مثالیں گذشتہ صفحات میں گزر چکی ہیں۔

نمایاں کرنے کے لیے یہ اسلوب اختیار کیا۔ اِس موقع پر اگر 'رؤیا' کا کنایہ استعمال کرنے کے بجاے 'رؤیۃ' کا حقیقی پیرایہ اختیار کیا جاتا تو مطلوبہ مضمون آفرینی ہرگز نہ پیدا ہو سکتی۔ علامہ شہاب خفاجی نے اپنی کتاب "شرح درۃ الغواص فی الاوہام الخواص" میں ابنِ بری کے حوالے سے اِس امر کو واضح کیا ہے کہ راعی نے مذکورہ شعر میں لفظ 'رؤیا' کو مجازی معنی ہی میں استعمال کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

وقال ابن بری: الرؤيا وإن كانت فی المنام فالعرب استعملتها فی اليقظة كثيرًا، فهو مجاز مشهور كقول الراعی....(318)

"ابنِ بری کا قول ہے کہ 'رؤیا' اگرچہ خواب کے معنوں میں آتا ہے، مگر اہل عرب اِسے بیداری میں دیکھنے کے معنوں میں بھی بہ کثرت استعمال کرتے ہیں۔ تاہم، یہ استعمال (حقیقت کے طور پر نہیں، بلکہ) مجاز کے طور پر مشہور ہے۔ جیسا کہ راعی کا قول ہے...۔"

تاہم، لفظ 'رؤیا' کے اِس استعمال کا سورۂ بنی اسرائیل میں اِس کے استعمال سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ دونوں اسالیب ایک دوسرے سے یک سر مختلف ہیں اور اِن میں باہمی طور پر کوئی اشتراک، کوئی مشابہت، کوئی مماثلت نہیں ہے۔ دونوں جگہوں پر اِس کے طریق استعمال اور سیاق و سباق سے واضح ہے کہ سورہ میں یہ لفظ حقیقی معنی میں اور شعر میں مجازی مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ لہٰذا اِن دونوں استعمالات کو ایک دوسرے کے لیے بہ طورِ نظیر پیش نہیں کیا جا سکتا۔

4۔ ’سُبۡحٰنَ الَّذِیۡ‘ کے الفاظ کا مدعا

’سُبۡحٰن‘ تنزیہ اور تسبیح کا کلمہ ہے۔ یہ جب اللہ تعالیٰ کے لیے آتا ہے تو اِس کا مقصد اُس کی ذات کے بارے میں کسی سوءِ ظن یا غلط فہمی کو رفع کرنا اور اُس کی صفات کو نمایاں کرنا ہوتا ہے۔ اِس صورت میں اِس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر نقص و عیب سے پاک اور اُس خاص صفت سے متصف ہے، جس کے بارے میں بدگمانی کا اظہار ہوا ہے۔ قرآنِ مجید کے متعدد مقامات پر یہ اِسی مفہوم کے لیے آیا ہے۔

چنانچہ اگر اللہ کی وحدانیت پر سوال اٹھایا گیا ہے تو ارشاد ہوا ہے: ’سُبۡحٰنَ اللّٰہِ وَ تَعٰلٰی عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ‘ (اللہ پاک اور برتر ہے اُس سے جو یہ شریک ٹھیراتے ہیں)۔[53]

اگر اُس سے کوئی کم زوری یا کم تری منسوب کی گئی ہے تو فرمایا ہے: ’سُبۡحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الۡعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوۡنَ‘ (تیرا پروردگار، عزت کا مالک، اُن سب باتوں سے پاک ہے، جو یہ بیان کرتے ہیں)۔[54]

اگر اُس کی تدبیرِ امور پر اعتراض سامنے آیا ہے تو یہ دعائیہ کلمات صادر ہوئے ہیں: ’رَبَّنَا مَا خَلَقۡتَ ھٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبۡحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ‘ (پروردگار، تونے یہ سب بے مقصد نہیں

---

[53] القصص 68:28۔

[54] الصافات 180:37۔

بنایا ہے۔ تو اِس سے پاک ہے کہ مقصد کے بغیر کوئی کام کرے۔ سو ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچالے)۔[55]

اگر اُس کے علم و حکمت کے بارے میں کوئی اشکال پیدا ہوا ہے تو اہل حق کا یہ قول نقل کیا ہے: 'سُبۡحٰنَكَ لَا عِلۡمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَلِيۡمُ الۡحَكِيۡمُ' (آپ کی ذات ہر عیب سے پاک ہے، ہم تو اتنا ہی جانتے ہیں، جتنا آپ نے ہمیں بتایا ہے، علیم و حکیم تو اصل میں آپ ہی ہیں)۔[56]

یہی معاملہ قدرت، ربوبیت، رحمت اور دیگر صفات کا ہے۔

آیۂ زیر بحث میں 'سُبۡحٰن' کا لفظ قدرت کی صفت کو نمایاں کرنے کے لیے نہیں آیا، جیسا کہ عام طور پر خیال کیا گیا ہے، بلکہ یہ اللہ کے سمیع و بصیر ہونے کے پہلو سے آیا ہے۔ آیت کا آغاز 'سُبۡحٰنَ الَّذِيۡۤ اَسۡرٰى بِعَبۡدِهٖ لَيۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَـرَامِ اِلَى الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا' (ہر عیب سے پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو ایک راتوں رات مسجد حرام سے اُس دور کی مسجد تک لے گئی) اور اختتام 'اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيۡعُ الۡبَصِيۡرُ' (بے شک، وہی سمیع و بصیر ہے) کے الفاظ پر ہوتا ہے۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں 'سُبۡحٰن' جس پہلو سے آیا ہے، اُس کا تعین 'السَّمِيۡعُ الۡبَصِيۡرُ' کے الفاظ سے کیا جائے گا اور یہ مفہوم اخذ کیا جائے گا کہ اللہ اِس سے پاک ہے کہ اُس کے سمیع و بصیر ہونے کی صفات کے بارے میں کوئی سوءِ ظن قائم کیا جائے۔

اِس بنا پر آیت کا مدعا یہ ہے کہ جس خالق نے بنی اسرائیل کو دین کی شہادت کے منصب پر فائز کیا[57] اور اُنھیں یہ ذمہ داری سونپی کہ وہ اپنے اجتماعی وجود میں دین حق کو مشہود کریں

---

[55] آل عمران 3:191۔

[56] البقرہ 2:32۔

[57] قرآن کی اصطلاح میں اِس کے معنی یہ ہیں کہ دین کی حقانیت کو دیگر اقوام پر اِس طرح واضح کر دیا جائے کہ اِس کے بعد اُن کے لیے اُس سے انحراف کی گنجایش باقی نہ رہے۔

اور اقوام عالم کے سامنے اُس کی گواہی اِس طرح پیش کریں کہ اُن کے لیے اِس دنیا میں اللہ کی دینونت[58] برپا ہو جائے، یہ کیسے گوارا کر سکتا ہے کہ وہ اپنے فرائض سے مسلسل روگردانی کریں اور پھر بھی اِس عظیم منصب پر قائم رہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اُنھوں نے نہ صرف اپنے منصب کے تقاضے پورے نہیں کیے، بلکہ اُس سے آگے بڑھ کر اللہ کے معاملے میں سرکشی اور انکار کا رویہ اختیار کیا۔ اُن کی نافرمانی اور بغاوت بالآخر اِس درجے تک پہنچ گئی کہ وہ اللہ کے پیغمبر کے قتل کے درپے ہو گئے۔ اللہ سمیع و بصیر اُن کے جرائم دیکھ رہا تھا، مگر اُنھیں مہلت دیے جا رہا تھا۔ اب یہ مہلت ختم ہو گئی ہے اور اُس نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ بنی اسرائیل کو اِس منصب سے معزول کر کے نبی امی اور اُن کی قوم بنی اسمٰعیل کو شہادت کے منصب پر فائز کرے گا۔[59]

استاذِ گرامی لکھتے ہیں:

---

[58] یعنی اللہ تعالیٰ کا کسی فرد کو رسالت یا کسی قوم کو شہادت کے منصب پر فائز کرنا اور اُس کے ذریعے سے دین حق کی گواہی کو اتمام حجت کے درجے تک پہنچانا اور پھر مخاطبین کی جزا و سزا کے لیے دنیا میں ایک قیامتِ صغریٰ برپا کرنا۔

[59] 'شہادتِ حق' کا یہ منصب اللہ تعالیٰ نے پہلے اولادِ ابراہیم کی ایک شاخ بنی اسرائیل کو عطا فرمایا اور جب وہ اُس کے اہل نہ رہے تو دوسری شاخ بنی اسمٰعیل کو یہ ذمہ داری سونپی۔ اِس ذمہ داری کے نتائج و عواقب کے حوالے سے استاذِ گرامی نے ''میزان'' میں ''ذریتِ ابراہیم کی دعوت'' کے زیرِ عنوان لکھا ہے:

> ''ذریت ابراہیم کا یہی منصب ہے، جس کے تحت یہ اگر حق پر قائم ہو اور اُسے بے کم و کاست اور پوری قطعیت کے ساتھ دنیا کی سب قوموں تک پہنچاتی رہے تو اُن کے نہ ماننے کی صورت میں اللہ تعالیٰ اِن قوموں پر اُسے غلبہ عطا فرماتے ہیں اور اِس سے انحراف کرے تو اِنھی کے ذریعے سے ذلت اور محکومی کے عذاب میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ بنی اسرائیل اور بنی اسمٰعیل، دونوں اِس وقت اِسی عذاب سے دوچار ہیں۔'' (551)

”آیت کے شروع میں لفظ 'سُبۡحٰن' جس پہلو سے آیا ہے، یہ صفات اُس کی وضاحت کر رہی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ خدا ہی سمیع و بصیر ہے تو یہ اُسی کا کام تھا کہ اُن بد عہدوں کا محاسبہ کرے، جنھوں نے، سیدنا مسیح علیہ السلام کے الفاظ میں، اُس کے گھر کو چوروں کا بھٹ بنا ڈالا ہے۔ بنی اسرائیل اِس گھر میں جو کچھ کہتے اور کرتے رہے ہیں، اُس کو سننے اور دیکھنے کے بعد یہی ہونا تھا۔ چنانچہ خدا نے فیصلہ کر دیا ہے کہ اِس گھر کی امانت اب نبی امی کے حوالے کر دی جائے گی۔ آپ کو رات ہی رات میں مسجدِ حرام سے یہاں تک اِسی مقصد سے لایا گیا ہے۔ خدا ہر عیب سے پاک ہے، لہٰذا وہ کسی طرح گوارا نہیں کر سکتا تھا کہ ایک قوم کو لوگوں پر اتمام حجت کے لیے منتخب کرے اور اُس کی طرف سے اِس درجے کی سرکشی کے باوجود اُسے یوں ہی چھوڑے رکھے۔ ناگزیر تھا کہ پیشِ نظر مقصد کے لیے وہ کوئی دوسرا اہتمام کرے۔ اُس نے یہی کیا ہے اور عالمی سطح پر دعوت و شہادت کی ذمہ داری بنی اسمٰعیل کے سپرد کر دی ہے۔“ (البیان 3 / 63)

اِس تفصیل سے واضح ہے کہ 'سُبۡحٰن' کا لفظ یہاں اللہ کی قدرت کے پہلو کو نمایاں کرنے کے لیے نہیں آیا، بلکہ اُس کے سمیع و بصیر ہونے کی صفت کو واضح کرنے کے لیے آیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہاں یہ کلمہ ایسے سوءِ ظن کی تنزیہ و تردید کے لیے آیا ہے، جو اللہ کے سمیع و بصیر ہونے کے بارے میں پیدا ہوا ہے یا پیدا ہو سکتا ہے۔

اِس توضیح کے بعد یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیے کہ 'اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا'، یعنی رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک لے جانے کا مقصد قریش کے سامنے کوئی خارقِ عادت کرشمہ پیش کرنا اور اُس کے ذریعے سے اُن پر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی حقانیت کو ثابت کرنا ہرگز نہیں تھا۔ آیت کے سیاق و سباق، اسلوبِ بیان اور فحوائے کلام سے یہی بات واضح ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اِسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی ایک عنایت کے طور پر بیان کیا ہے اور اِس کا مقصد بھی واضح کر دیا کہ 'لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا' (تاکہ اُس کو ہم اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں)۔ امام امین احسن اصلاحی

نے اِس کی وضاحت میں لکھا ہے:

”... فرمایا کہ ہم نے یہ سفر اِس لیے کرایا تا کہ اپنے بندے کو کچھ نشانیاں دکھائیں۔ یہ نشانیاں کیا تھیں، اِس کا کوئی ذکر یہاں نہیں ہے، لیکن قرینہ دلیل ہے کہ اِس سے مراد وہ آثار و مشاہد اور وہ انوار و برکات ہیں، جن سے یہ دونوں ہی گھر معمور تھے۔ مقصود اِن کے دکھانے سے ظاہر ہے کہ یہی ہو سکتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی یہ مرضی واضح ہو جائے کہ اب یہ ساری امانت ناقدروں اور بدعہدوں سے چھین کر آپ کے حوالے کی جانے والی ہے۔ گویا دعوت کے اِس انتہائی مشکل دور میں آپ کو اللہ کی مدد و نصرت کی جو بشارت دی جا رہی تھی، معراج کے اِس سفر نے اُس پر ایک مزید مہر تصدیق ثبت کر دی اور جو کچھ ہونے والا تھا، وہ آپ کو دکھا بھی دیا گیا۔“ (تدبر قرآن 4/ 475)

واضح ہوا کہ یہ واقعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے عظیم بشارت اور اہل ایمان کے لیے پروردگار کے اصطفا و انتخاب کی نوید تھا۔ اِس کا کفارِ قریش سے براہِ راست کوئی تعلق نہیں تھا۔ یہ تو اُن کی بدبختی تھی کہ اُنھوں نے اپنی ہٹ دھرمی اور عناد کی وجہ سے اِسے اپنے لیے فتنہ بنا لیا۔ یہ دلیل اگر واضح ہے تو 'سُبۡحٰنَ' کے حوالے سے علما کا استدلال اور اِس کی بنا پر جسمانی و روحانی مشاہدے کی تمام بحث آیۂ اسرا سے غیر متعلق ہو جاتی ہے۔

یہاں ہماری بات تمام ہوتی ہے۔ تاہم دو اضافی نکات درجِ ذیل ہیں۔ اِنھیں بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی شخص لفظِ 'سُبۡحٰنَ' کے صفتِ قدرت سے لزوم پر اصرار کرے تو اُس پر واضح ہو جائے کہ نہ قرآن کے نظائر میں اِس کی کوئی گنجایش ہے اور نہ واقعے کا بیان اِسے قبول کرتا ہے۔

پہلی بات یہ ہے کہ 'سُبۡحٰنَ' اگر اللہ کی صفتِ قدرت کے حوالے سے بھی آئے تو یہ لازم نہیں ہے کہ اِسے کسی ایسے واقعے یا معاملے سے متعلق کیا جائے جو خارقِ عادت ہو یا انوکھا اور اجنبی ہو۔ اِس پہلو سے یہ اللہ کی قدرت کے حقائق کی طرف متوجہ کرنے کے لیے بھی آ جاتا ہے۔ درجِ ذیل آیات سے یہی بات معلوم ہوتی ہے:

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡ خَلَقَ الۡاَزۡوَاجَ کُلَّهَا مِمَّا تُنۡۢبِتُ الۡاَرۡضُ وَمِنۡ اَنۡفُسِهِمۡ وَمِمَّا لَا یَعۡلَمُوۡنَ. (یٰسین 36:36)

"پاک ہے وہ ذات جس نے سب جوڑے بنائے، اُن چیزوں کے بھی جنھیں زمین اگاتی ہے اور خود اِن لوگوں کے اندر سے بھی اور اُن چیزوں کے بھی جنھیں یہ جانتے نہیں ہیں۔"

...وَتَقُوۡلُوۡا سُبۡحٰنَ الَّذِیۡ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا کُنَّا لَهٗ مُقۡرِنِیۡنَ.
(الزخرف 43:13)

"...اور کہو کہ پاک ہے وہ ذات جس نے اِن (سواریوں) کو ہماری خدمت میں لگا دیا۔ ہم ایسے نہیں تھے کہ اِن کو اپنے قابو میں کر لیتے۔"

دوسری بات یہ ہے کہ اگر فی الواقع ایسا ہوتا کہ 'سُبۡحٰن' کا کلمۂ تنزیہ مافوق العادت کے ظہور کو لازم کرتا، تب بھی یہاں جسمانی مسافرت لازم نہ آتی۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ جسمانی مسافرت کا خارقِ عادت یا کرشماتی پہلو اُس وقت نمایاں ہو پاتا، جب لوگوں نے آپ کے وجودِ اطہر کو فضاؤں میں بلند ہوتے اور واپس اترتے دیکھا ہوتا، جب کہ واقعہ یہ ہے کہ ایسا نہیں ہوا۔ اِس کے بجاے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فقط اپنے سفر کی داستان بیان فرمائی تھی۔ یہ سفر جسمانی طور پر ہوا یا روحانی طور پر، ہر دو صورتوں میں اُن کے لیے اِس کی حیثیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کی تھی۔ اُسی طرح کے بیان کی، جیسا کہ آپ کی زبانِ فیض ترجمان سے روز صادر ہوتا تھا اور جس میں ماضی، حال اور مستقبل سے متعلق نادیدہ اور غیر معلوم حالات و وقائع سے آگاہ کیا جاتا تھا۔ چنانچہ مخاطبین کا یہ مسئلہ ہی نہیں تھا کہ یہ سفر روحانی طور پر ہوا ہے یا جسمانی طور پر۔ عدم مشاہدہ کی وجہ سے اُن کے لیے دونوں کی حیثیت یکساں تھی۔ اُن کا اصل مسئلہ وہ دعویٰ تھا، جو قرآنِ مجید نے کیا اور وہ روداد تھی، جو اگلی صبح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی۔ گویا اُن کا مسئلہ یہ نہیں تھا کہ کیا کہا جا رہا ہے، بلکہ یہ تھا کہ کون کہہ رہا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اُنھوں نے روح یا جسم کا سوال ہی نہیں کیا، بلکہ مسجد کی نوعیت اور اُس کے مختلف حصوں کے بارے میں استفسار کیا۔ پھر جب آپ نے اُس کی تفصیلات بتادیں، تب بھی اُنھوں نے یہ نہیں پوچھا کہ آپ نے خود عروج فرمایا یا کسی سواری کو استعمال کیا یا یہ واقعہ روحانی طور پر پیش آیا یا جسمانی طور پر؟ اِس ضمن میں یہ بھی ملحوظ رہے کہ وہ اپنے بتوں سے، کاہنوں اور جادوگروں سے اور رابطے کے جنات سے اِس سے بھی بڑے خارقِ عادت معاملات وابستہ کرتے رہتے تھے، لہٰذا بہ طورِ واقعہ یہ اُن کے لیے کسی اچنبھے کی بات نہیں تھی۔

5۔ ’اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ‘ سے استدلال

’اَسۡرٰی بِفلان‘ کے معنی رات میں کسی کو لے جانے کے ہیں۔ ’عَبۡد‘ کے معنی بندے کے ہیں۔ چنانچہ ’الَّذِیۡٓ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ‘ کا مفہوم ہے کہ جو اپنے بندے کو رات میں لے گیا۔ علما کا استدلال یہ ہے کہ ’اَسۡرٰی‘، یعنی لے جانے کا فعل اِس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ اِسے کسی پیکرِ محسوس یا جسمانی وجود کے ساتھ متعلق کیا جائے۔ فقط نفس یا روح کے ساتھ اِسے متعلق کرنا درست نہیں ہے۔ اِسی طرح ’عَبۡد‘ یا ’بندہ‘ کا لفظ ایسے وجود کے لیے بولا جاتا ہے، جو روح و بدن، دونوں کا مجموعہ ہو، اِس کا اطلاق فقط روح یا فقط جسم پر نہیں کیا جا سکتا۔ خواب میں چونکہ تمام احوال روح کے ساتھ پیش آتے ہیں اور جسم اور اُس کے اعضا اُس میں شامل نہیں ہوتے، اِس لیے ’اَسۡرٰی‘ کا فعل اور ’عَبۡد‘ کا اسم خواب کے احوال کے لیے موزوں نہیں ہیں۔

یہ تقریر بادی النظر میں بہت دل پذیر ہے، مگر علم و استدلال اور زبان و بیان سے اِس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب کسی کلام میں خواب کا ماجرا بیان کرنا مقصود ہو تو اُس کے لیے کیا کوئی نئی زبان اختراع کی جاتی ہے یا کوئی الگ لغت تخلیق کی جاتی ہے کہ جب خواب کی تفصیل بتانی ہو تو اُس سے مدد حاصل کر لی جائے؟ زبان و کلام سے بے اعتنائی کی اِس سے نادر مثال مشکل ہی سے دستیاب ہو گی۔

یہ ہر زبان کا مسلمہ ہے کہ جو اسالیب آپ بیداری کے افعال کے لیے اختیار کرتے ہیں، بعینہٖ وہی خواب کے لیے اور وہی تخیل کے لیے اختیار کرتے ہیں۔ اِس بات کو سمجھنے کا سادہ

طریقہ یہ ہے کہ اپنے خواب کو اپنی یا کسی اور زبان میں بیان کیجیے۔ فوراً معلوم ہو جائے گا کہ خواب اور بیداری کے احوال کے بیان میں کوئی فرق نہیں ہے۔ بس اتنا ہو گا کہ پہلے یا بعد میں اُس کے خواب ہونے کی صراحت کرنا ہو گی۔

قرآن مجید میں سورۂ فتح اور سورۂ صافات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خواب بیان ہوئے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ آپ اور آپ کے صحابہ مسجدِ حرام میں داخل ہو رہے ہیں، سر منڈوا رہے ہیں اور بال کتروا رہے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ اپنے بیٹے اسمٰعیل کو ذبح کر رہے ہیں۔ یہ دونوں خواب اللہ کے رسولوں کو آئے تھے، اِس لیے سچے اور برحق تھے۔ اِن کے بیانات میں استعمال ہونے والے اسما و افعال وہی ہیں، جو بیداری کے واقعات کے لیے اختیار کیے جاتے ہیں۔ آیات درجِ ذیل ہیں:

لَقَدۡ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوۡلَهُ الرُّءۡيَا بِالۡحَقِّ لَتَدۡخُلُنَّ الۡمَسۡجِدَ الۡحَرَامَ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيۡنَ مُحَلِّقِيۡنَ رُءُوۡسَكُمۡ وَمُقَصِّرِيۡنَ لَا تَخَافُوۡنَ فَعَلِمَ مَا لَمۡ تَعۡلَمُوۡا فَجَعَلَ مِنۡ دُوۡنِ ذٰلِكَ فَتۡحًا قَرِيۡبًا. (الفتح 27:48)

”یہ حقیقت ہے کہ اللہ نے اپنے رسول کو ایک خاص مقصد سے بالکل سچا خواب دکھایا تھا۔ بے شک، اللہ نے چاہا تو تم مسجدِ حرام میں ضرور داخل ہو گے، پورے امن کے ساتھ، اِس طرح کہ اپنے سر منڈواؤ گے اور بال کترواؤ گے، تمھیں کوئی اندیشہ نہیں ہو گا۔ بس اتنی بات تھی کہ اللہ نے جان لیا جو تم نے نہیں جانا تو اِس سے پہلے اُس نے ایک قریبی فتح تمھیں عطا فرما دی۔“

...قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيۡۤ اَرٰى فِى الۡمَنَامِ اَنِّىۡۤ

”...تو ابراہیم نے (ایک دن) اُس سے

أَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ.
(الصافات 102:37)

کہا: میرے بیٹے، میں (کچھ دنوں سے) خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں۔ تو غور کرو، تمھاری کیا راے ہے؟ اُس نے کہا: ابا جان، آپ کو جو حکم دیا جا رہا ہے، اُس کی تعمیل کیجیے۔ خدا نے چاہا تو آپ مجھے ثابت قدموں میں پائیں گے۔"

اِن آیات سے واضح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا کہ مسلمان حرم کعبہ میں داخل ہو رہے ہیں اور حلق کرا رہے ہیں اور بال ترشوا رہے ہیں۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے خواب دیکھا کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں۔ اِن دونوں خوابوں کے بیان میں استعمال ہونے والے اسماے ضمیر اور افعال انسانوں سے متعلق ہیں۔ یعنی غائب، متکلم اور مخاطب کی ضمیریں اور 'دخل'، 'حلق'، 'قصر' اور 'اذبح' کے افعال اُن انسانوں یا عباد اللہ کے لیے استعمال ہوئے ہیں، جو جسم اور روح، دونوں کا مجموعہ ہیں۔ ہمارے علما اگر اپنے مزعومہ اصول کا یہاں بھی اطلاق کریں تو پھر اُنھیں اِن دونوں واقعات کو بھی بیداری کا واقعہ قرار دینا پڑے گا اور اِن میں مذکور 'لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ' (اللہ نے اپنے رسول کو ایک خاص مقصد سے بالکل سچا خواب دکھایا تھا) اور 'اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ' (میں نیند کے عالم میں دیکھتا ہوں) کے الفاظ کو عالم بیداری کے کھلی آنکھوں کے مشاہدے پر محمول کرنا پڑے گا۔

چند روایات بھی ملاحظہ ہوں، جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا خواب بیان فرماتے ہوئے اِسی طرح کے افعال اختیار فرمائے ہیں:

'رأیت رجلین' میں نے دو آدمیوں کو دیکھا۔

'أتیانی' دونوں میرے پاس آئے۔

'فأخذا بیدی' دونوں نے میرا ہاتھ پکڑا۔

'فأخرجاني إلى الارض المقدسة' دونوں مجھے ارض مقدس کی طرف لے گئے۔

'أني أهاجر' میں ہجرت کرتا ہوں۔

'أني هززت سيفًا' میں نے تلوار کو ہلایا۔

'أنا نائم أطوف بالكعبة' میں سویا ہوا تھا اور کعبہ کا طواف کر رہا تھا۔

روایات درجِ ذیل ہیں:

عن سمرة بن جندب، قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا صلى صلاةً أقبل علينا بوجهه، فقال: "من رأى منكم الليلة رؤيا"؟ قال: فإن رأى أحد قصها، فيقول: "ما شاء الله"، فسألنا يومًا، فقال: "هل رأى احد منكم رؤيًا"؟ قلنا: لا، قال: "لكني رأيت الليلة رجلين أتياني، فأخذا بيدي فأخرجاني إلى الارض المقدسة."

(بخاری، رقم 1386)

"سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز (فجر) پڑھنے کے بعد (عموماً) ہماری طرف منہ کر کے بیٹھ جاتے اور پوچھتے کہ آپ میں سے کس نے رات کو خواب دیکھا ہے؟ اگر کسی نے کوئی خواب دیکھا ہوتا تو وہ اُسے بیان کر دیتا اور آپ اللہ کی رضا کے مطابق اُس کی تعبیر بیان فرماتے۔ ایک دن آپ نے ہم سے دریافت فرمایا کہ کیا تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ ہم نے عرض کیا کہ کسی نے نہیں دیکھا۔ آپ نے فرمایا: لیکن میں نے رات کو دیکھا کہ دو آدمی میرے پاس آئے۔ اُنھوں نے میرے ہاتھ پکڑے اور مجھے ارضِ مقدس کی طرف لے گئے۔"

عن أبي موسى، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: "رأيت في المنام

"سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی

أنی أهاجر من مکة إلی أرض بها نخل، فذهب وهلی إلی انها الیمامة، او هجر، فإذا هی المدینة یثرب".
(مسلم، رقم 6072)

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مکہ سے اُس زمین کی طرف ہجرت کر رہا ہوں، جہاں کھجور کے درخت ہیں۔ میرا خیال یمامہ اور ہجر کی طرف گیا، لیکن (بعد میں واضح ہوا کہ) وہ مدینہ، یعنی یثرب تھا۔"

عن أبی موسی، عن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال: "رایت فی رؤیای أنی هززت سیفًا فانقطع صدره، فإذا هو ما أصیب من المؤمنین یوم أحد". (بخاری، رقم 4081)

"سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے خواب میں دیکھا کہ میں نے تلوار کو ہلایا تو اُس کی دھار ٹوٹ گئی۔ یہ بات مسلمانوں کے اُس نقصان کی شکل میں ظاہر ہوئی، جو غزوۂ احد میں اُنھیں اٹھانا پڑا۔"

...أن أبا هریرة رضی اللہ عنه، قال: بینا نحن عند رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم إذ قال: "بینا أنا نائم رأیتنی فی الجنة فإذا امرأة تتوضأ إلی جانب قصر، فقلت: لمن هذا القصر؟ قالوا: لعمر فذکرت غیرته فولیت مدبرًا".
(بخاری، رقم 3242)

"... حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے۔ آپ نے فرمایا: میں سو رہا تھا کہ میں نے اپنے آپ کو جنت میں دیکھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک عورت ایک محل کے کنارے وضو کر رہی ہے۔ میں نے پوچھا کہ یہ محل کس کا ہے؟ تو اُنھوں نے جواب دیا کہ عمر بن الخطاب کا۔ پھر مجھے اُن کی غیرت کا احساس ہوا

اور میں وہیں سے لوٹ آیا۔"

عن عبد الله بن عمر، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: "بينا أنا نائم أطوف بالكعبة". (بخاری، رقم 7128)	"عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں سو رہا تھا اور (خواب میں) کعبہ کا طواف کر رہا تھا۔"
حدثنا سمرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "أتاني الليلة آتيان فأتينا على رجل طويل لا أكاد أرى رأسه طولاً وإنه إبراهيم صلى الله عليه وسلم". (بخاری، رقم 3354)	"حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رات کو (خواب میں) میرے پاس دو آنے والے آئے۔ پھر یہ دونوں مجھے ایک لمبے قد کے شخص کے پاس لے گئے، (وہ اتنے لمبے تھے کہ) میں اُن کا سر نہیں دیکھ پاتا تھا اور یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے۔"

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا بھی ایک خواب ملاحظہ کیجیے، جس میں 'ملکین أتیاني' (دو فرشتے میرے پاس آئے)، 'فانطلقا بي' (وہ دونوں مجھے لے کر چل دیے)، 'فقال لي' (اُس نے مجھ سے کہا) کے اسما و افعال اُسی طریقے پر آئے ہیں، جس طرح بیداری کی روداد بیان کرنے لیے آتے ہیں:

عن ابن عمر، قال: كنت غلامًا شابًا عزبًا في عهد النبي صلى الله عليه وسلم، وكنت أبيت في المسجد، وكان من رأى منامًا قصه على النبي صلى الله عليه وسلم،	"حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نوجوان اور غیر شادی شدہ تھا اور مسجدِ نبوی میں سویا کرتا تھا۔ (عام معمول یہ تھا کہ) جو

فقلت: اللهم إن كان لى عندك خير فأرنى منامًا يعبره لى رسول الله صلى الله عليه وسلم، فنمت، فرأيت ملكين أتيانى فانطلقا بى فلقيهما ملك آخر، فقال لى: لن تراع، إنك رجل صالح، فانطلقا بى إلى النار فإذا هى مطوية كطى البئر وإذا فيها ناس قد عرفت بعضهم، فأخذا بى ذات اليمين، فلما أصبحت، ذكرت ذلك لحفصة.

(بخاری، رقم 7030)

شخص کوئی خواب دیکھتا تو وہ اُسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بیان کرتا تھا۔ میں نے دعا مانگی کہ پروردگار، اگر تیرے نزدیک اِس معاملے میں کوئی خیر ہے تو مجھے بھی کوئی خواب دکھا، جس کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم تعبیر فرمائیں۔ پھر میں سو گیا تو میں نے دو فرشتے دیکھے، جو میرے پاس آئے اور مجھے لے کر چل دیے۔ پھر اِن کے ساتھ تیسرا فرشتہ بھی آ ملا۔ اُس نے مجھ سے کہا کہ ڈرو نہیں، تم نیک آدمی ہو۔ پھر وہ دونوں فرشتے مجھے جہنم کی طرف لے گئے تو وہ کنویں کی طرح تہ بہ تہ تھا۔ اُس میں کچھ لوگ تھے، جن میں سے بعض کو میں نے پہچان بھی لیا، پھر وہ دونوں مجھے دائیں طرف لے کر چل پڑے۔ چنانچہ صبح کے وقت اس خواب کا ذکر میں نے حفصہ سے کیا۔“

6۔ حضرت عبد اللہ بن عباس کے اثر سے استدلال

سورۂ بنی اسرائیل کی آیت 60 میں لفظ 'رُءْیَا' کی تاویل میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا درجِ ذیل اثر[60] پیش کیا جاتا ہے:

عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنہما فی قولہ تعالیٰ: "وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ". قال: هي رؤيا عين أريها رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ليلة أسري به إلى بيت المقدس. (بخاری، رقم 3888)

"سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اللہ کے ارشاد 'وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ' کے بارے میں کہتے ہیں کہ اِس سے 'رؤیا عین'، یعنی آنکھوں سے دیکھا جانے والا خواب مراد ہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُس رات دکھایا گیا، جب آپ کو بیت المقدس لے جایا گیا۔"

اِس سے پہلے کہ اِس اثر کو بنائے استدلال بنانے کے حوالے سے علما کے موقف پر تبصرہ کیا جائے، خود اِس اثر کو سمجھنا ضروری ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے الفاظ ہیں:

هي رؤيا عين أريها رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ليلة أسري به إلى بيت

---

[60] یہ اصطلاح صحابی یا تابعی کے قول و فعل کی روایت کے لیے مستعمل ہے۔

المقدس.

یہاں 'رؤیة عین' کے الفاظ نہیں آئے۔ یہ الفاظ آتے تو رؤیت بصری، یعنی آنکھوں سے دیکھنے کے معنی بالکل بجا تھے۔ تاہم، اِس صورت میں 'اُریها' کے الفاظ بالکل اضافی اور بے معنی ہو جاتے، کیونکہ پھر مفہوم یہ بنتا کہ ''آنکھوں سے دیکھنا دکھایا گیا'' اور ترجمہ یہ ہوتا:

''یہ آنکھوں کا دیکھنا تھا، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شبِ اسرا میں دکھایا گیا۔''

یہاں 'رؤیا عین' کے الفاظ آئے ہیں۔ اِس کے لفظی معنی آنکھوں کے خواب، یعنی 'آنکھوں سے دیکھا گیا خواب' کے ہیں۔ اِن کے ساتھ 'اُریها' کے الفاظ نہ اضافی ہیں اور نہ بے معنی، بلکہ ناگزیر ہیں۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ اب مفہوم یہ بنتا ہے کہ ''آنکھوں کا خواب دکھایا گیا'' اور ترجمہ یہ ہے:

''یہ آنکھوں سے دیکھا گیا خواب تھا، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شبِ اسرا میں دکھایا گیا۔''

اِس سے واضح ہوا کہ حبر الامہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے نہ اِس سے وہ رؤیت (دیکھنا) مراد لی ہے، جس سے ہر بینا انسان بیداری میں مستفید ہوتا ہے اور نہ وہ رؤیا (خواب) مراد لیا ہے، جو ہر انسان کا حالتِ نیند کا تجربہ ہے۔ اِسے اُنھوں نے ایک تیسری نوع پر محمول کیا ہے، جو نیند اور بیداری اور خواب اور حقیقت کا امتزاج ہے۔ اُن کا مطلب یہ ہے کہ جیسے خواب میں مناظر دیکھے جاتے ہیں، ویسے ہی کچھ مناظر اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کے سامنے کر دیے، جن کا آپ نے عالم بیداری میں مشاہدہ فرمایا۔ گویا ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ تھا تو خواب کا منظر، مگر بیداری کے عالم میں کھلی آنکھوں سے دکھایا گیا تھا۔ اِس خاص نوعیت کی تفہیم کے لیے اُنھوں نے 'رؤیا عین اریها لیلة' کی تعبیر اختراع کی ہے۔ یہ ایک منفرد تعبیر ہے اور منفرد صورت کو بیان کرنے کے لیے وضع کی گئی ہے۔ اِس سے مشاہدے کی وہ خلافِ عادت نوعیت مفہوم ہوتی ہے، جو فقط نبوت کا وصف ہے اور عام انسان اِس سے یک سر محروم ہوتے ہیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنی تفسیر ''ترجمان القرآن'' میں

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کے قول کو اِسی زاویے سے واضح کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"انبیاے کرام (علیہم السلام) کے احوال و واردات ایک ایسے عالم سے تعلق رکھتے ہیں، جس کے لیے ہماری عام تعبیرات کام نہیں دے سکتیں۔ ہماری ہر تعبیر کسی ایسی حالت کا تصور پیدا کر دے گی، جو عام طور پر ہمیں پیش آتی رہتی ہے، لیکن انبیاے کرام علیہم السلام کو جو حالات پیش آتے ہیں، اُن کی نوعیت ہی دوسری ہوتی ہے۔ وہ ہمارے محسوسات و مفہومات کے دائرہ سے باہر کے معاملات ہیں۔... یہی وجہ ہے کہ صحابہ کے تاثرات مختلف ہوئے۔ جن لوگوں نے اِس کی نفی کی کہ بیداری میں پیش آیا تھا، وہ اِس طرف گئے کہ یہ ہماری جسمانی نقل و حرکت کی طرح کا معاملہ نہ تھا۔ جن لوگوں نے اِس پر زور دیا کہ بیداری میں پیش آیا تھا، وہ اِس طرف گئے کہ اِسے محض خواب کی طرح کا معاملہ نہیں کہہ سکتے۔ اور اِس میں شک نہیں کہ دونوں اپنے تاثرات میں برسرحق تھے۔ خود صحیحین کی حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا: میں اِس وقت ایک ایسے عالم میں تھا کہ نہ تو سوتا تھا، نہ جاگتا تھا۔ 'بین النائم والیقظان'۔ اِس سے معلوم ہو گیا کہ اِس معاملہ کو نہ تو ایسا معاملہ قرار دے سکتے ہیں، جیسا ہمیں جاگتے میں پیش آیا کرتا ہے، نہ ایسا جیسا سوتے میں دیکھا کرتے ہیں۔ وہ اِن دونوں حالتوں سے ایک مختلف قسم کی حالت تھی اور ہماری تعبیرات میں اِس کے لیے کوئی تعبیر نہیں ہے۔

... حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اُن صحابہ میں سے ہیں، جو معراج کو عالم بیداری کا معاملہ سمجھتے تھے اور اِس مذہب کے سب سے بڑے پیش رو تھے۔... اور یہ جو حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا 'رؤیا عین اریہا' تو اِس نے سارا مسئلہ حل کر دیا اور وہ حقیقت آشکارا ہو گئی، جس کی طرف ابھی ہم اشارہ کر چکے ہیں۔ یعنی یہ جو کچھ پیش آیا، تھا تو رؤیا، لیکن کیسی رؤیا؟ ویسی ہی رؤیا جیسی عالم خواب میں ہم دیکھا کرتے ہیں؟ نہیں، 'رؤیا عین'۔ ایسی رؤیا جس میں آنکھیں غافل نہیں ہوتیں، بیدار ہوتی ہیں۔ جو کچھ دیکھا جاتا ہے، وہ ایسا ہوتا ہے، جیسے آنکھوں سے دیکھا جا رہا ہو۔" (2/430-431)

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ انسانی مشاہدے کی تین قسمیں ہیں:

رؤیۃ: یعنی بیداری میں ظاہری بصارت سے ظاہری مناظر کا مشاہدہ کرنا۔

رؤیا: یعنی نیند میں باطنی بصارت سے باطنی مظاہر کا مشاہدہ کرنا۔

رؤیا عین: یعنی بیداری میں ظاہری بصارت سے باطنی مناظر کا مشاہدہ کرنا۔

اِن تین اقسام کے حوالے سے انبیاے کرام اور عام انسانوں میں دو فرق مسلم ہیں:

اولاً، انبیا کو تینوں نوعیت کے مشاہدات ہوتے ہیں، جب کہ عام انسانوں کو پہلی دو نوعیت ہی کے مشاہدات ہو سکتے ہیں۔

ثانیاً، انبیا کے تینوں طرح کے مشاہدات سچے اور مبنی بر حقیقت ہوتے ہیں،[61] جب کہ عام انسانوں کا یہ معاملہ نہیں ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک واقعۂ اسرا میں اِن میں سے تیسری صورت پیش آئی تھی۔[62] یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیداری میں ظاہری بصارت سے باطنی مناظر کا مشاہدہ فرمایا۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی یہ تاویل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغمبرانہ مشاہدات سے غیر مطابق نہیں ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اِس نوعیت کے مشاہدات مبنی بر حقیقت ہیں اور معلوم و معروف ہیں۔ اِس کی نمایاں مثال وہ واقعہ ہے، جب ایک موقع پر نمازِ کسوف کی امامت کے دوران میں جنت

---

[61] لہٰذا اِن پر یقین ایمان کا لازمی تقاضا ہے۔

[62] اِس تیسری صورت کے مشابہ ایک چوتھی صورت دورِ حاضر میں پیدا ہو گئی ہے۔ وہ یہ ہے کہ ہم موبائل، کمپیوٹر یا ٹی وی کی اسکرین پر بیت اللہ کا طواف ہوتے یا ٹیموں کو میچ کھیلتے یا لوگوں کو مکالمہ کرتے براہِ راست دیکھتے ہیں۔ ہمارا یہ دیکھنا بھی حقیقی ہوتا ہے اور واقعہ بھی یقینی ہوتا ہے، مگر اُسے وہ مشاہدہ قرار نہیں دیا جا سکتا، جس میں ہم، مثال کے طور پر، خود طواف کر رہے ہوں یا کھیل کے میدان میں موجود ہوں یا شریکِ گفتگو ہوں۔ چنانچہ نہ اِسے رؤیا (خواب) کہا جا سکتا ہے اور نہ رؤیا عین (آنکھوں سے دیکھے گئے خواب) سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ نظارے کی اِس مختلف نوعیت کے لیے ”لائیو“ یا ”براہِ راست دیکھنے“ کی اصطلاح اختیار کی گئی ہے۔

آپ کے سامنے لائی گئی اور آپ نے پھلوں کا ایک خوشہ توڑنے کے لیے اپنے قدم آگے بڑھائے۔ سنن نسائی میں یہ واقعہ اِن الفاظ میں نقل ہوا ہے:

عن عبد اللّٰه بن عباس، قال: خسفت الشمس فصلی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم والناس معه قالوا: یا رسول اللّٰه، رأیناك تناولت شیئًا فی مقامك هذا ثم رأیناك تكعكعت. قال: ”إنی رأیت الجنة أو أریت الجنة فتناولت منها عنقودًا ولو أخذته لاكلتم منه ما بقیت الدنیا“. (رقم 1493)

”حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سورج گرہن لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے ساتھ لوگوں نے نماز پڑھی۔ (نماز کے بعد) لوگوں نے آپ سے عرض کیا: اللہ کے رسول، ہم نے آپ کو دیکھا کہ آپ اپنی جگہ سے آگے بڑھ کر کسی چیز کو لے رہے ہیں، اِس کے بعد ہم نے دیکھا کہ آپ پیچھے ہٹ رہے ہیں؟ اِس پر آپ نے فرمایا: میں نے جنت کو دیکھا یا یہ فرمایا کہ مجھے جنت دکھائی گئی تو میں اِس میں سے پھل کا ایک گچھا لینے کے لیے آگے بڑھا اور اگر میں اُسے لے لیتا تو تم اُس میں سے رہتی دنیا تک کھاتے رہتے۔“

مشاہدۂ جنت کا یہ واقعہ، ظاہر ہے کہ حالتِ بیداری میں پیش آیا۔ نماز کے دوران میں جنت آپ کے سامنے لائی گئی۔ اسلوب سے واضح ہے کہ محض منظر ہی سامنے نہیں آیا، بلکہ جنت ممثل ہو کر پیشِ نظر آگئی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ اِس میں سے پھل توڑنے کے لیے آگے بڑھے۔[63]

---

[63] اِس کے منظر کے بجائے مُشَکَّل و ممثل ہونے کی دلیل آپ کا ہاتھ بڑھانا اور یہ فرمانا ہے کہ ”اگر

اِسی طرح کا ایک اور واقعہ اُس وقت رونما ہوا، جب کفار نے سفر اسرا کی حقانیت کو چیلنج کیا۔ اِس موقع پر بھی حالتِ بیداری میں مسجدِ اقصیٰ کو آپ کے سامنے کر دیا گیا۔[64]

اِس نوعیت کے کسی واقعے کے لیے اگر 'رؤیا عین' کی تعبیر اختیار کی جائے تو اُس پر لفظی اعتبار سے اعتراض نہیں ہو سکتا۔ اِس مفہوم کو ادا کرنے کے لیے یہ تعبیر بھی اختیار کی جا سکتی ہے اور اِس سے ملتی جلتی کوئی دوسری تعبیر بھی مستعار لی جا سکتی ہے۔ امام شاہ ولی اللہ نے ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں اِسی مفہوم کے لیے 'عالم مثال' اور 'عالم شہادت کے برزخ' کی تعبیرات استعمال کی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''پیغمبر خدا کو مسجدِ اقصیٰ تک پھر سدرۃ المنتہیٰ تک اور جہاں تک خدا نے چاہا معراج ہوئی اور یہ سب واقعہ جسم کے ساتھ بیداری میں ہوا۔ لیکن ایسی حالت میں کہ وہ حالت عالم مثال اور عالم شہادت کے برزخ میں اُن دونوں احکام کی جامع تھی۔ روح کے آثار جسم پر طاری ہوئے اور روح اور روح کی کیفیتیں جسم کی شکل میں آ گئیں۔ اِسی لیے اِن میں سے ہر ایک واقعہ کی ایک جدا تعبیر ہے۔''(365/2)

اِس تفصیل سے واضح ہے کہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی 'رؤیا عین' کی مخترع تعبیر بھی قابل فہم ہے اور احادیث میں مذکور بعض واقعات پر اِس کا یا اِس طرح کی کسی اور تعبیر کا انطباق بھی خلافِ مدعا نہیں ہے۔ لیکن، جہاں تک واقعۂ اسرا کا تعلق ہے تو حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی جلالتِ علمی کے اعتراف اور اُن کے مقام و مرتبے کے اقرار کے باوجود اِس پر نہ 'رؤیا عین' (کھلی آنکھوں سے دیکھے گئے رؤیا) کی تعبیر کا اطلاق ہو سکتا ہے اور نہ اِسے بیداری کے واقعے پر محمول کیا جا سکتا ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ خود پروردگار نے اِس واقعے کو 'رؤیا' قرار دیا ہے۔ اِس کے بعد اِسے رؤیتِ بصری یا 'رؤیا عین'

میں جنت کا گچھا توڑ لیتا تو تم لوگ اِسے دنیا کے باقی رہنے تک کھاتے رہتے۔''

[64] یہ واقعہ گذشتہ صفحات میں زیرِ بحث آ چکا ہے۔

کے معنی میں لینا ممکن نہیں ہے۔ قرآنِ مجید میں اگر یہ صراحت نہ ہوتی تو پھر قرائن اور نظائر کی بنا پر اِس طرح کا کوئی قیاس کرنے کی گنجایش ہو سکتی تھی۔

7۔ ’فِتْنَةً لِّلنَّاسِ‘ سے استدلال

سورۂ بنی اسرائیل کی آیت 60 میں[65] ’فِتْنَةً لِّلنَّاسِ‘ (لوگوں کے لیے آزمایش) کے الفاظ کو بھی جسمانی سفر کے حق میں بنائے استدلال بنایا گیا ہے۔ دلیل یہ ہے کہ کوئی واقعہ اُسی صورت میں فتنے یا آزمایش کا باعث بنتا ہے، جب وہ محیر العقول ہو اور اُس کا یقین کرنا محال ہو۔ خواب میں غیر معمولی واقعات کا مشاہدہ چونکہ عام انسانی تجربہ ہے اور اُنھیں خواب پریشاں قرار دے کر اُن کے مشاہدے کی صحت پر یقین کر لیا جاتا ہے، اِس لیے وہ لوگوں کے لیے ردو قبول کی آزمایش کا باعث نہیں بنتے۔ لیکن اُسی طرح کا کوئی غیر معمولی واقعہ اگر بیداری میں پیش آئے تو لوگ اُس کی صحت کے بارے میں متردد اور اُس کے ردو قبول کے حوالے سے آزمایش کا شکار ہو جاتے ہیں۔ یہ ایک مسلمہ انسانی تجربہ ہے۔ چنانچہ واقعۂ اسرا اُسی صورت میں لوگوں کے لیے فتنہ اور آزمایش بن سکتا ہے، جب یہ بیداری میں پیش آیا ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس کی یہی نوعیت بیان فرمائی ہو۔ بہ صورتِ دیگر، نہ یہ فتنے کا باعث بن سکتا اور نہ ’فِتْنَةً لِّلنَّاسِ‘ کے الفاظ کا اِس پر اطلاق ہو سکتا ہے۔

ہمارے نزدیک یہ دلیل بھی باقی دلائل کی طرح نہایت کم زور ہے۔ اِس کے بنیادی وجوہ

---

[65] ’وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ‘ (اور ہم نے جو رؤیا تمھیں دکھایا، اُس کو بھی ہم نے اِن لوگوں کے لیے بس ایک فتنہ بنا کر رکھ دیا)۔

درجِ ذیل ہیں:

اولاً، یہ اِس مفروضے پر مبنی ہے کہ کفارِ قریش کسی انسان یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے کسی محیر العقول واقعے کو ناممکن الوقوع سمجھتے تھے۔ یہ مفروضہ درست نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے اوہام اور عقائد کی وجہ سے اپنے بزرگوں اور دیوی دیوتاؤں سے ہر طرح کے خارقِ عادت واقعات کے قائل تھے۔ اِسی بنا پر اُنھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذ اللہ کاہن اور جادوگر قرار دینے کا بہانہ تراش رکھا تھا۔ چنانچہ جیسے ہی آپ سے کسی ایمان افروز بات کا صدور ہوتا یا کوئی عقل کو عاجز کر دینے والا واقعہ سامنے آتا تو وہ یہ بہانہ کر کے آپ کی نبوت کو جھٹلانے کی کوشش کرتے تھے۔ گویا کہ آپ کی ذاتِ اقدس سے اِس طرح کی چیزوں کو وابستہ کرنے کا مطلب ہی یہ تھا کہ وہ آپ سے ہر طرح کے خارقِ عادت واقعات کی توقع رکھتے تھے۔

پھر ایک عظیم الشان خارقِ عادت معجزہ روز اُن کے سامنے رونما ہو رہا تھا۔ یہ کلامِ الٰہی تھا، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک پر جاری ہوتا تھا۔ اُس کے لافانی اسلوبِ بیان کی وجہ سے اُنھیں یقین کامل تھا کہ یہ کلام کسی انسان کا نہیں ہو سکتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اِس کی نسبت اور بھی بعید از قیاس تھی، کیونکہ اپنی چالیس سالہ زندگی میں آپ نہ کبھی شعر و سخن کی مجالس میں بیٹھے تھے، نہ شاعری اور ادب کے فنون کو سیکھا تھا، نہ شعر کہا تھا اور نہ خطابت کا مظاہرہ کیا تھا۔ پھر ایک دن یک بہ یک آپ کی زبان پر وہ کلام جاری ہو گیا تھا کہ جس کے آگے اُن کے تمام بڑے شعرا اور ادیب گنگ ہو گئے تھے اور بے اختیار یہ کہنے پر مجبور ہو گئے تھے کہ یہ کلام انسانی نہیں ہو سکتا۔ یہ واقعہ اُن کے لیے کسی طرح بھی آسمانی سفر سے کم تر نہیں تھا۔

اِس سے واضح ہوا کہ کسی واقعے کا خارقِ عادت یا محیر العقول ہونا ایسی چیز نہ تھی، جو اُن کے لیے فتنے کا باعث بن سکتی تھی۔

ثانیاً، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اگلی صبح لوگوں کے اجتماع میں جب مسجدِ اقصیٰ کی عمارت کی تفصیلات سے آگاہ فرمایا —— جو بہ ذاتِ خود ایک عظیم الشان معجزہ تھا اور لوگوں کی آنکھوں کے سامنے رونما ہو رہا تھا —— تو اُنھیں اگر کوئی تردد تھا بھی تو اُسے اُس وقت ختم ہو جانا چاہیے تھا، مگر ایسا نہیں ہوا، بلکہ وہ بہ دستور واقعے کے انکار پر قائم رہے۔ اِس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ واقعے کے خارقِ عادت ہونے یا نہ ہونے کا 'فِتْنَةً لِّلنَّاسِ' سے تعلق نہیں ہے۔

ثالثاً، مذکورہ استدلال کفارِ قریش کے عذر کو تسلیم کرنے پر منتج ہوتا ہے، جسے نہ آیت کے الفاظ قبول کرتے ہیں اور نہ تاریخی حقائق اِس کی تصدیق کرتے ہیں۔ اِس کے نتیجے میں ہم یہ مان لیتے ہیں کہ اگر ابوجہل اِس واقعے کا مشاہدہ کر لیتا اور آپ کو آسمان کی بلندیوں کی طرف عروج کرتے ہوئے دیکھ لیتا تو پھر اُس کے لیے یہ واقعہ فتنہ نہ بنتا، جب کہ واقعہ یہ ہے کہ بے شمار معجزات کے مشاہدے کے باوجود وہ ایمان نہیں لایا۔ اصل میں یہ سمجھنا چاہیے کہ فتنہ یا آزمایش وہی چیز بن پاتی ہے، جس کی صحت کا یقین ہوتا ہے۔ جس چیز کے وقوع ہی کا یقین نہ ہو یا جو چیز فہم و ادراک سے بالا ہو تو وہ کیسے آزمایش بن سکتی ہے؟ اِس صورت میں عدم یقین یا عدم ادراک عذر قرار پاتا ہے اور عند الناس اور عند اللہ قابلِ معذرت ہوتا ہے۔

مزید برآں، جو تجربہ و مشاہدہ فقط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا، وہ عالم خواب میں تھا یا عالم بیداری میں، لوگوں کے لیے تو اُس کی حیثیت آپ کے بیان ہی کی تھی۔ چنانچہ اِس اعتبار سے اُن کے لیے اُس کی حیثیت یکساں تھی۔ کفارِ قریش کا جرم ہی یہ تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر معاملے میں صادق اور امین سمجھنے کے باوجود محض اپنی سرکشی اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے آپ کی نبوت کے منکر تھے۔ لہٰذا یہ واقعہ خواب کا تھا یا بیداری کا، ہر دو صورتوں میں اُنھوں نے اِسے لاف زنی سے تعبیر کرنا تھا۔ حتیٰ کہ اگر وہ اِس کا اپنی آنکھوں سے بھی مشاہدہ کر لیتے تب بھی اُنھوں نے اِسے قبول کرنے سے انکار کرنا تھا۔ بالکل اُسی طرح، جیسے فرعون

نے جادوگروں کی شکست اور اُن کے ایمان لانے کے باوجود حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار کیا تھا۔

رابعاً، آیت 60 کے آخری جملے میں خود اللہ تعالیٰ نے 'فِتۡنَۃً لِّلنَّاسِ' کے الفاظ کی تفسیر کر دی ہے۔ اِس کے بعد کوئی اندازہ قائم کرنے یا کوئی دور از کار تاویل پیش کرنے کی گنجایش ہی ختم ہو گئی ہے۔ ارشاد فرمایا ہے:

وَنُخَوِّفُهُمۡ فَمَا يَزِيۡدُهُمۡ اِلَّا طُغۡيَانًا كَبِيۡرًا.	"ہم تو اِن کے انجام سے اِنھیں ڈرا رہے ہیں، لیکن یہ چیز اِن کی سرکشی ہی میں اضافہ کیے جاتی ہے۔"

یعنی جو چیز فتنے کا باعث بنی ہے، وہ معاملے کا خارقِ عادت ہونا یا نہ ہونا نہیں ہے، وہ انجام کا ڈراوا ہے۔ 'نُخَوِّفُهُمۡ' کے الفاظ اِس پر دلیل قاطع کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مدعا و مفہوم یہ ہے کہ اِس تخویف اور اِس ڈراوے کا نتیجہ یہ ہونا چاہیے تھا کہ وہ اِس سے خوف زدہ ہوتے اور اپنی اصلاح کی فکر کرتے، مگر اُنھوں نے سرکشی کا رویہ اختیار کر لیا اور اُس تہدید و تنبیہ کو —— جو واقعۂ اسرا کی صورت میں اِس اعتبار سے سامنے آئی تھی کہ اب اُن کی معزولی کا پروانہ جاری ہو گیا ہے اور اُن کے دین اور اُن کی سلطنت کی بساط الٹنے والی ہے —— اپنے لیے فتنہ اور آزمایش بنا لیا۔ چنانچہ "البیان" میں لکھا ہے:

> "مطلب یہ ہے کہ اِن کا مسئلہ نشانی نہیں ہے کہ دکھا دی گئی تو ایمان لے آئیں گے۔ یہ جس مرض میں مبتلا ہیں، وہ ضد اور ہٹ دھرمی کا مرض ہے۔ اِن کی تنبیہ و تخویف کے لیے یہ سب باتیں ہم نے کی ہیں، مگر اِس سے کیا فائدہ ہوا؟ یہ تینوں مثالیں بتا رہی ہیں کہ اِس کے سوا کچھ نہیں ہوا کہ اِن کی سرکشی میں اضافہ ہو گیا اور ہماری اِن نشانیوں کے ساتھ اِنھوں نے بھی وہی کیا، جو ثمود نے اونٹنی کے ساتھ کیا تھا۔"(3/ 95)

ابو بکر جصاص نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے اِسی مفہوم کا ایک قول نقل کیا ہے:

”اِس رؤیا سے کیا مراد ہے۔ قول باری ہے: ’وَمَا جَعَلۡنَا الرُّءۡيَا الَّتِیۡۤ اَرَيۡنٰكَ اِلَّا فِتۡنَةً لِّلنَّاسِ‘ (اور ہم نے جو رؤیا تمھیں دکھایا، اُس کو بھی ہم نے اِن لوگوں کے لیے بس ایک فتنہ بنا کر رکھ دیا)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سعید بن جبیر کی روایت کے مطابق، نیز قتادہ، حسن، ابراہیم، مجاہد اور ضحاک سے مروی ہے کہ یہ رؤیا بیت المقدس تک رات کے سفر، یعنی سفر معراج کے علاوہ ہے۔ جب آپ نے مشرکین سے اِس کا ذکر کیا تو اُنھوں نے آپ کو جھٹلایا۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اِس رؤیا سے مراد یہ ہے کہ آپ کو یہ دکھلایا گیا تھا کہ آپ بہت جلد مکہ میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوں گے۔“ (احکام القرآن 5/30)

بحث کے اختتام میں محض ایک علمی نکتے کے طور پر یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ فتنہ یا آزمایش ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہم اُس سے ایسی بات مراد لیں، جو لوگوں کے فہم و ادراک کے لیے مشکل یا اجنبی ہو۔ قرآن مجید سے اِس بات کی صریح طور پر تردید ہوتی ہے۔ سورۂ فرقان (25) کی آیت 20 ملاحظہ کیجیے۔ ارشاد فرمایا ہے:

وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا قَبۡلَكَ مِنَ الۡمُرۡسَلِيۡنَ اِلَّاۤ اِنَّهُمۡ لَيَاۡكُلُوۡنَ الطَّعَامَ وَيَمۡشُوۡنَ فِی الۡاَسۡوَاقِ ؕ وَجَعَلۡنَا بَعۡضَكُمۡ لِبَعۡضٍ فِتۡنَةً....

”تم سے پہلے بھی جتنے رسول ہم نے بھیجے ہیں، وہ سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔ (ایمان والو)، ہم نے تم لوگوں کو ایک دوسرے کے لیے آزمایش بنا دیا ہے...۔“

اِس آیت کی شرح میں ”تفسیر ابنِ کثیر“ میں لکھا ہے:

لو شئت أن أجعل الدنیا مع رسلی فلا یخالفون لفعلت، ولکنی قد أردت أن أبتلی العباد بهم وأبتلیکم بهم، وفی صحیح مسلم

”اگر میں چاہتا تو اپنے انبیا کو دنیا (کا مال اسباب زیادہ) عطا فرماتا تاکہ اکثر لوگ (اُس کے لالچ) میں اُن کی مخالفت نہ کریں تو میں ایسا ہی کرتا،

عن عياض بن حمار عن رسول الله: "يقول الله تعالىٰ: إني مبتليك ومبتل بك". (92/6)

"لیکن میں نے ارادہ کیا ہے کہ بندوں کو ان (رسولوں) کے ذریعے سے آزماؤں اور تمھیں بھی ان کے ذریعے سے آزماؤں۔ صحیح مسلم، (رقم 2865) میں عیاض بن حمار سے روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں خود تجھے اور تیری وجہ سے اور لوگوں کو آزمانے والا ہوں۔"

مولانا مودودی اِس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"یعنی رسول اور اہل ایمان کے لیے منکرین آزمایش ہیں اور منکرین کے لیے رسول اور اہل ایمان۔ منکرین نے ظلم و ستم اور جاہلانہ عداوت کی جو بھٹی گرم کر رکھی ہے، وہی تو وہ ذریعہ ہے، جس سے ثابت ہو گا کہ رسول اور اُس کے صادق الایمان پیرو کھرا سونا ہیں۔... دوسری طرف منکرین کے لیے بھی رسول اور اصحاب رسول ایک سخت آزمایش ہیں۔ ایک عام انسان کا اپنی ہی برادری کے درمیان سے یکایک نبی بنا کر اٹھا دیا جانا، اُس کے پاس کوئی فوج فرّا اور مال و دولت نہ ہونا، اُس کے ساتھ کلام الٰہی اور پاکیزہ سیرت کے سوا کوئی عجوبہ چیز نہ ہونا، اُس کے ابتدائی پیرووں میں زیادہ تر غریبوں، غلاموں اور نو عمر لوگوں کا شامل ہونا اور اللہ تعالیٰ کا اُن چند مٹھی بھر انسانوں کو گویا بھیڑیوں کے درمیان بے سہارا چھوڑ دینا، یہی وہ چھلنی ہے، جو غلط قسم کے آدمیوں کو دین کی طرف آنے سے روکتی ہے اور صرف ایسے ہی لوگوں کو چھان چھان کر آگے گزارتی ہے، جو حق کو پہچاننے والے اور راستی کو ماننے والے ہوں۔" (تفہیم القرآن 3/ 444-445)

"البیان" میں ہے:

"یعنی اُن کی طرف سے تحقیر و تضحیک کے رویے کو تمھارے لیے اور تمھاری غربت کو

اُن کے لیے آزمایش بنا دیا ہے کہ اِسی کے باعث وہ یہ کہہ کر حق کا انکار کر رہے ہیں کہ یہ اگر خدا کا دین ہوتا تو اِس سے مکہ اور طائف کے روٗسا و اکابر بہرہ یاب کیسے جاتے، یہ اِن قلاش مسلمانوں کو نہ ملتا۔"(3/472)

8۔ لوگوں کے ردِ عمل سے استدلال

اسرا و معراج کو جسمانی سفر کا واقعہ قرار دینے کے لیے لوگوں کے ردِ عمل سے بھی استدلال کیا گیا ہے۔ یہ استدلال احادیث اور تاریخ و سیرت کی بعض روایتوں پر مبنی ہے۔ جن میں بیان ہوا ہے کہ واقعۂ اسرا سے اگلے روز جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اِس سے آگاہ فرمایا تو کفارِ قریش نے اِس کو جھٹلا دیا اور مسلمانوں میں سے کئی لوگ مرتد ہو گئے۔ علما کے نزدیک تکذیب اور ارتداد کا یہ واقعہ دلیل ہے کہ یہ سفر نہایت محیر العقول اور بہ ظاہر ناقابلِ یقین تھا۔ چنانچہ اِسے جسمانی ماننا ضروری ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ سفر کی نوعیت اگر فقط روحانی ہوتی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اِسے خواب میں پیش آنے والے ایک واقعے کے طور پر بیان فرماتے تو نہ کفار اِس کا انکار کرتے اور نہ بعض مسلمان اسلام چھوڑنے کا فیصلہ کرتے۔ وہ سب اِسے عام انسانی خواب سمجھ کر تسلیم کر لیتے۔ اُن کا اِنکار ثابت کرتا ہے کہ یہ واقعہ بیداری میں جسمانی طور پر پیش آیا تھا۔ گویا اُن کے لیے عقلاً محال تھا کہ دو تین ماہ کے سفر کو ایک رات میں طے ہونے پر یقین کر لیں۔ ”تفسیر ابنِ کثیر“ میں ہے:

فالتسبیح إنما یکون عند الامور العظام، فلو کان منامًا لم یکن فیه کبیر شیء ولم یکن مستعظمًا، ولما بادرت کفار قریش إلی تکذیبه،

”(واقعۂ اسرا کے جسمانی ہونے کی دلیل تسبیح کے الفاظ ہیں) اللہ کی پاکی بیان کرنے کا لازمی تقاضا ہے کہ اِس کے بعد نہایت عظیم الشان بات کا

ولما ارتدت جماعة مما كان قد أسلم. (40/5)

تذکرہ کیا جائے۔ لیکن اگر اِس سفر کو خواب پر محمول کیا جاتا ہے تو اِسے بہت بڑا اور غیر معمولی واقعہ قرار نہیں دیا جا سکتا (اور تسبیح کے الفاظ سے اِس کی مطابقت نہیں ہوتی)، کیونکہ اِس صورت میں نہ کفارِ قریش آپ کی تکذیب کرنے میں جلدی کرتے اور نہ اسلام قبول کرنے والوں میں سے ایک گروہ ارتداد اختیار کرتا۔"

علامہ قرطبی نے سورۂ بنی اسرائیل کی آیت 60 کے الفاظ 'فِتْنَةً لِّلنَّاسِ' کے حوالے سے لکھا ہے:

وكانت الفتنة ارتداد قوم كانوا أسلموا حين أخبرهم النبي صلى الله عليه وسلم أنه أسري به. وقيل: كانت رؤيا نوم. وهذه الآية تقضي بفساده، وذلك أن رؤيا المنام لا فتنة فيها، وما كان أحد لينكرها. (الجامع لاحکام القرآن 282/5)

""فتنہ" سے مراد اُن لوگوں کا مرتد ہونا ہے، جو اسلام لا چکے تھے۔ یہ اُس وقت ہوا، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنھیں بتایا کہ آپ کو (مسجدِ اقصیٰ) لے جایا گیا ہے۔ اِس واقعے کو نیند میں دیکھے جانے والے خواب پر بھی محمول کیا گیا ہے۔ لیکن یہ آیت اِس قول کے فاسد ہونے کو لازم کرتی ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ خواب کے عالم میں اِس طرح کا بیان کوئی فتنہ یا آزمایش نہیں بنتا اور اِسے سن کر کوئی شخص بھی اِس کا انکار نہیں کرتا۔"

اِس موضوع سے متعلق روایتوں کی صحت یا عدمِ صحت سے قطع نظر، مذکورہ استدلال اور طرزِ استدلال، دونوں بے بنیاد ہیں۔ اِس کے پیچھے شعوری یا غیر شعوری طور پر جو تصور کار فرما ہے، وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطبین کے لیے اسلام قبول کرنے، اُس پر قائم رہنے یا کفر اختیار کرنے کا ایک بڑا سبب خارقِ عادت واقعات اور حسی معجزات بھی تھے۔ قرآنِ مجید اِس تصور کی نفی کرتا ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفارِ قریش کی طرف سے کیے گئے خارقِ عادت معجزات کے مطالبات بیان کیے ہیں اور اُن پر تبصرہ کرتے ہوئے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا ہے کہ قریش سے پوچھیے: ''کیا میں ایک انسان کے سوا اور بھی کچھ ہوں، جسے خدا نے رسول بنا کر بھیجا ہے''؟ استاذِ گرامی کے الفاظ میں اِس جملے کا مطلب یہ ہے:

''... (ایسے مطالبات کرنے والوں سے کہیے کہ) میں نے خدا ہونے کا دعویٰ کب کیا ہے؟ میں نے کب تم سے کہا ہے کہ میں ہر چیز پر قدرت رکھتا ہوں؟ میں نے کب کہا ہے کہ زمین و آسمان میری مٹھی میں ہیں اور میں اُن میں جو تصرف چاہوں، کر سکتا ہوں؟ میں نے پہلے دن سے صرف اِتنی بات کہی ہے کہ میں ایک انسان ہوں اور خدا نے مجھے اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے۔ مجھے بتاؤ کہ میری اِس بات کا تمھارے اِن مطالبات سے کیا تعلق ہے؟ یہ سب تو خدا کے کام ہیں اور میں نے ایسا کوئی دعویٰ کبھی نہیں کیا ہے۔''

(البیان 3/ 109)

متعلقہ آیات درجِ ذیل ہیں:

وَ لَقَدۡ صَرَّفۡنَا لِلنَّاسِ فِیۡ ہٰذَا الۡقُرۡاٰنِ مِنۡ کُلِّ مَثَلٍ ۫ فَاَبٰۤی اَکۡثَرُ النَّاسِ اِلَّا کُفُوۡرًا. وَ قَالُوۡا لَنۡ نُّؤۡمِنَ لَکَ حَتّٰی تَفۡجُرَ لَنَا مِنَ الۡاَرۡضِ یَنۡۢبُوۡعًا. اَوۡ تَکُوۡنَ لَکَ جَنَّۃٌ مِّنۡ نَّخِیۡلٍ وَّ عِنَبٍ

''ہم نے اِس قرآن میں لوگوں کے لیے طرح طرح سے ہر قسم کی حکمت کی باتیں بیان کی ہیں، پھر بھی اکثر لوگ انکار کیے بغیر نہیں رہے ہیں۔ اُنھوں نے کہہ دیا ہے کہ ہم تمھاری بات نہ

فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا۔

مانیں گے، جب تک تم ہمارے لیے زمین سے کوئی چشمہ نہ جاری کر دو۔ یا تمھارے لیے کھجوروں اور انگوروں کا کوئی باغ پیدا نہ ہو جائے، پھر اُس کے بیچ میں تم بہت سی نہریں نہ دوڑا دو۔

اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا۔ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ؕ وَ لَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا۔

یا جیسا کہ تم کہتے ہو، ہمارے اوپر ٹکڑے ٹکڑے آسمان نہ گرا دو یا اللہ اور اُس کے فرشتوں کو لا کر ہمارے سامنے کھڑا نہ کر دو۔ یا تمھارے پاس سونے کا کوئی گھر نہ ہو جائے یا (ہماری آنکھوں کے سامنے) تم آسمان میں نہ چڑھ جاؤ۔ اور ہم تمھارے چڑھنے کو بھی ماننے کے نہیں ہیں، جب تک تم (وہاں سے) ہم پر کوئی کتاب نہ اتارو، جسے ہم پڑھیں —— اِن سے کہو، پاک ہے میرا پروردگار، کیا میں ایک انسان کے سوا اور بھی کچھ ہوں، جسے خدا نے رسول بنا کر بھیجا ہے؟

وَ مَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا۔ قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا۔ قُلْ

جب اِن کے پاس ہدایت آ گئی تو اِن لوگوں کے ایمان لانے میں یہی چیز رکاوٹ بن گئی ہے کہ اِنھوں نے کہہ دیا کہ کیا اللہ نے ایک انسان کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟ اِن سے کہو کہ اگر زمین میں

كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا.
(بنی اسرائیل 17:89-96)

فرشتے ہوتے کہ اطمینان کے ساتھ چل پھر رہے ہوتے تو ہم آسمان سے اُن پر کسی فرشتے ہی کو رسول بنا کر اتار دیتے۔ کہہ دو کہ اللہ میرے اور تمھارے درمیان گواہی کے لیے کافی ہے۔ اِس میں شبہ نہیں کہ وہ اپنے بندوں کو جاننے والا ہے، وہ اُن کو دیکھ رہا ہے۔"

اِن آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کفارِ قریش نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے اِن معجزات کا مطالبہ کیا تھا:

1۔ زمین سے یک بہ یک چشمہ جاری کر دیں۔

2۔ دفعتہً کھجوروں اور انگوروں کا باغ وجود میں لے آئیں، جس کے اندر نہریں جاری ہوں۔

3۔ اپنے دعوے کے مطابق آسمان کو پاش پاش کر کے ہمارے اوپر گرا دیں۔

4۔ اللہ اور اُس کے فرشتے ہمارے سامنے رونما ہو جائیں۔

5۔ اپنے لیے سونے کا ایک گھر تخلیق کر دیں۔

6۔ آسمان کی طرف معراج فرمائیں اور وہاں سے ہمارے لیے کوئی کتاب لے کر آئیں۔

اللہ چاہتا تو اِن مطالبات کو بعینہٖ پورا کر دیتا اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے اِنھیں صادر فرما دیتا، مگر ایسا کرنے کے بجاے اُس نے اپنے پیغمبر کو حکم دیا کہ اُنھیں اِس حقیقت سے آگاہ کر دیجیے کہ آپ ایک فردِ بشر ہیں، جو اپنی ذات میں ایسے کرشمے دکھانے کا اختیار نہیں رکھتا۔ امام امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

"اِن سارے مطالبات کے جواب میں ارشاد ہوا: قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا

رَّسُوْلًا'، ''اُن سے کہہ دو کہ میرا رب ہر قسم کی شرکت سے پاک ہے، میں تو بس ایک بشر اور رسول ہوں۔'' یعنی میں نے خدائی یا خدائی میں شرکت کا دعویٰ نہیں کیا ہے کہ تم مجھ سے اِس قسم کے مطالبے کرتے ہو، میرا رب ہر قسم کی شرکت سے منزہ، ارفع اور بالاتر ہے، میں تو صرف ایک بشر ہوں اور خدا کا ایک رسول ہوں۔ رسول کی حیثیت سے میرا فریضہ صرف یہ ہے کہ میں تم کو خدا کا پیغام پہنچا دوں۔ اِن کاموں میں سے کوئی ایک کام بھی کر دینے کا مجھے اختیار نہیں ملا ہوا ہے۔'' (تدبر قرآن 4/ 542)

مزید برآں، سورۂ بنی اسرائیل کی آیت 60 سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ آخری نبوت میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارادہ ہی نہیں ہے کہ لوگوں کی تنبیہ و تخویف کے لیے اُس طرح کے معجزات و خوارق ظاہر کرے، جو بعض سابقہ نبوتوں میں ظاہر کیے گئے تھے۔ یہ بات سورۂ بنی اسرائیل کی درجِ ذیل آیت سے واضح ہوتی ہے۔ ارشاد فرمایا ہے:

وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ. وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا. وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا. (17:59)

''ہم کو عذاب کی نشانیاں بھیجنے سے اِسی بات نے روک رکھا ہے کہ اگلوں نے اُنھیں جھٹلا دیا تھا۔ ثمود کو ہم نے اونٹنی (اِسی طرح کی) ایک آنکھیں کھول دینے والی نشانی کے طور پر دی تھی، لیکن اُنھوں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور اُس کی تکذیب کر دی۔ (پھر نشانیاں بھیجنے سے کیا حاصل)؟ ہم نشانیاں اِسی لیے تو بھیجتے ہیں کہ (عذاب سے پہلے لوگوں کو اُن کے انجام سے) ڈرا دیں۔''

اِس کی تفسیر میں ''البیان'' میں لکھا ہے:

''یعنی جب لوگ (اللہ کی نشانیوں سے) نہیں ڈرتے، بلکہ اور زیادہ سرکش ہو جاتے اور

اُنھیں جھٹلا دیتے ہیں تو اُن کو بھیجنے سے کیا حاصل؟ اِس تجربے سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ تنبیہ و تخویف اِس طرح کے سرکشوں کو کوئی فائدہ نہیں دیتی۔ یہ اگر قائل ہو سکتے ہیں تو اصل عذاب ہی سے قائل ہو سکتے ہیں۔‘‘ (3/ 94)

اِس تفصیل سے قرآنِ مجید کا موقف پوری طرح واضح ہو گیا ہے کہ معجزات کی نوعیت یا اُن کے ظہور اور مخاطبین رسالت کے ردِ عمل یا مطالبات میں باہمی طور پر کوئی تعلق نہیں ہے۔ لہٰذا اِنھیں ایک دوسرے سے متعلق کرنا یا ایک دوسرے کے تناظر میں سمجھنا درست نہیں ہے۔

اِس کے بعد اب متعلقہ روایات کے بیانات کا جائزہ لے لیجیے۔ اُن میں سے جتنی بات صحیحین میں نقل ہے، اُس میں کسی طرح کا اشکال نہیں ہے۔

بخاری کی روایت ہے:

قال أبو سلمة: سمعت جابر بن عبد الله رضی الله عنهما، قال: سمعت النبی صلی الله علیه وسلم یقول: ’’لما كذبتنی قریش قمت فی الحجر، فجلى الله لی بیت المقدس، فطفقت أخبرهم عن آیاته وأنا أنظر إلیه‘‘. (رقم 4710)

’’ابوسلمہ روایت کرتے ہیں کہ اُنھوں نے جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے اور اُنھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ نے فرمایا: جب قریش نے مجھے اسرا کے معاملے میں جھٹلایا تو میں (کعبہ میں) حجر کے مقام پر کھڑا ہوا تھا۔ اللہ نے بیت المقدس کو میرے سامنے کر دیا۔ چنانچہ میں اُسے دیکھ دیکھ کر اُنھیں اُس کی نشانیاں بیان کرنے لگا۔‘‘

مسلم میں ہے:

عن أبی هریرة، قال: قال رسول الله صلى الله علیه وسلم: ’’لقد رأیتنی

’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

فی الحجر، وقریش تسألنی عن مسرای، فسألتنی عن أشیاء من بیت المقدس لم أثبتها. فکربت کربۃً ما کربت مثلہ قط"، قال: "فرفعہ اللّٰہ لی أنظر إلیہ ما یسألونی عن شیء، إلا أنبأتھم بہ".
(رقم448)

علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے دیکھا کہ میں حجر میں ہوں اور قریش مجھ سے میرے سفر کے بارے میں پوچھ رہے ہیں۔ چنانچہ اُنھوں نے بیت المقدس کی کئی چیزوں کے متعلق سوال کیا، مگر میں اُن کے بارے میں جواب نہ دے سکا۔ اِس پر میں اِس قدر مضطرب ہوا کہ پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔ پھر اللہ نے بیت المقدس کو اٹھا کر میرے سامنے کر دیا۔ میں اُس کو دیکھنے لگا اور جو کچھ وہ پوچھتے رہے، میں اُنھیں بتاتا رہا۔''

اِن روایتوں میں فقط کفارِ قریش کے ردِ عمل کا ذکر ہے۔ مسلمانوں کے مرتد ہونے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ جن روایتوں میں ارتداد کا ذکر ہے، وہ علما و محدثین کے معیاراتِ صحت پر پوری نہیں اترتیں۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر اصحاب علم نے اُنھیں قبول کرنے سے انکار کیا ہے۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے "سیرت النبی" میں اُن پر ایک جامع اور وقیع تبصرہ کیا ہے۔ یہ تبصرہ درجِ ذیل ہے۔ اِس سے واضح ہے کہ اِن میں بعض روایتیں بلا اسناد ہیں اور بعض کے راوی قصہ خواں اور دروغ گو ہیں۔ بخاری و مسلم کی درج بالا روایتوں میں مذکور واقعے کا ذکر کرنے کے بعد وہ لکھتے ہیں:

"اتنا واقعہ تو صحیحین میں مذکور ہے، لیکن واقدی، ابنِ اسحاق، ابنِ جریر طبری، ابنِ ابی حاتم، بیہقی اور حاکم میں، جن کا مرتبہ کتبِ روایات میں بلند نہیں، اِس واقعے پر لوگوں نے عجیب و غریب حاشیے لگائے ہیں۔ حضرت ام ہانی سے روایت ہے کہ صبح اٹھ کر آں حضرت نے گھر والوں سے شب کا واقعہ بیان کر کے باہر جانا چاہا کہ اور لوگوں سے بیان کریں تو میں نے دامن تھام لیا کہ اِس کا قصد نہ کیجیے، کفار صریح جھٹلائیں گے۔ ایک روایت میں ہے کہ

رات کو جب آپ کے اعزہ نے آپ کو بستر پر نہ پایا تو اُن کو قریش کا خوف ہوا کہ اُنھوں نے آپ کو گزند تو نہیں پہنچایا، اور پہاڑوں اور غاروں میں آپ کو ڈھونڈنے لگے۔ ایک روایت میں ہے کہ معراج کی واپسی میں قریش کے ایک تجارتی قافلہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات ہوئی اور اُن کے ساتھ کچھ واقعات پیش آئے۔ جب لوگوں نے جھٹلایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اچھا تمھارا قافلہ پرسوں تک آ جائے گا، اُس سے پوچھ لینا۔ چنانچہ وہ آیا اور اُس نے تصدیق کی۔ اِنھی روایتوں کا ایک ٹکڑا یہ ہے کہ کچھ کفار دوڑے ہوئے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے کہ آج محمد صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں بیٹھے ہوئے لوگوں سے یہ کہہ رہے ہیں کہ رات کو وہ بیت المقدس گئے اور آئے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کیا واقعی یہ آپ فرما رہے ہیں؟ لوگوں نے کہا: ہاں، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تو میں آپ کو سچا جانتا ہوں اور اِس پر ایمان لاتا ہوں۔ کفار نے کہا: تم کھلم کھلا ایسی خلافِ عقل بات کیوں کر صحیح سمجھتے ہو؟ جواب دیا: میں تو اِس سے بھی زیادہ خلافِ عقل بات پر یقین رکھتا ہوں۔ میں تو یہ تسلیم کرتا ہوں کہ ہر روز آپ کی خدمت میں آسمان سے فرشتے آتے ہیں۔ اُسی دن سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا لقب صدیق ہو گیا۔

لیکن یہ تمام قصے سر تا پا لغو اور باطل ہیں۔ ابنِ اسحاق اور ابنِ سعد نے تو سرے سے اِن واقعات کے اسناد ہی نہیں لکھے ہیں، ابنِ جریر طبری، بیہقی، ابنِ ابی حاتم، ابو یعلیٰ، ابنِ عساکر اور حاکم نے اِن کی سندیں ذکر کی ہیں۔ اِن کے رواۃ ابو جعفر رازی، ابو ہارون عبدی اور خالد ابن یزید بن ابی مالک ہیں، جن میں پہلے صاحب، جو بجائے خود ثقہ ہیں، مگر بے سروپا حدیثوں کو بیان کرنے میں بے باک ہیں، بقیہ دو مشہور دروغ گو، کاذب اور قصہ خواں ہیں۔ اِن ہی لغو قصوں کا اختتامی جز یہ ہے کہ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے معراج کا واقعہ بیان کیا تو بہت سے مسلمانوں کے ایمان بھی متزلزل ہو گئے اور مرتد ہو گئے۔ 'فارتد کثیر ممن أسلم' (سیرت ابن ہشام 1 / 241)۔ یہ قصہ غالباً قرآنِ مجید کی اِس آیت کی غلط توضیح میں گھڑا گیا ہے: 'وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ' (بنی اسرائیل 60)، (ہم نے یہ دکھاوا جو تجھ کو دکھایا ہے، اِس کو لوگوں کی آزمائش

ہی کے لیے کیا ہے۔)

ابنِ سعد اور واقدی نے اِس قصے کو یوں ہی بے سند بیان کیا ہے۔ طبری، ابنِ ابی حاتم اور بیہقی وغیرہ کے معتمد ارکان وہی اصحاب ثلاثہ ہیں، جن کے اوصافِ گرامی ابھی اوپر گزر چکے ہیں۔ ابنِ جریر نے اِس آیت کے تحت جو روایتیں درج کی ہیں، اُن میں حسن، قتادہ اور ابنِ زید سے یہ واقعۂ ارتداد مذکور ہے، لیکن اُن کا سلسلہ اِن سے آگے نہیں بڑھتا۔ اِس واقعے کے انکار کی سب سے پر زور دلیل ہمارے پاس یہ ہے کہ اِس وقت تک مکہ میں جو اصحاب اسلام لائے تھے، وہ گنے چنے لوگ تھے، جو ہم کو نام بہ نام معلوم ہیں۔ اُن میں سے کسی کی پیشانی پر ارتداد کا داغ نہیں۔ واقعے کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ کافروں میں بعض لوگ ایسے ہوں گے، جو اِس سے پہلے آپ کے سخت مخالف نہ ہوں اور اگر آپ کو پیغمبر نہ جانتے ہوں، مگر آپ کو مفتری اور کاذب بھی نہ کہتے ہوں، لیکن اِس واقعۂ معراج کے بعد سے اُنھوں نے بھی آپ کے ساتھ اِس نیکی اور حسن ظن کا خیال اٹھا دیا ہو۔ قرآنِ مجید نے اِس کو 'فِتْنَةً لِّلنَّاسِ'، ''لوگوں کے لیے آزمایش'' کہا ہے، 'فتنةً للمؤمنين' یعنی ''مومنوں اور مسلمانوں کے لیے آزمایش'' نہیں کہا ہے اور اگر اُن کے لیے بھی آزمایش ہو تو اِس آیت سے کہاں یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اِس آزمایش میں پورے نہیں اترے۔''

(236-235/3)

رؤیتِ باری تعالیٰ

سورۂ نجم کے الفاظ ’ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی. فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی‘ (پھر وہ قریب ہوا اور جھک پڑا، یہاں تک کہ دو کمانوں کے برابر یا اُس سے کچھ کم فاصلہ رہ گیا) اور واقعۂ معراج کی مذکورہ روایت کے الفاظ ’ودنا للجبار رب العزۃ، فتدلی، حتی کان منہ قاب قوسین أو أدنی‘ (پھر اللہ رب العزت نے نزول فرمایا اور آپ کے قریب ہوئے، یہاں تک کہ دو کمانوں کے برابر یا اُس سے کچھ کم فاصلہ رہ گیا) سے رؤیتِ باری تعالیٰ، یعنی دیدارِ الٰہی کا مفہوم اخذ کیا جاتا ہے۔ سورہ اور روایت کے متعلقہ اجزا درجِ ذیل ہیں:

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰی. مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَمَا غَوٰی. وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی. اِنْ هُوَاِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی. عَلَّمَهٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی. ذُوْ مِرَّةٍ فَاسْتَوٰی. وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰی. ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی. فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی. فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰی. مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی. اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰی مَا یَرٰی.

(53: 1-12)

”تارے گواہی دیتے ہیں، جب وہ گرتے ہیں کہ تمھارا رفیق نہ بھٹکا ہے، نہ بہکا ہے۔ وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتا، یہ (قرآن) تو ایک وحی ہے، جو اُسے کی جاتی ہے۔ اُس کو ایک زبردست قوتوں والے نے تعلیم دی ہے، جو بڑا صاحبِ کردار، بڑا صاحبِ حکمت ہے۔ چنانچہ وہ نمودار ہوا، اِس طرح کہ وہ آسمان کے اونچے کنارے پر تھا۔ پھر قریب ہوا اور جھک پڑا،

یہاں تک کہ دو کمانوں کے برابر یا اُس سے کچھ کم فاصلہ رہ گیا۔ پھر اللہ نے وحی کی اپنے بندے کی طرف جو وحی کی۔ جو کچھ اُس نے دیکھا، وہ دل کا وہم نہ تھا۔ اب کیا تم اُس چیز پر اُس سے جھگڑتے ہو، جو وہ آنکھوں سے دیکھ رہا ہے؟"

ثم علا به فوق ذلك بما لا يعلمه إلا الله، حتى جاء سدرة المنتهى، ودنا للجبار رب العزة، فتدلى، حتى كان منه قاب قوسين أو أدنى، فاوحى الله فيما أوحى إليه خمسين صلاةً على امتك كل يوم وليلة.

(بخاری، رقم 7517)

"پھر جبریل آپ کو اِس (ساتویں آسمان) سے بھی اوپر اُن بلندیوں کی طرف لے گئے، جنھیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ یہاں تک کہ آپ سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچ گئے۔ پھر اللہ رب العزت نے نزول فرمایا اور آپ کے قریب ہوئے۔ یہاں تک کہ دو کمانوں کے برابر یا اُس سے کچھ کم فاصلہ رہ گیا۔ پھر اللہ نے آپ کو وحی کی اور اُس میں ہر روز و شب میں پچاس نمازوں کا حکم دیا گیا، جو تمھاری امت پر فرض ہوئیں۔"

اِن سے رؤیتِ باری تعالیٰ کا مفہوم اخذ کرنے کے حوالے سے علما کے دو گروہ ہیں:

ایک گروہ کا موقف ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے دیدارِ الٰہی کا تصور قائم کرنا درست نہیں ہے۔ یہ تصور اُن آیات اور احادیث کے خلاف ہے، جو اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کے امکان کو رد کرتی ہیں۔ لہٰذا وہ سورۂ نجم کے مذکورہ مقام کو حضرت جبریل علیہ السلام کی رؤیت

پر محمول کرتے ہیں۔ جہاں تک روایت کا تعلق ہے تو چونکہ اُس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر لفظاً آ گیا ہے، اِس لیے اُن میں سے بعض روایت کے متعلقہ حصے کو اور بعض پوری روایت کو قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں۔

اِس موقف کو مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے بالتفصیل بیان کیا ہے۔ ''تفہیم القرآن'' سے سورۂ نجم کی تفسیر کے چند اجزا درجِ ذیل ہیں:

''... 'زبردست قوت والے' سے مراد بعض لوگوں کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، لیکن مفسرین کی عظیم اکثریت اِس پر متفق ہے کہ اِس سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عائشہ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم، قتادہ، مجاہد، اور ربیع بن انس سے یہی قول منقول ہے۔ ابنِ جریر، ابنِ کثیر، رازی اور آلوسی وغیرہ حضرات نے بھی اِسی قول کو اختیار کیا ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب اور مولانا اشرف علی صاحب نے بھی اپنے ترجموں میں اِسی کی پیروی کی ہے۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ خود قرآنِ مجید کی دوسری تصریحات سے بھی یہی ثابت ہے۔...

یہ جبریل علیہ السلام سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری ملاقات کا ذکر ہے، جس میں وہ آپ کے سامنے اپنی اصلی صورت میں نمودار ہوئے۔ اس ملاقات کا مقام ''سدرۃ المنتہیٰ'' بتایا گیا ہے اور ساتھ ہی یہ فرمایا گیا ہے کہ اِس کے قریب ''جنت الماویٰ'' واقع ہے۔...

یہ آیت اِس امر کی تصریح کرتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو نہیں، بلکہ اُس کی عظیم الشان آیات کو دیکھا تھا۔ اور چونکہ سیاق و سباق کی رو سے یہ دوسری ملاقات بھی اُسی ہستی سے ہوئی تھی، جس سے پہلی ملاقات ہوئی، اِس لیے لامحالہ یہ ماننا پڑے گا کہ افق اعلیٰ پر جس کو آپ نے پہلی مرتبہ دیکھا تھا، وہ بھی اللہ نہ تھا، اور دوسری مرتبہ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس جس کو دیکھا وہ بھی اللہ نہ تھا۔ اگر آپ نے اِن مواقع میں سے کسی موقع پر بھی اللہ جل شانہ کو دیکھا ہوتا تو یہ اِتنی بڑی بات تھی کہ یہاں ضرور اِس کی تصریح کر دی جاتی۔...

اِن وجوہ سے، بہ ظاہر اِس بحث کی کوئی گنجایش نہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن دونوں مواقع پر اللہ تعالیٰ کو دیکھا تھا یا جبریل علیہ السلام کو؟ لیکن جس وجہ سے یہ بحث پیدا ہوئی، وہ یہ ہے کہ اِس مسئلے پر احادیث کی روایات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔...

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی ایک روایت جو قصۂ معراج کے سلسلے میں شریک بن عبداللہ کے حوالہ سے امام بخاری نے کتاب التوحید میں نقل کی ہے، ...سب سے بڑا اعتراض اِس پر یہ وارد ہوتا ہے کہ یہ صریح قرآن کے خلاف پڑتی ہے۔ کیونکہ قرآنِ مجید دو الگ الگ رؤیتوں کا ذکر کرتا ہے، جن میں سے ایک ابتداءً افق اعلیٰ پر ہوئی تھی اور پھر اس میں 'دَنَا فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی' کا معاملہ پیش آیا تھا، اور دوسری سدرۃ المنتہیٰ کے پاس واقع ہوئی تھی۔ لیکن یہ روایت اِن دونوں رؤیتوں کو خلط ملط کر کے ایک رؤیت بنا دیتی ہے۔ اِس لیے قرآنِ مجید سے متعارض ہونے کی بنا پر اِس کو تو کسی طرح قبول ہی نہیں کیا جا سکتا۔" (5/195-205)

حافظ صلاح الدین یوسف نے اپنی تالیف "واقعۂ معراج اور اُس کے مشاہدات" میں اُن علما کے اقوال کو جمع کر دیا ہے، جو باری تعالیٰ کی عدم رؤیت کے قائل ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"بعض روایات میں صرف حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ لیکن دوسری طرف حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کو دل سے دیکھا ہے۔... گویا حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے آنکھوں سے دیکھنے کی اور دل سے دیکھنے کی، دونوں قسم کی روایات منقول ہیں۔ اِس لیے حافظ ابنِ کثیر کہتے ہیں:

"حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے مطلق رؤیت کی جو روایت مروی ہے، اُسے اُس روایت پر محمول کیا جائے گا، جس میں دل کے ساتھ دیکھنے کی تخصیص ہے اور جس نے اُن سے آنکھ سے دیکھنے کی روایت کی ہے، اُس نے بڑی عجیب بات کی ہے، اِس لیے کہ صحابہ سے اِس کی بابت کوئی چیز صحیح ثابت نہیں۔"

محقق عصر ناصر الدین البانی فرماتے ہیں:

”بہر حال حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے آیتِ نجم کی تفسیر رؤیتِ باری تعالیٰ کے ساتھ اُن سے ثابت ہے، لیکن اِس کے مقابلے میں اِس آیت کی وہ تفسیر جو ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے (بروایتِ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا) مرفوع ذکر کی ہے، اُس سے زیادہ بہتر ہے۔ اِس لیے کہ موقوف (قولِ صحابی) کے مقابلے میں مرفوع (قولِ رسول) کا لینا واجب ہے۔...“

یہی بات حافظ ابنِ حجر نے بھی لکھی ہے:

”حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے مطلق دیکھنے کی روایات بھی ہیں اور دل کے ساتھ دیکھنے کی خاص روایات بھی۔ اِس لیے مطلق کو مقید (خاص روایات) پر محمول کرنا ضروری ہے۔“

بہر حال اِس تفصیل سے واضح ہے کہ شبِ معراج میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کا دیدار کیا، نہ براہِ راست گفتگو کی اور نہ آپ کا 'دنو و تدلی' کا تعلق اللہ کے ساتھ ہوا، جس کا اظہار سورۂ نجم کی آیت کی تفسیر میں بعض لوگوں نے کیا ہے۔“ (75-77،84)

دوسرے گروہ کے اہلِ علم سورۂ نجم کے الفاظ 'ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی. فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی' (پھر قریب ہوا اور جھک پڑا، یہاں تک کہ دو کمانوں کے برابر یا اُس سے کچھ کم فاصلہ رہ گیا) اور روایت کے مذکورہ حصے کو باہم موافق قرار دیتے ہیں، جن میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ و سلم کے بارے میں دیدارِ الٰہی کی صراحت ہے۔ تاکید مزید کے لیے وہ اُن روایات کو بنائے استدلال بناتے ہیں، جن میں رؤیتِ باری کی تصریح کی گئی ہے۔ چنانچہ وہ نہ صرف دیدارِ الٰہی کو برحق مانتے ہیں، بلکہ قرآنِ مجید کی آیات 'لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ'[66] اور 'وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ'[67] کی تاویل بھی اِنھی کو اصل مان کر کرتے ہیں۔

---

[66] الانعام 6:103۔ ”اُس کو نگاہیں نہیں پا سکتیں۔“

[67] الشوریٰ 42:51۔ ”(اِنھیں اصرار ہے کہ خدا اِن سے براہ راست کیوں کلام نہیں کرتا؟ اِن سے

پیر کرم شاہ الازہری نے اپنی تفسیر ''ضیاء القرآن'' میں سورۂ نجم کے تحت اُن علما کے اقوال کو درج کیا ہے، جو رؤیتِ باری تعالیٰ کے قائل ہیں۔ اُن کا اقتباس درجِ ذیل ہے:

''خلاصۂ کلام کو علامہ نووی اِن الفاظ میں بیان کرتے ہیں: حاصل بحث یہ ہے کہ اکثر علما کے نزدیک راجح قول یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شبِ معراج اللہ تعالیٰ کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا اور اِس میں شک کی کوئی گنجایش نہیں۔...

علامہ سید محمود آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اِن آیات کی تفسیر و تشریح سے فارغ ہونے کے بعد دیدارِ الٰہی کے بارے میں اپنی ذاتی رائے کو یوں بیان کرتے ہیں:

''اور میں یہ کہتا ہوں کہ سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے رب کریم کے دیدار سے مشرف ہوئے اور حضور کو قربِ الٰہی نصیب ہوا۔ لیکن اِس طرح جیسے اُس کی شانِ کبریائی کے لائق ہے۔'' (روح المعانی)

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے جب دریافت کیا جاتا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے رب کا دیدار کیا تو آپ جواب میں فرماتے: ہاں حضور نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا، ہاں حضور نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ یہ جملہ اِتنی بار دہراتے کہ آپ کا سانس ٹوٹ جاتا۔ (روح المعانی)

مولانا سید انور شاہ صاحب اِس مسئلے پر مفصل بحث کرنے کے بعد رقم طراز ہیں:

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم دیدارِ الٰہی سے مشرف ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اِس دولتِ سرمدی سے آپ کو نوازا اور اپنے فضل و احسان سے عزت افزائی فرمائی۔ پس حضور نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا، حضور نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا، جس طرح امام احمد نے فرمایا ہے، مگر یہ دیدار ایسا تھا، جیسے حبیب اپنے حبیب کا دیدار کرتا ہے۔ نہ وہ آنکھیں بند کرنے کی قدرت رکھتا ہے اور نہ اِس میں یہ طاقت ہوتی ہے کہ ٹکٹکی باندھ کر روے دل دار کو دیکھتا

کہو)، کسی انسان کی یہ شان نہیں ہے کہ اللہ اُس سے روبرو بات کرے، الاّ یہ کہ وہ وحی کے ذریعے سے ہو یا پردے کے پیچھے سے۔''

رہے۔ اللہ تعالیٰ کے اِس فرمان کا یہی مفہوم ہے: ما زاغ البصر وما طغیٰ۔"

(فیض الباری، شرح فتح الباری)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے "اشعۃ اللمعات" کی جلد چہارم میں اِس مسئلے کی تحقیق کرتے ہوئے اِسی قول کو پسند فرمایا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے دیدار کا شرف حاصل کیا۔" (5/ 23-24)

خلاصہ یہ ہے کہ صحابۂ کرام کے زمانے سے لے کر دورِ حاضر تک رؤیتِ باری تعالیٰ کے معاملے میں اختلاف قائم ہے۔ ایک گروہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا قائل ہے اور دوسرا اُس کا انکار کرتا ہے۔

استاذِ گرامی جناب جاوید احمد غامدی کے نزدیک، قرآن و حدیث کی رو سے، یہ دونوں نقطہ ہائے نظر درست نہیں ہیں۔ اِن کے پیچھے ایک ہی غلطی کارفرما ہے۔ وہ غلطی یہ ہے کہ دونوں نے اسرا و معراج کے واقعات کو رؤیا ماننے سے انکار کیا ہے۔ یہ انکار سورۂ بنی اسرائیل کی آیت 60 کے واضح مطالب اور صحیح بخاری کی مذکورہ حدیث کے صریح الفاظ کے منافی ہے۔ اِن دونوں مصادر سے قطعی طور پر اِس امر کی صراحت ہوتی ہے کہ واقعۂ معراج بیداری میں نہیں، بلکہ نیند کے عالم میں اور رؤیا کی صورت میں پیش آیا تھا۔

سورۂ بنی اسرائیل میں ہے:

...وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ....(60:17)

"...اور ہم نے جو رؤیا تمھیں دکھایا، اُس کو بھی ہم نے اِن لوگوں کے لیے بس ایک فتنہ بنا کر رکھ دیا...۔"

اور حدیث کے ابتدائی اور اختتامی الفاظ ہیں:

حتی أتوہ لیلۃً أخرى فيما يرى قلبه، وتنام عينه، ولا ينام قلبه،

"یہاں تک کہ ایک دوسری رات کو وہ (دوبارہ) آئے۔ اُس وقت آپ صلی

وكذلك الانبياء تنام أعينهم ولا تنام قلوبهم.

اللہ علیہ وسلم کی کیفیت ایسی تھی کہ آپ کی آنکھیں تو سو رہی تھیں، مگر آپ کا دل نہیں سو رہا تھا۔ پیغمبروں کا معاملہ یہی ہوتا ہے کہ (نیند کے عالم میں بھی) اُن کی آنکھیں تو سو جاتی ہیں، مگر اُن کے دل نہیں سوتے۔"

واستيقظ وهو في مسجد الحرام.

"اِس کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے تو مسجدِ حرام میں تھے۔"

چنانچہ غامدی صاحب کے نزدیک یہ امر بالکل قرین قیاس ہے کہ معراج کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کے دیدار کا شرف حاصل ہوا ہو۔ بعض دیگر روایتوں سے بھی اِس کی تائید ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رؤیا کے عالم میں اللہ تعالیٰ کی دید کا اعزاز حاصل کیا تھا۔ ترمذی میں ہے:

عن معاذ بن جبل رضي الله عنه، قال: احتبس عنا رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات غداة عن صلاة الصبح حتى كدنا نتراءى عين الشمس، فخرج سريعًا فثوب بالصلاة فصلى رسول الله صلى الله عليه وسلم وتجوز في صلاته، فلما سلم دعا بصوته، فقال لنا: "على مصافكم كما أنتم".

"معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں فجر کی نماز پڑھانے سے روکے رکھا۔ (یعنی آپ تشریف نہیں لائے اور ہم آپ کے انتظار میں نماز پڑھنے سے رکے رہے) قریب تھا کہ ہم سورج کو دیکھ لیں گے۔ (یعنی سورج طلوع ہونے کا وقت بہت قریب آگیا)۔ پھر آپ تیزی سے واپس تشریف لائے اور

لوگوں کو نماز کے لیے بلایا۔ پھر آپ نے نماز پڑھائی اور نماز کو مختصر کیا۔ سلام پھیرنے کے بعد آپ نے آواز دے کر لوگوں کو بلایا اور فرمایا کہ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ جایئے۔

ثم انفتل إلينا، ثم قال: "أما إني سأحدثكم ما حبسني عنكم الغداة، اني قمت من الليل فتوضات وصليت ما قدر لي، فنعست في صلاتي حتى استثقلت فإذاأنا بربي تبارك وتعالى في أحسن صورة".

پھر آپ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا: میں آپ کو وہ بات بتانا چاہتا ہوں، جس نے آج مجھے روک لیا تھا۔ میں رات کو اٹھا، پھر میں نے وضو کیا اور تہجد کی نماز ادا کی۔ اُتنی ہی جتنی میرے لیے مقدر تھی۔ پھر نماز ہی میں مجھے اونگھ آگئی، یہاں تک کہ میں گہری نیند سو گیا۔ یک بہ یک میں نے دیکھا کہ میں اپنے پروردگار کے ساتھ ہوں اور وہ بہترین صورت پر ہے۔

فقال: يا محمد، قلت: لبيك رب، قال: فيم يختصم الملا الاعلى؟ قلت: لا أدري، قالها ثلاثًا، قال: "فرأيته وضع كفه بين كتفي حتى وجدت برد أنامله بين ثدي، فتجلى لي كل شيء وعرفت".

(رقم3235)

اُس نے فرمایا: اے محمد، میں نے عرض کیا: میرے رب، میں حاضر ہوں۔ اُس نے فرمایا: کیا آپ جانتے ہیں کہ ملاے اعلیٰ کے لوگ کس بات پر بحث کر رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ میں نہیں جانتا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بات تین بار پوچھی۔ پھر آپ نے

فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔
اُس نے اپنا ہاتھ میرے شانوں کے
درمیان رکھا اور میں نے اُس کی
انگلیوں کی ٹھنڈک اپنے سینے کے اندر
محسوس کی۔ اِس کے ساتھ ہی ہر چیز
میرے سامنے روشن ہو کر آگئی اور
میں جان گیا۔"

استاذِ گرامی کے نزدیک معراج کی روایت میں چونکہ بہ صراحت مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذاتِ باری کا مشاہدہ رؤیا کے عالم میں کیا تھا، اِس لیے اُس کو قرآنِ مجید کے اُن نصوص کے خلاف قرار نہیں دیا جا سکتا، جو باری تعالیٰ کی رؤیت بصری کے امکان کو رد کرتے ہیں۔ مزید بر آں، اسرا و معراج کے مشاہدات کو — قرآن و حدیث کے صریح الفاظ کے مطابق — عالم رؤیا کے مشاہدات پر محمول کرنے کے نتیجے میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی درجِ ذیل روایت بھی پوری طرح واضح ہو جاتی ہے اور اِس میں اور رؤیتِ باری کی روایتوں میں تصور کیا جانے والا تناقض بھی رفع ہو جاتا ہے:

عن مسروق، قال: كنت متكئًا عند عائشة، فقالت: يا أبا عائشة، ثلاث من تكلم بواحدة منهن، فقد اعظم على الله الفرية، قلت: ما هن؟ قالت: من زعم أن محمدًا صلى الله عليه وسلم راى ربه، فقد اعظم على الله الفرية.

"مسروق بیان کرتے ہیں کہ میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ٹیک لگائے ہوئے بیٹھا تھا۔ سیدہ نے کہا: اے ابو عائشہ، (یہ مسروق کی کنیت ہے) تین باتیں ایسی ہیں کہ جو اِن کا قائل ہوا، اُس نے اللہ پر بڑا جھوٹ باندھا۔ میں نے پوچھا: وہ تین باتیں کون سی ہیں؟ اُنھوں نے کہا کہ (ان میں سے ایک یہ ہے کہ) کوئی یہ خیال

کرے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے تو اُس نے اللہ پر بہت بڑا جھوٹ باندھا ہے۔

قال: وكنت متكئًا فجلست، فقلت: يا أم المؤمنين، أنظريني ولا تعجليني، ألم يقل الله عز و جل: "وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ"،[68] "وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى".[69]

مسروق نے کہا: میں ٹیک لگائے ہوئے (نیم دراز) تھا، (یہ سنتے ہی فوراً) اٹھ کر بیٹھ گیا۔ پھر میں نے کہا: ام المومنین، ذرا ٹھہر جایئے اور جلدی نہ کیجیے۔ کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: 'وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ' اور 'وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى'؟

فقالت: أنا أول هذه الامة، سأل عن ذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال: "إنما هو جبريل، لم أره على صورته التى خلق عليها، غير هاتين المرتين، رأيته منهبطًا من السماء، سادًا اعظم خلقه ما بين السماء إلى الارض".

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اِس امت میں سب سے پہلے میں نے اِن آیتوں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ تو جبریل تھے (جن کا ذکر اِن آیتوں میں ہوا ہے)۔ میں نے اُنھیں اِن دو موقعوں کے علاوہ کبھی اُس صورت میں نہیں دیکھا، جس میں اللہ نے اُنھیں بنایا ہے۔ میں نے دیکھا کہ وہ آسمان سے اتر رہے تھے اور اُن کا وجود آسمان سے زمین تک پھیلا ہوا تھا۔

---

[68] التکویر 81:23۔

[69] النجم 53:13۔

فقالت: أولم تسمع أن الله يقول: ”لَا تُدۡرِكُهُ الۡاَبۡصَارُ ۫ وَ هُوَ يُدۡرِكُ الۡاَبۡصَارَ ۚ وَ هُوَ اللَّطِيۡفُ الۡخَبِيۡرُ“[70] أولم تسمع أن الله يقول: ”وَ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنۡ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحۡيًا اَوۡ مِنۡ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوۡ يُرۡسِلَ رَسُوۡلًا فَيُوۡحِيَ بِاِذۡنِهٖ مَا يَشَآءُ“. [71]

(مسلم، رقم457)

پھر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کیا تو نے سنا نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ’لَا تُدۡرِكُهُ الۡاَبۡصَارُ ۫ وَهُوَ يُدۡرِكُ الۡاَبۡصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيۡفُ الۡخَبِيۡرُ‘، ’وَ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنۡ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحۡيًا اَوۡ مِنۡ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوۡ يُرۡسِلَ رَسُوۡلًا فَيُوۡحِيَ بِاِذۡنِهٖ مَا يَشَآءُ.“

[70] الانعام6:103۔

[71] الشوریٰ42:51۔

خلاصۂ مباحث

اسراو معراج: علما کا موقف

روایتی علما کے موقف کے اہم نکات درجِ ذیل ہیں:

1۔ اسراو معراج کے واقعے کا ذکر قرآنِ مجید اور احادیث، دونوں میں آیا ہے۔ قرآن میں اجمال ہے اور احادیث میں تفصیل ہے۔ قرآنِ مجید میں اِس کا ذکر سورۂ بنی اسرائیل (17) اور سورۂ نجم (53) میں ہوا ہے۔ احادیث میں یہ کم و بیش 25 مختلف طریقوں سے روایت ہوا ہے اور بخاری و مسلم سمیت بیش تر کتب حدیث میں نقل ہے۔

2۔ قرآن و حدیث کے متعلقہ اجزا کو باہم مربوط کرنے سے جو تصویر سامنے آتی ہے، اُس کی بنا پر اِسے ایک واقعے پر محمول کرنا زیادہ قرین قیاس ہے۔ چنانچہ اغلب یہی ہے کہ یہ ایک ہی موقعے کا سفر ہے، جو رات کے وقت مسجدِ حرام سے شروع ہو کر مسجدِ اقصیٰ تک اور وہاں سے ملاے اعلیٰ تک پہنچ کر مکمل ہوا۔

3۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ واقعہ عالم بیداری میں پیش آیا اور آپ نے بہ چشم سر اور بہ چشم دل، دونوں طریقوں سے آیاتِ الٰہی کا مشاہدہ فرمایا۔

4۔ یہ درست ہے کہ قرآن و حدیث میں جسمانی معراج اور بیداری کے سفر کی لفظی صراحت نہیں ہے، لیکن دونوں کے اسالیبِ بیان اِس کے جسمانی ہونے اور حالتِ بیداری

میں ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

5۔ یہ بھی درست ہے کہ قرآن مجید نے اِس واقعے کو رؤیا قرار دیا ہے، جس کے معروف معنی نیند میں دیکھنے، یعنی خواب کے ہیں، مگر درجِ ذیل دلائل کی بنا پر اِس سفر کو روحانی سفر یا رؤیا کے سفر پر محمول کرنا درست نہیں ہے:

i. 'رؤیا' کا لفظ زیادہ تر خواب کے مفہوم میں بولا جاتا ہے۔ تاہم، یہ فقط اِس مفہوم کے لیے خاص نہیں ہے۔ اِس کے ساتھ یہ کھلی آنکھوں سے دیکھنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اِس کی دلیل یہ ہے کہ عربی زبان کے مشہور شعرا متنبی اور راعی نے اپنے بعض اشعار میں اِسے بیداری میں دیکھنے کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔

ii. حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ سورۂ بنی اسرائیل میں لفظ 'رؤیا' سے مراد 'رؤیۃ عین'، یعنی آنکھوں سے دیکھنا ہے۔

iii. سورۂ بنی اسرائیل کی آیت 1 میں یہ واقعہ بیان کرنے سے پہلے 'سُبۡحٰنَ' (ہر عیب سے پاک ہے وہ ذات) کے الفاظ آئے ہیں۔ اِس اسلوب کا تقاضا ہے کہ اِس کے بعد کوئی نہایت غیر معمولی بات ذکر کی جائے، جس سے اللہ کی قدرت کا ظہور ہوتا ہو۔ یہ ظہور اُسی صورت میں نمایاں ہوتا ہے، جب چالیس دن کی مسافرت ایک رات کی چند ساعتوں میں طے ہو جائے۔

iv. سورۂ بنی اسرائیل کی آیت 1 میں 'الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ' کے الفاظ آئے ہیں۔ 'اَسۡرٰی' کے معنی لے جانے کے ہیں۔ یہ ایک عمل ہے، جو کسی جسمانی وجود ہی کے ساتھ کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا اِس کا اطلاق خواب پر نہیں کیا جا سکتا۔

v. 'الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ' میں لفظ 'عَبۡد' (بندے) کا اطلاق تنہا روح پر نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ عبد روح اور جسم، دونوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔ چنانچہ اِس لفظ کا استعمال تقاضا کرتا ہے کہ یہاں جسمانی وجود مراد لیا جائے، جو روح و بدن کا مجموعہ ہوتا ہے۔

vi. آیت 60 میں اِس واقعے کے لیے 'فِتۡنَۃً لِّلنَّاسِ' کے الفاظ آئے ہیں۔ اِس کا مطلب یہ

ہے کہ اِس واقعے کو لوگوں کے لیے آزمایش بنا دیا گیا۔ فتنہ یا آزمایش، ظاہر ہے کہ کوئی ایسا واقعہ ہی بن سکتا ہے، جو غیر معمولی ہو۔ خواب میں دیکھا جانے والا بڑے سے بڑا واقعہ بھی غیر معمولی تصور نہیں کیا جاتا۔ چنانچہ یہ ممکن نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا خواب سنایا ہو اور وہ لوگوں کے لیے فتنہ بن گیا ہو؟ یہ فتنہ اُسی صورت میں بن سکتا ہے، جب اِسے ایک جسمانی واقعہ قرار دیا جائے۔

vii. روایتوں میں بیان ہوا ہے کہ اِس واقعے کی روداد سن کر لوگوں نے اِس پر یقین کرنے سے انکار کر دیا۔ کفار نے اِس کی ہنسی اڑائی اور مسلمانوں میں سے بعض مرتد ہو گئے۔ لوگوں کا یہ ردعمل ثابت کرتا ہے کہ یہ جسمانی سفر کا واقعہ تھا، کیونکہ اگر یہ خواب کا واقعہ ہوتا تو اِسے معمول کی بات سمجھ کر نظر انداز کر دیا جاتا۔ نہ منکرین اِسے رد کرتے اور نہ مسلمانوں کے ارتداد کی نوبت آتی۔

اسرا و معراج: جناب جاوید احمد غامدی کا موقف

جناب جاوید احمد غامدی کے موقف کے اہم نکات درج ذیل ہیں:

1۔ اسرا و معراج کے زیر عنوان بیان کی جانے والی تفصیلات ایک واقعہ نہیں، بلکہ چار الگ الگ واقعات ہیں۔ اِن میں سے ایک، 'واقعۂ اسرا' ہے، جو قرآن مجید کی سورۂ بنی اسرائیل (17) میں بیان ہوا ہے۔ یہ عالم رؤیا میں پیش آیا ہے۔ دوسرا، 'واقعۂ قاب قوسین' ہے، جو سورۂ نجم (53) کی آیات 1 تا 12 میں مذکور ہے۔ یہ عالم بیداری میں پیش آیا ہے۔ تیسرا، 'واقعۂ سدرہ' ہے، جو سورۂ نجم (53) ہی کی آیات 13 تا 18 میں درج ہے۔ یہ بھی عالم بیداری میں پیش آیا ہے۔ چوتھا،[72] 'واقعۂ معراج' ہے، جو صحیح بخاری کی روایت، رقم 7517 اور بعض دیگر روایتوں میں نقل ہوا ہے۔ یہ عالم رؤیا میں پیش آیا ہے۔

---

[72] یہ فقط بیان کی ترتیب ہے، اِسے زمانی ترتیب پر محمول نہیں کرنا چاہیے۔

2۔ اِن کے چار الگ الگ واقعات ہونے کی دلیل یہ ہے کہ قرآن و حدیث نے اِنھیں ایک واقعے کی حیثیت سے پیش نہیں کیا، بلکہ اِن کی تفریق کو نمایاں کیا۔

3۔ یہ چاروں واقعات من جانبِ اللہ ہیں۔ اِن کی نوعیت آیاتِ الٰہی کی اور اِن کی حقیقت وحی و الہام کی ہے۔ اِن میں مذکور اخبار و اطلاعات اور واقعات و مشاہدات کا تعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منصبِ نبوت و رسالت سے ہے۔ لٰہذا اِنھیں اِسی کے تناظر میں سمجھنا چاہیے اور اِسی اعتبار سے اِن کی شرح و تفسیر کرنی چاہیے۔

4۔ واقعۂ اسرا جسمانی ہے یا روحانی؟ اِس معاملے میں سورۂ بنی اسرائیل کی آیت 60 کے لفظ 'الرُّءْيَا' کو نص قطعی کی حیثیت حاصل ہے۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اِس معاملے کو مبہم نہیں رکھا، بلکہ واضح طور بتا دیا ہے کہ یہ واقعہ عالم رؤیا میں پیش آیا تھا۔ چنانچہ اب ضروری ہے کہ 'سُبْحٰنَ'، 'اَسْرٰى' اور 'عَبْدِ' کے الفاظ کو 'الرُّءْيَا' کی روشنی میں سمجھا جائے۔

5۔ 'رؤیا' عربی زبان کا نہایت معروف لفظ ہے۔ عربی میں یہ نیند میں دیکھنے کے معنوں میں ایسے ہی استعمال ہوتا ہے، جیسے ہم انگریزی، ہندی اور اردو میں ڈریم (Dream)، سپنا اور خواب کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ اِس کے شعر و ادب میں خواب کا مفہوم ادا کرنے کے لیے اِسی لفظ کو اختیار کیا جاتا ہے۔ عربی لغات میں اِس کے یہی معنی درج ہیں۔ احادیث میں یہ کم و بیش سات سو مقامات پر استعمال ہوا ہے اور ہر جگہ اِسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ قرآنِ مجید میں بھی یہ مختلف سورتوں میں سات مرتبہ آیا ہے۔ ہر موقع پر اِس سے خواب ہی مراد ہے۔ اِس لفظ کے معنی و مفہوم کا اگر یہ معاملہ ہے تو پھر ضروری ہے کہ مذکورہ آیت میں اِسے خواب ہی کے معنوں میں لیا جائے اور اِس کے لازمی نتیجے کے طور پر اسرا کے سفر کو روحانی سفر پر محمول کرنا چاہیے۔

6۔ تاہم، اِس رؤیا سے وہ خواب مراد نہیں ہے، جو انسانوں کا روزمرہ کا تجربہ ہے۔ ہرگز نہیں، یہ وہ رؤیا ہے، جو وحی الٰہی کی ایک قسم ہے اور جس سے صرف انبیاے کرام ہی

مستفیض ہو سکتے ہیں۔ عام انسانوں کا اِس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ انبیاے کرام کو جو کچھ رؤیا میں دکھایا جاتا ہے، وہ صادق، یقینی اور مبنی بر حقیقت ہوتا ہے اور بعض اوقات بیداری میں بہ چشم سر دیکھنے سے بھی زیادہ واضح اور آشکار ہوتا ہے۔

7۔ رؤیا کے معنی و مفہوم کے حوالے سے روایتی استدلال کے جملہ دلائل قرآن و حدیث اور زبان و بیان کے منافی ہیں۔ اِن کی تردید کے نکات درج ذیل ہیں:

i. رؤیا کے معنی کے تعین میں ابو طیب متنبی کا محولہ شعر اِن وجوہ سے لائق استناد نہیں ہے:

اولاً، آیت نے ایسا تقاضا نہیں کیا کہ اُس کے لفظ یا اسلوب کو سمجھنے کے لیے خود قرآن سے باہر جا کر کلام عرب سے استشہاد کرنا پڑے۔

ثانیاً، آیت اور شعر کے مابین تالیفِ کلام یا اسلوب بیان کے اشتراک یا مشابہت کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ آیت میں لفظ 'رءیا' اپنے حقیقی معنوں میں آیا ہے، جب کہ متنبی نے اِسے مجازی معنوں میں استعمال کیا ہے۔ یہ بات زبان و بیان کا مسلمہ ہے کہ استشہاد کی غرض سے لفظ کے حقیقی اور مجازی استعمالات ایک دوسرے کے لیے کارآمد نہیں ہو سکتے۔

ثالثاً، ابو طیب متنبی کا شمار اُن شعرا میں نہیں ہوتا، جن کے کلام سے فہم قرآن میں استشہاد کیا جا سکتا ہے۔ یہ عباسی دور کا شاعر ہے اور عربی شاعری کے چار طبقات میں سے چوتھے طبقے میں شمار ہوتا ہے، جب کہ یہ مسلمہ ہے کہ قرآن و حدیث کی زبان میں استشہاد کے لیے ابتدائی دو طبقات کے شعرا ہی کے نظائر پیش کیے جا سکتے ہیں۔

ii. راعی کے جس شعر سے استشہاد کیا گیا ہے، اُس میں بھی 'رؤیا' کا لفظ مجازی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ مذکورہ آیت میں چونکہ یہ لفظ اپنے حقیقی معنی میں آیا ہے، لہٰذا

اُس کے لیے راعی کا شعر بہ طورِ نظیر پیش نہیں کیا جا سکتا۔

iii. آیۂ زیر بحث میں ’سُبۡحٰنَ‘ کا لفظ قدرت کی صفت کو نمایاں کرنے کے لیے نہیں آیا، جیسا کہ عام طور پر خیال کیا گیا ہے، بلکہ یہ اللہ کے سمیع و بصیر ہونے کے پہلو سے آیا ہے۔ آیت کا آغاز ’سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا‘ (ہر عیب سے پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو ایک راتوں رات مسجدِ حرام سے اُس دور کی مسجد تک لے گئی) اور اختتام ’اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ‘ (بے شک، وہی سمیع و بصیر ہے) کے الفاظ پر ہوتا ہے۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں ’سُبۡحٰنَ‘ جس پہلو سے آیا ہے، اُس کا تعین ’السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ‘ کے الفاظ سے کیا جائے گا اور یہ مفہوم اخذ کیا جائے گا کہ اللہ اِس سے پاک ہے کہ اُس کے سمیع و بصیر ہونے کی صفات کے بارے میں کوئی سوء ظن قائم کیا جائے۔

iv. علما کا استدلال ہے کہ ’الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ‘ میں ’اَسۡرٰی‘ (لے جانے) کا فعل اور ’عَبۡد‘ (بندہ) کا اسم، دونوں، چونکہ روح و بدن کے مجموعے (انسان) کے لیے استعمال ہوتے ہیں، اِس لیے لازم ہے کہ یہاں جسمانی سفر مراد لیا جائے۔ یہ استدلال زبان و بیان کے مسلمات سے انکار کے مترادف ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ہر زبان کا مسلمہ ہے کہ جو اسالیب آپ بیداری کے افعال کے لیے اختیار کرتے ہیں، بعینہٖ وہی خواب کے لیے اختیار کرتے ہیں۔ بس اتنا فرق ہوتا ہے کہ پہلے یا بعد میں اُس کے خواب ہونے کی تصریح کر دی جاتی ہے۔ قرآنِ مجید میں سورۂ فتح اور سورۂ صافات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خواب بیان ہوئے ہیں۔ دونوں میں استعمال ہونے والے اسما و افعال وہی ہیں، جو بیداری کے واقعات کے لیے اختیار کیے جاتے ہیں۔

v. حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے واقعۂ اسرا کی کیفیت کو واضح کرنے کے

لیے 'رؤیا عین' کی تعبیر اختیار کی ہے۔ اِس کے معنی آنکھوں سے دیکھنے کے نہیں ہیں، جیسا کہ عموماً بیان کیا جاتا ہے۔ اِس کے معنی آنکھوں سے دیکھے جانے والے خواب کے ہیں۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیداری میں ظاہری بصارت سے باطنی مناظر کا مشاہدہ فرمایا تھا۔ یہ تاویل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغمبرانہ مشاہدات سے غیر مطابق نہیں ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اِس نوعیت کے مشاہدات مبنی بر حقیقت ہیں اور معلوم و معروف ہیں۔ اِس کی مثال وہ واقعہ ہے، جب ایک موقع پر نماز کسوف کی امامت کے دوران میں جنت ممثل کر کے آپ کے سامنے لائی گئی اور آپ نے اُس میں سے پھلوں کا خوشہ لینے کے لیے اپنے قدم آگے بڑھائے۔ اِس نوعیت کے کسی واقعے کے لیے 'رؤیا عین' یا اِس طرح کی کوئی دوسری تعبیر اختیار کی جا سکتی ہے۔ لیکن، جہاں تک واقعۂ اسرا کا تعلق ہے تو حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی جلالتِ علمی کے اعتراف اور اُن کے مقام و مرتبے کے اقرار کے باوجود اِس پر نہ 'رؤیا عین' (کھلی آنکھوں سے دیکھے گئے رؤیا) کی تعبیر کا اطلاق ہو سکتا ہے اور نہ اِسے بیداری کے واقعے پر محمول کیا جا سکتا ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ خود پروردگار نے اِس واقعے کو 'رؤیا' قرار دیا ہے۔ اِس کے بعد اِسے رؤیت بصری یا 'رؤیا عین' کے معنی میں لینا ممکن نہیں ہے۔ قرآنِ مجید میں اگر یہ صراحت نہ ہوتی تو پھر قرائن اور نظائر کی بنا پر اِس طرح کا کوئی قیاس کرنے کی گنجایش ہو سکتی تھی۔

vi. یہ استدلال بھی درست نہیں ہے کہ 'فِتْنَةً لِّلنَّاسِ' کے الفاظ کسی محیر العقول واقعے کے وقوع کو لازم کرتے ہیں۔ یہ دلیل بھی باقی دلائل کی طرح نہایت کم زور ہے۔ اِس کے بنیادی وجوہ یہ ہیں:

ا۔ یہ اِس مفروضے پر مبنی ہے کہ کفار قریش انسانی سطح پر یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی

نسبت سے کسی محیر العقول واقعے کو ناممکن الوقوع سمجھتے تھے۔ یہ مفروضہ درست نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے اوہام اور عقائد کی وجہ سے اپنے بزرگوں اور دیوی دیوتاؤں سے ہر طرح کے خارقِ عادت واقعات کے قائل تھے۔ اِسی بنا پر اُنھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذ اللہ کاہن اور جادوگر قرار دینے کا بہانہ تراش رکھا تھا۔ لہٰذا کسی واقعے کا خارقِ عادت یا محیر العقول ہونا ایسی چیز نہ تھی، جو اُن کے لیے فتنے کا باعث بن سکتی تھی۔

ب۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اگلی صبح لوگوں کے اجتماع میں جب مسجدِ اقصیٰ کی عمارت کی تفصیلات سے آگاہ فرمایا تو کفارِ قریش کو اگر کوئی تردد تھا بھی تو اُسے اُس وقت ختم ہو جانا چاہیے تھا، مگر ایسا نہیں ہوا، بلکہ وہ بہ دستور واقعے کے انکار پر قائم رہے۔ اِس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ واقعے کے خارقِ عادت ہونے یا نہ ہونے کا 'فِتْنَةً لِّلنَّاسِ' سے تعلق نہیں ہے۔

ج۔ مذکورہ استدلال کفارِ قریش کے عذر کو تسلیم کرنے پر منتج ہوتا ہے، جسے نہ آیت کے الفاظ قبول کرتے ہیں اور نہ تاریخی حقائق اِس کی تصدیق کرتے ہیں۔ اِس کے نتیجے میں گویا ہم یہ مان لیتے ہیں کہ اگر کفار اِس واقعے کا مشاہدہ کر لیتے اور آپ کو آسمان کی بلندیوں کی طرف عروج کرتے ہوئے دیکھ لیتے تو پھر اُن کے لیے یہ واقعہ فتنہ نہ بنتا، دراں حالیکہ واقعہ یہ ہے کہ بے شمار معجزات کے مشاہدے کے باوجود وہ ایمان نہیں لائے تھے۔

د۔ جو تجربہ و مشاہدہ فقط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا، وہ عالم خواب میں تھا یا عالم بیداری میں، لوگوں کے لیے تو اُس کی حیثیت آپ کے بیان ہی کی تھی۔ چنانچہ اِس اعتبار سے اُن کے لیے دونوں کیفیات کی حیثیت یکساں تھی۔

ہ۔ آیت 60 کے آخری جملے میں خود اللہ تعالیٰ نے 'فِتْنَةً لِّلنَّاسِ' کے الفاظ کی

تفسیر کر دی ہے۔ اِس کے بعد کوئی اندازہ قائم کرنے یا کوئی دور از کار تاویل پیش کرنے کی گنجایش ہی ختم ہو گئی ہے۔ ارشاد فرمایا ہے: 'وَنُخَوِّفُهُمْ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا' (ہم تو اِن کے انجام سے اِنھیں ڈرا رہے ہیں، لیکن یہ چیز اِن کی سرکشی ہی میں اضافہ کیے جاتی ہے)، یعنی جو چیز فتنے کا باعث بنی ہے، وہ معاملے کا خارقِ عادت ہونا یا نہ ہونا نہیں ہے، وہ انجام کا ڈراوا ہے۔ 'نُخَوِّفُهُمْ' کے الفاظ اِس پر دلیل قاطع کی حیثیت رکھتے ہیں۔

.vii زبان و بیان کے صریح شواہد کے مقابل میں لوگوں کے رد عمل سے استدلال عقل اور نقل، دونوں پہلوؤں سے غلط ہے۔ لہٰذا اِس معاملے میں تاریخی قصص لائق اعتنا ہی نہیں ہیں۔ تاہم، اِس کے باوجود واضح رہے کہ واقعۂ اسرا سے متعلق ارتداد کی تمام روایات محدثین کے نزدیک ضعیف اور مردود ہیں۔

ضمیمہ جات

ضمیمہ 1

معراج کی روایات کے طرق کا جائزہ

واقعۂ معراج کے بارے میں متعدد مرفوع روایات حدیث کی کتابوں میں منقول ہیں۔ صحاح میں سے اِنھیں بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی اور ابنِ ماجہ نے نقل کیا ہے۔ موطا امام مالک اور سنن ابی داوٗد میں یہ مذکور نہیں ہیں۔ اِن کے بنیادی راوی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں۔ بعض طرق میں وہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست روایت کر رہے ہیں اور بعض میں حضرت ابو ذر غفاری اور حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہما کے توسط سے نقل کر رہے ہیں۔ مذکورہ کتب میں اگر اِن روایتوں کے اسناد کا استقصا کیا جائے تو درجِ ذیل نمایندہ روایتیں متعین ہوتی ہیں:

1۔ بخاری، رقم 7517۔

سلیمان (تبع تابعی)۔ شریک بن عبد اللہ (تابعی)۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ (صحابی)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

2۔ بخاری، رقم 349۔

یونس (تبع تابعی)۔ ابن شہاب زہری (تابعی)۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ (صحابی)۔ ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ (صحابی)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

3۔ بخاری، رقم 3887۔

ہمام بن یحییٰ (تبع تابعی) - قتادہ (تابعی) - انس بن مالک رضی اللہ عنہ (صحابی) - مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ (صحابی) - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

4۔ مسلم، رقم 429۔

حماد بن سلمہ (تبع تابعی) - ثابت البنانی (تابعی) - انس بن مالک رضی اللہ عنہ (صحابی) - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

5۔ مسلم، رقم 433۔

یونس (تبع تابعی) - ابن شہاب زہری (تابعی) - انس بن مالک رضی اللہ عنہ (صحابی) - ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ (صحابی) - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

6۔ مسلم، رقم 434۔

سعید (تبع تابعی) - قتادہ (تابعی) - انس بن مالک رضی اللہ عنہ (صحابی) - مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ (صحابی) - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

7۔ ترمذی، رقم 3346۔

سعید (تبع تابعی) - قتادہ (تابعی) - انس بن مالک رضی اللہ عنہ (صحابی) - مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ (صحابی) - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

8۔ ابن ماجہ، رقم 1399۔

یونس بن یزید (تبع تابعی) - ابن شہاب زہری (تابعی) - انس بن مالک رضی اللہ عنہ (صحابی) - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

9۔ نسائی، رقم 448۔

ہشام دستوائی (تبع تابعی) - قتادہ (تابعی) - انس بن مالک رضی اللہ عنہ (صحابی) - مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ (صحابی) - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اِن نو (9) روایتوں کے راویوں میں چھ تبع تابعین، چار تابعین اور تین صحابی ہیں۔ جن چار

تابعین نے اِنھیں نقل کیا ہے، اُن کے اسماے گرامی یہ ہیں:

1۔ شریک بن عبد اللہ،

2۔ ابن شہاب زہری،

3۔ قتادہ،

4۔ ثابت البنانی۔

یہ چاروں تابعین مختلف صحابہ سے روایت نہیں کر رہے، بلکہ ایک ہی صحابی سے روایت کر رہے ہیں۔ یہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں۔ اِس امرِ واقعہ کے لازمی نتیجے کے طور پر دو حقائق کو ماننا ضروری ہے:

ایک یہ کہ اپنی اصل کے اعتبار سے یہ ایک ہی روایت ہے، جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ اُن سے آگے اِسے چار مختلف راویوں نے نقل کیا ہے۔ یعنی یہ ایک ہی حدیث ہے، جو چار مختلف طرق سے آگے روایت ہوئی ہے۔

دوسرے یہ کہ اِس کے متن میں جو اختلاف سامنے آئے ہیں، وہ ممکنہ طور پر تابعین یا اُن کے بعد کے راویوں کے سہو و نسیان یا حک و اضافے کا نتیجہ ہیں۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ کسی معتبر راوی سے اِس بات کا بہت کم امکان ہوتا ہے کہ وہ ایک واقعے کو اِس طرح بیان کرے کہ وہ اپنی ذات میں متناقض یا مختلف ہو۔ یعنی کسی بھی صاحبِ عقل و دانش سے اِس کی توقع محال ہوتی ہے کہ وہ مثال کے طور پر ایک واقعے کو بہ یک وقت خواب اور بیداری کا واقعہ قرار دے۔

اِس تناظر میں جب ہم درجِ بالا طرق کا تقابل کرتے ہیں تو بنیادی واقعات کے لحاظ سے ایک طریق باقی طرق سے مختلف معلوم ہوتا ہے۔ یہ ثابت البنانی کا طریق ہے، جسے مسلم نے نقل کیا ہے۔ یعنی بخاری میں رقم شریک بن عبد اللہ، ابن شہاب زہری اور قتادہ کی روایتوں میں فی الجملہ مشابہت پائی جاتی ہے، جب کہ مسلم میں رقم ثابت البنانی کی روایت اُن سے مختلف

ہے۔ یہ اختلاف حک واضافہ، دونوں پہلوؤں سے ہے۔ بخاری کی تینوں روایتوں میں شق صدر کا واقعہ مذکور ہے، جب کہ مسلم کی روایت میں اِس کا نہ کوئی ذکر ہے اور نہ کوئی اشارہ ہے۔ مسجدِ اقصیٰ کا سفر بخاری کی تینوں روایتوں کے واقعے کا حصہ نہیں ہے، اِس کے برعکس مسلم کی روایت میں اِسی سے واقعے کا آغاز کیا گیا۔ اِس تجزیے کی بنا پر یہ بات قرین قیاس لگتی ہے کہ اصل واقعہ وہی ہے، جو شریک بن عبد اللہ، ابن شہاب زہری اور قتادہ سے منقول ہے۔ جب کہ ثابت البنانی کا روایت کردہ واقعہ بعض تسامحات کا حامل ہے۔

مزید بر آں، ثابت البنانی کی روایت قرآن میں مذکور واقعۂ اسرا سے بُعد اور مغائرت کو نمایاں کرتی ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن میں صرف واقعۂ اسرا، یعنی مسجدِ حرام سے مسجد اقصیٰ کے سفر کا واقعہ بیان ہوا ہے۔ اُس کے ساتھ معراج کا آسمانی سفر شامل نہیں ہے، جب کہ ثابت البنانی کی روایت میں یہ دونوں سفر جمع کر کے بیان ہوئے ہیں۔ دیگر روایتوں میں قرآن سے ناموافقت کا یہ مسئلہ پیدا نہیں ہوتا، کیونکہ اِن میں واقعۂ اسرا سرے سے مذکور ہی نہیں ہے۔

ایک اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ ثابت البنانی کی روایت کو صحیح مسلم کے علاوہ صحاح کے کسی اور محدث نے نقل نہیں کیا۔ سنن نسائی میں، البتہ اِسی مضمون کی ایک روایت، رقم 450 نقل ہے، جسے یزید بن ابی مالک حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کر رہے ہیں۔ تاہم، اِسے علامہ ناصر الدین البانی نے منکر قرار دیا ہے۔[73]

اِس تفصیل کی بنا پر قرین صواب یہی ہے کہ مسلم میں رقم ثابت البنانی کی روایت کے بعض اجزا کو ثابت البنانی یا اُن سے آگے کسی راوی کے سہو و نسیان یا حک و اضافے کا نتیجہ

---

[73] کتاب صحیح وضعیف سنن النسائی، المکتبۃ الشاملہ۔

'منکر' وہ حدیث ہے، جس کی سند میں موجود راوی ضعیف ہو اور یہ روایت ثقہ راوی کی روایت کے مخالف ہو۔ محدثین کے مطابق منکر حدیث نہایت درجہ ضعیف ہوتی ہے۔

خیال کرتے ہوئے اِس روایت کے بارے میں توقف کیا جائے اور واقعۂ معراج کی تفصیلات کو اِس کے علاوہ دیگر طرق سے اخذ کیا جائے۔

ضمیمہ 2

معراج کی روایات کا تقابلی جائزہ

ضمیمہ 1 میں صحاح کی محولہ روایات میں سے بیش تر وہ روایات ہیں، جن میں واقعے کو بالتفصیل نقل کیا گیا ہے۔ اِن کے علاوہ مختصر روایات بھی ہیں، جن میں یہی واقعہ جزواً بیان ہوا ہے۔ مذکورہ روایات میں بھی مقابلتاً بعض کے متن مختصر اور بعض کے جامع ہیں۔ اِس سے واضح ہے کہ راویوں نے اپنے فہم، اپنی یادداشت اور صواب دید کے مطابق جو سمجھا، جو محفوظ رکھا اور جسے ترجیح دی، اُسے اپنے الفاظ میں آگے نقل کر دیا ہے۔[74] تاہم، ثابت البنانی کی روایت کے سوا باقی روایتوں میں فی الجملہ اتفاق و اشتراک پایا جاتا ہے۔ لیکن، اِس کے باوجود بیانِ واقعات میں تعدد، تنوع اور تکثیر و تقلیل کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

ذیل میں اِن کے مندرجات کا تقابلی تجزیہ درج ہے۔

رسول اللہ کی موجودگی

* پانچ روایتوں میں صراحت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت الحرام میں موجود

---

[74] واضح رہے کہ روایت بالمعنیٰ کے اِس طریقے میں سلسلۂ سند کا ہر راوی یہی طریقہ اختیار کرتا ہے۔ اِس کے نتیجے میں بخاری و مسلم اور دیگر محدثین تک پہنچتے پہنچتے ایک روایت کے مختلف طرق میں اختلاف اور فرق واقع ہو جاتا ہے۔

تھے۔

* دو روایتوں میں ذکر ہے کہ آپ اپنے گھر میں آرام فرما رہے تھے۔

* دو روایتوں میں کچھ مذکور نہیں ہے۔

ماحصل: بیت الحرام میں یا گھر میں موجودگی، دونوں میں سے کوئی صورت بھی ممکن ہے۔ روایتوں میں اِس ضمن میں اختلاف ہے۔ تاہم، اِس کا نفس واقعہ پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا۔ ہمارے نزدیک، چونکہ زیادہ روایتوں میں بیت الحرام کی صراحت ہے، اِس لیے اِسی بیان کو قرین حقیقت ماننا چاہیے۔

عالم رؤیا یا عالم بیداری

* اِن میں سے کسی روایت میں بھی بیداری اور جسمانی معراج کی صراحت نہیں ہے۔

* ایک روایت میں، البتہ نیند اور روحانی معراج کی تصریح ہے۔

* تین روایتوں میں نیند اور بیداری کی درمیانی کیفیت کا ذکر ہے۔

ماحصل: روایتوں میں اِس معاملے میں کوئی اختلاف یا تعارض نہیں ہے۔ یعنی ایسا نہیں ہے کہ بعض میں بیداری کا اور بعض میں نیند کا ذکر ہو۔ اِس تناظر میں اگر بعض روایتوں میں نیند کی صراحت ہے تو اُسے لازماً قبول کرنا چاہیے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ علم واستدلال کا مسلمہ ہے کہ کوئی واقعہ اگر ایک سے زیادہ راویوں سے منتقل ہوا ہو تو اُس کی تفصیلات کو تمام روایات کو جمع کر کے متعین کرنا چاہیے۔

شق صدر

* روایتوں میں اِس امر پر اتفاق ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام دیگر فرشتوں کے ہم

راہ تشریف لائے۔

* اِس پر بھی اتفاق ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کا سینہ شق کیا، اندرون کو آب زم زم سے دھویا اور پھر اُسے ایمان اور حکمت سے لبریز کر کے بند کر دیا۔

ماحصل: مذکورہ روایتوں میں اِس معاملے میں کوئی تعارض نہیں ہے، لہٰذا اِسے قبول کرنے میں کوئی امر مانع نہیں ہے۔ مزید بر آں، چونکہ یہ عالم رؤیا میں ہوا ہے، اِس لیے اِس پر کوئی اشکال بھی پیدا نہیں ہوتا۔

براق پر سواری

* چار روایتوں میں براق پر سواری کا ذکر ہے، باقی میں یہ ذکر نہیں ہے۔

ماحصل: کسی برق رفتار سواری کا وجود بعید از قیاس نہیں ہے۔ روایتوں میں بھی اِس معاملے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اِس لیے اِسے قبول کرنا بالکل بجا ہے۔ مزید یہ کہ رؤیا کا واقعہ ہونے کی وجہ سے عین ممکن ہے کہ اِس کی نوعیت تمثیل کی ہو۔

بیت المقدس کا مشاہدہ

* ایک روایت میں اِس کا ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معراج پر جانے سے پہلے مسجدِ اقصیٰ تشریف لے گئے۔

* باقی روایتوں میں بیان ہوا ہے کہ آپ مسجدِ حرام ہی سے آسمانوں کی طرف روانہ ہوئے۔

ماحصل: ضمیمہ 1 میں مذکور تفصیل اور تجزیے سے واضح ہے کہ یہ صرف ثابت البنانی کی روایت ہے، جس میں بیت المقدس کے سفر کا اضافہ ہے۔ باقی روایتیں اِس ذکر سے خالی ہیں۔ یہ معلوم ہے کہ مسجدِ اقصیٰ کا سفر، یعنی واقعۂ اسرا ایک الگ واقعے کے طور پر قرآنِ مجید

میں مذکور ہے اور اُس میں آسمانوں کا سفر شامل نہیں ہے۔ مزید بر آں اُن روایتوں میں بھی آسمانی سفر کا ذکر نہیں ہے، جن کے مطابق اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیت المقدس کو ممثل کر کے پیش کیا تھا۔[75] اِس بنا پر قرین صحت یہی معلوم ہوتا ہے کہ مسجدِ اقصیٰ کے سفر کا ذکر راوی سے سہواً شامل ہوا ہے، جو ایک الگ واقعہ ہے اور آسمانوں کے سفر معراج سے متعلق نہیں ہے۔

جبریل امین کے ہم راہ آسمان کی طرف معراج

* تمام روایتوں میں مذکور ہے کہ آپ کو آسمانوں پر لے جانے کا فریضہ حضرت جبریل علیہ السلام نے انجام دیا۔

* بار گاہِ الٰہی میں حاضری کے علاوہ تمام سفر کے دوران میں وہ آپ کے ہم راہ رہے۔

ماحصل: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جبریل امین کے ہم راہ آسمان کی بلندیوں کی طرف روانہ ہونے پر احادیث میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ عقل و نقل بھی اِس کی مخالفت نہیں کرتے، اِس لیے اِس بات کو درست ماننا چاہیے۔

سات آسمانوں میں باری باری داخلہ

* یہ بات تمام روایتوں میں نقل ہوئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باری باری تمام سات آسمانوں میں سے گزرے۔

---

[75] ہماری مراد اُس واقعے سے ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو واقعۂ اسرا سے آگاہ کیا تو اُنھوں نے آپ کی بات کو مذاق کا نشانہ بنایا، پھر آپ نے اُن کے اجتماع میں سفر کی تمام تفصیلات بیان فرمائیں۔ اِس موقع پر اللہ تعالیٰ نے آپ کی آسانی کے لیے مسجدِ اقصیٰ کو ممثل کر کے آپ کے سامنے رکھ دیا اور آپ اُس کی عمارت کی تفصیل اُنھیں بیان فرماتے رہے۔

* ہر آسمان پر آپ کو مختلف مشاہدات کرائے گئے۔

ماحصل: سات آسمانوں کی سیر کا واقعہ بھی عقل و نقل سے مطابقت رکھتا ہے۔ روایتوں میں بھی اِس پر کوئی اختلاف نقل نہیں ہوا ہے۔ اِس لیے اِس کی صحت کو بھی تسلیم کرنا چاہیے۔

آسمانوں پر مختلف انبیاے کرام سے ملاقات

* ہر آسمان پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی نہ کسی نبی سے ملایا گیا۔

* پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات پر تو تمام روایتوں کا اتفاق ہے۔

* اِسی طرح جن انبیا سے ملاقاتیں ہوئیں، اُن کے اسما بھی کم و بیش تمام روایتوں میں ایک جیسے ہیں۔

* کس آسمان پر کس نبی سے ملاقات ہوئی، اِس کے بیان میں کچھ اختلافات ہیں۔ مگر اِن سے ملاقاتوں کے وقوع پر کوئی اشکال پیدا نہیں ہوتا۔

ماحصل: مختلف آسمانوں پر انبیا سے جو ملاقاتیں ہوئیں، اُن کی حقیقت ہم نہیں جان سکتے، البتہ یہ تسلیم کرنا چاہیے کہ اِن کی نوعیت روحانی ملاقاتوں ہی کی ہو گی۔ اِس کے دو بنیادی وجوہ ہیں: اول یہ کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم رؤیا کی وجہ سے روحانی کیفیت میں تھے تو ملنے والے انبیا بھی یقیناً روحانی کیفیت میں ہوں گے۔ دوم یہ کہ وفات کی وجہ سے اُن انبیا کو چونکہ قیامت تک جسموں کے بغیر رہنا ہے، اِس لیے اِن ملاقاتوں کے جسمانی ہونے کا امکان نہیں ہے۔

سدرۃ المنتہیٰ کا مشاہدہ

* پانچ روایتوں میں سدرۃ المنتہیٰ کے مشاہدے کا ذکر ہے، باقی میں نہیں ہے۔

ماحصل: سورۂ نجم میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سدرۃ المنتہیٰ پر حضرت

جبریل علیہ السلام کا کھلی آنکھوں سے مشاہدہ فرمایا تھا۔ اِس موقع پر آپ خود زمین پر موجود تھے۔ اِس سے واضح ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ کے ایک قطعی حقیقت ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ تاہم، اُس واقعے کا روایتوں میں مذکور واقعۂ معراج سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اِس لیے معراج کے موقع پر سدرۃ المنتہیٰ کے مشاہدے کو ایک الگ مشاہدے پر محمول کرنا چاہیے۔ دونوں میں یہ فرق بھی ہے کہ قرآن میں مذکور مشاہدہ کھلی آنکھوں سے ہوا تھا اور روایتوں میں بیان کردہ مشاہدہ عالم رؤیا میں ہوا تھا۔

تقرب الٰہی اور رؤیت باری تعالیٰ

* ایک روایت میں بیان ہوا ہے کہ باری تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا نہایت درجہ قرب عطا فرمایا۔ اِس کے لیے 'قاب قوسین' کی تعبیر اختیار کی گئی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ آپ کے اِس قدر قریب ہوئے کہ گویا باہمی فاصلہ اتنا ہی رہ گیا، جتنا ایک کمان کے دو کناروں کے درمیان میں ہوتا ہے۔ اِس طرح کا تقرب، ظاہر ہے کہ رؤیت کو مستلزم ہوتا ہے۔

* باقی روایتوں میں اِس نوعیت کی کوئی صراحت نہیں ہے۔

ماحصل: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عالم رؤیا میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا واقعہ بعض دیگر روایتوں میں بھی نقل ہوا ہے، اِس لیے اِس کا وقوع بالکل قرین قیاس ہے۔ بلاشبہ، قرآنِ مجید کی بعض آیات اور بعض دیگر روایتوں میں اللہ تعالیٰ کو کھلی آنکھوں سے دیکھنے کے امکان کو رد کیا گیا ہے، مگر چونکہ معراج کی رؤیت عالم رؤیا سے متعلق ہے، لہٰذا اِن روایتوں کا قرآن سے کوئی تخالف یا دیگر روایتوں سے کوئی تناقض پیدا نہیں ہوتا۔

پچاس نمازوں کی فرضیت اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مشاورت

* یہ بات بھی تمام روایتوں میں نقل ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو پچاس نمازیں عطا

فرمائیں۔ آپ یہ حکم لے کر واپس ہوئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مشورہ دیا کہ آپ اللہ کی بارگاہ میں واپس جا کر اِن کی تعداد میں تخفیف کی درخواست پیش کریں۔

* اِس طرح اِس بات پر بھی روایتوں کا اتفاق ہے کہ آپ تخفیف کے لیے بار بار اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور بالآخر پانچ نمازوں کی فرضیت کا حکم لے کر دنیا میں واپس آئے۔

ماحصل: نماز کی عبادت ہمیشہ سے اللہ کے دین کا جزوِ لازم رہی ہے۔ قرآنِ مجید سے واضح ہے کہ اللہ نے تمام انبیا اور اُن کی امتوں کو اِس فریضے کی تاکید فرمائی۔ سنن ابو داؤد کی ایک روایت، رقم 393 میں بیان ہوا ہے کہ جبریل امین نے ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ نماز ہمیشہ سے پانچ وقت ہی ادا کی جاتی رہی ہے۔ اِس لیے قرین صواب یہی معلوم ہوتا ہے کہ نماز بعثت کے ساتھ ہی مشروع ہو گئی ہو گی اور معراج میں اِسی مشروعیت کے پس پردہ حقائق کو ممثل کر کے دکھایا گیا ہو گا۔

ضمیمہ 3

یونس کی حضرت انس بن مالک سے روایت

بخاری، رقم 349

حدثنا يحيى بن بكير، قال: حدثنا الليث، عن يونس، عن ابن شهاب، عن انس بن مالك، قال: كان أبو ذر يحدث، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: ”فرج عن سقف بيتي وأنا بمكة، فنزل جبريل صلى الله عليه وسلم ففرج صدري، ثم غسله بماء زمزم، ثم جاء بطست من ذهب ممتلئ حكمةً وإيمانًا، فأفرغه في صدري، ثم أطبقه، ثم أخذ بيدي فعرج بي إلى السماء الدنيا.

”ہم سے یحییٰ بن بکیر نے بیان کیا، اُنھوں نے کہا: ہم سے لیث بن سعد نے یونس کے واسطہ سے بیان کیا، اُنھوں نے ابنِ شہاب سے، اُنھوں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بیان کیا، اُنھوں نے بیان کیا کہ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ یہ حدیث بیان کرتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے گھر کی چھت کھول دی گئی، اُس وقت میں مکہ میں تھا۔ پھر جبریل علیہ السلام اترے اور اُنھوں نے میرا سینہ چاک کیا۔ پھر اُسے زمزم کے پانی سے دھویا۔ پھر ایک

سونے کا طشت لائے، جو حکمت اور ایمان سے بھرا ہوا تھا۔ اُس کو میرے سینے میں رکھ دیا، پھر سینے کو جوڑ دیا، پھر میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے آسمان کی طرف لے کر چلے۔

فلما جئت إلى السماء الدنيا، قال جبريل لخازن السماء: افتح، قال: من هذا؟ قال: هذا جبريل، قال: هل معك أحد؟ قال: نعم، معي محمد صلى الله عليه وسلم، فقال: أرسل إليه؟ قال: نعم، فلما فتح علونا السماء الدنيا، فإذا رجل قاعد على يمينه أسودة وعلى يساره أسودة، إذا نظر قبل يمينه ضحك وإذا نظر قبل يساره بكى، فقال: مرحبًا بالنبي الصالح والابن الصالح، قلت لجبريل: من هذا؟ قال: هذا آدم، وهذه الاسودة عن يمينه وشماله نسم بنيه، فأهل اليمين منهم أهل الجنة والاسودة التي عن شماله اهل النار؟ فإذا نظر عن يمينه ضحك، وإذا نظر قبل شماله بكى. حتى عرج بي إلى السماء

جب میں پہلے آسمان پر پہنچا تو جبریل علیہ السلام نے آسمان کے داروغہ سے کہا: کھولو۔ اُس نے پوچھا: آپ کون ہیں؟ جواب دیا کہ جبریل، پھر اُنھوں نے پوچھا: کیا آپ کے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟ جواب دیا: ہاں، میرے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اُنھوں نے پوچھا کہ کیا اِن کے بلانے کے لیے آپ کو بھیجا گیا تھا؟ کہا: جی ہاں۔ پھر جب اُنھوں نے دروازہ کھولا تو ہم پہلے آسمان پر چڑھ گئے، وہاں ہم نے ایک شخص کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔ اُن کے داہنی طرف کچھ لوگوں کے جھنڈ تھے اور کچھ جھنڈ بائیں طرف تھے۔ جب وہ اپنی داہنی طرف دیکھتے تو مسکرا دیتے اور جب بائیں طرف نظر کرتے تو رو پڑتے۔ اُنھوں نے مجھے دیکھ کر کہا: آؤ، خوش آمدید

الثانية، فقال لخازنها: افتح، فقال له خازنها مثل ما قال الاول، ففتح.

صالح نبی اور صالح بیٹے! میں نے جبریل سے پوچھا: یہ کون ہیں؟ اُنھوں نے کہا کہ یہ آدم علیہ السلام ہیں اور اُن کے دائیں بائیں جو جھنڈ ہیں، یہ اُن کے بیٹوں کی روحیں ہیں۔ جو جھنڈ دائیں طرف ہیں، وہ جنتی ہیں اور بائیں طرف کے جھنڈ دوزخی روحیں ہیں۔ اِس لیے جب وہ اپنے دائیں طرف دیکھتے ہیں تو خوشی سے مسکراتے ہیں اور جب بائیں طرف دیکھتے ہیں تو (رنج سے) روتے ہیں۔ پھر جبریل مجھے لے کر دوسرے آسمان تک پہنچے اور اُس کے داروغہ سے کہا کہ کھولو۔ اُس آسمان کے داروغہ نے بھی پہلے کی طرح پوچھا، پھر کھول دیا۔

قال أنس: فذكر أنه وجد في السمٰوات آدم وإدريس وموسى وعيسى وإبراهيم صلوات الله عليهم، ولم يثبت كيف منازلهم، غير أنه ذكر أنه وجد آدم في السماء الدنيا، وإبراهيم في السماء السادسة.

انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ابوذر رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان پر آدم، ادریس، موسیٰ، عیسیٰ اور ابراہیم علیہم السلام کو موجود پایا۔ اور ابوذر رضی اللہ عنہ نے ہر ایک کا ٹھکانا نہیں بیان کیا۔ البتہ، اتنا بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آدم علیہ السلام کو پہلے

آسمان پر پایا اور ابراہیم علیہ السلام کو چھٹے آسمان پر۔

قال انس: فلما مر جبريل بالنبى صلى الله عليه وسلم بإدريس، قال: مرحبًا بالنبى الصالح والاخ الصالح، فقلت: من هذا؟ قال: هذا إدريس، ثم مررت بموسى، فقال: مرحبًا بالنبى الصالح والاخ الصالح، قلت: من هذا؟ قال: هذا موسى، ثم مررت بعيسى، فقال: مرحبًا بالاخ الصالح والنبى الصالح، قلت: من هذا؟ قال: هذا عيسى. ثم مررت بإبراهيم، فقال: مرحبًا بالنبى الصالح والابن الصالح، قلت: من هذا؟ قال هذا إبراهيم عليه وسلم."

انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب جبریل علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ادریس علیہ السلام کے پاس سے گزرے۔ تو اُنھوں نے فرمایا کہ آیئے، خوش آمدید صالح نبی اور صالح بھائی! میں نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ جواب دیا کہ یہ ادریس علیہ السلام ہیں۔ پھر موسیٰ علیہ السلام تک پہنچا تو اُنھوں نے کہا: آیئے، خوش آمدید صالح نبی اور صالح بھائی! میں نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ پھر میں عیسیٰ علیہ السلام تک پہنچا، اُنھوں نے کہا: آیئے، خوش آمدید صالح نبی اور صالح بھائی! میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ پھر میں ابراہیم علیہ السلام تک پہنچا۔ اُنھوں نے کہا: آیئے، خوش آمدید صالح نبی اور صالح بیٹے! میں نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ جبریل علیہ السلام

قال ابن شهاب: فأخبرني ابن حزم، أن ابن عباس، وأبا حبة الانصاري كانا يقولان: قال النبي صلى الله عليه وسلم: "ثم عرج بي حتى ظهرت لمستوىً اسمع فيه صريف الاقلام"، قال ابن حزم، وانس بن مالك: قال النبي صلى الله عليه وسلم: "ففرض الله على امتي خمسين صلاةً".

نے بتایا کہ یہ ابراہیم علیہ السلام ہیں۔

ابنِ شہاب نے کہا کہ مجھے ابو بکر بن حزم نے خبر دی کہ حضرت عبد اللہ بن عباس اور ابوحبہ الانصاری رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر مجھے جبریل علیہ السلام لے کر چڑھے، اب میں اُس بلند مقام تک پہنچ گیا، جہاں میں نے قلم کی آواز سنی (جو لکھنے والے فرشتوں کے قلموں کی آواز تھی) ابنِ حزم نے (اپنے شیخ سے) اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پس اللہ تعالیٰ نے میری امت پر پچاس وقت کی نمازیں فرض کیں۔

فرجعت بذلك حتى مررت على موسى، فقال: ما فرض الله لك على أمتك؟ قلت: فرض خمسين صلاةً، قال: فارجع إلى ربك، فإن امتك لا تطيق ذلك، فراجعت فوضع شطرها. فرجعت إلى موسى، قلت: وضع شطرها، فقال: راجع ربك، فإن

میں یہ حکم لے کر واپس لوٹا۔ جب موسیٰ علیہ السلام تک پہنچا تو اُنھوں نے پوچھا کہ آپ کی امت پر اللہ نے کیا فرض کیا ہے؟ میں نے کہا کہ پچاس وقت کی نمازیں فرض کی ہیں۔ اُنھوں نے مشورہ دیا: آپ واپس اپنے رب کی بارگاہ میں جائیے، کیونکہ آپ کی امت

امتك لا تطيق، فراجعت: فوضع شطرها، فرجعت إليه، فقال: ارجع إلى ربك فإن امتك لا تطيق ذلك، فراجعته، فقال: هى خمس وهى خمسون لا يبدل القول لدى.

اِتنی نمازوں کو ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتی۔ میں واپس بارگاہِ رب العزت میں گیا تو اللہ نے اُن میں سے ایک حصہ کم کر دیا۔ پھر میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور کہا کہ ایک حصہ کم کر دیا گیا ہے۔ اُنھوں نے کہا کہ دوبارہ جایئے، کیونکہ آپ کی امت میں اِس کے برداشت کی بھی طاقت نہیں ہے۔ پھر میں بارگاہِ رب العزت میں حاضر ہوا۔ پھر ایک حصہ کم ہوا۔ جب موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچا تو اُنھوں نے کہا کہ اپنے رب کی بارگاہ میں پھر جایئے، کیونکہ آپ کی امت اِس کو بھی برداشت نہ کر سکے گی۔ چنانچہ میں بار بار آیا گیا، بالآخر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ نمازیں (عمل میں) پانچ ہیں اور (ثواب میں) پچاس (کے برابر) ہیں۔ میری بات بدلی نہیں جاتی۔

فرجعت إلى موسى فقال: راجع ربك، فقلت: استحييت من ربى، ثم انطلق بى حتى انتهى بى إلى سدرة المنتهى، وغشيها ألوان لا أدرى ما

اب میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو اُنھوں نے پھر کہا کہ اپنے رب کے پاس جایئے، لیکن میں نے کہا: مجھے اب اپنے رب سے شرم آتی

ھی، ثم أدخلت الجنة فإذا فیھا حبایل اللؤلؤ وإذا ترابھا المسك.

ہے۔ پھر جبریل مجھے سدرۃ المنتہیٰ تک لے گئے، جسے کئی طرح کے رنگوں نے ڈھانک رکھا تھا۔ جن کے متعلق مجھے معلوم نہیں ہوا کہ وہ کیا ہیں۔ اِس کے بعد مجھے جنت میں لے جایا گیا، میں نے دیکھا کہ اُس میں موتیوں کے ہار ہیں اور اُس کی مٹی مشک کی ہے۔“

ضمیمہ 4

ہمام بن یحییٰ کی حضرت انس بن مالک سے روایت

بخاری، رقم 3887

حدثنا هدبة بن خالد، حدثنا همام بن يحيى، حدثنا قتادة، عن أنس بن مالك، عن مالك بن صعصعة رضي الله عنهما، أن نبي الله صلى الله عليه وسلم حدثهم، عن ليلة أسري به قال: ”بينما أنا في الحطيم“، وربما قال: في الحجر، ”مضطجعًا إذ اتاني آت فقد“، قال: وسمعته يقول: ”فشق ما بين هذه إلى هذه“، فقلت للجارود وهو إلى جنبي: ما يعني به، قال: من ثغرة نحره إلى شعرته، وسمعته يقول: من قصه إلى شعرته ”فاستخرج قلبي، ثم أتيت بطست من ذهب

”ہم سے ہدبہ بن خالد نے بیان کیا، اُنھوں نے کہا کہ ہم سے ہمام بن یحییٰ نے بیان کیا، اُن سے قتادہ نے بیان کیا، اُن سے انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا اور اُن سے مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے شبِ معراج کا واقعہ بیان کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں حطیم میں لیٹا ہوا تھا — بعض دفعہ قتادہ نے حطیم کے بجائے حجر بیان کیا — کہ میرے پاس ایک صاحب (جبریل علیہ السلام) آئے اور میرا سینہ چاک کیا۔ قتادہ نے بیان کیا کہ

مملوءة إيمانًا فغسل قلبي، ثم حشي.

میں نے انس رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے تھے کہ یہاں سے یہاں تک۔ میں نے جارود سے سنا، جو میرے قریب ہی بیٹھے تھے۔ پوچھا کہ انس رضی اللہ عنہ کی اِس لفظ سے کیا مراد تھی؟ تو اُنھوں نے کہا کہ حلق سے ناف تک چاک کیا (قتادہ نے بیان کیا کہ) میں نے انس رضی اللہ عنہ سے سنا، اُنھوں نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سینے کے اوپر سے ناف تک چاک کیا، پھر میرا دل نکالا اور ایک سونے کا طشت لایا گیا، جو ایمان سے بھرا ہوا تھا، اُس سے میرا دل دھویا گیا اور پہلے کی طرح رکھ دیا گیا۔

ثم أتيت بدابة دون البغل وفوق الحمار أبيض"، فقال له الجارود: هو البراق يا أبا حمزة، قال انس: نعم يضع خطوه عند أقصى طرفه.

اِس کے بعد ایک جانور لایا گیا، جو گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا تھا اور سفید تھا۔ جارود نے انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ابو حمزہ، کیا وہ براق تھا؟ اُنھوں نے کہا کہ ہاں۔ اُس کا ہر قدم اُس کے منتہاے نظر پر پڑتا تھا۔

فحملت عليه فانطلق بي جبريل حتى أتى السماء الدنيا فاستفتح،

(نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ) مجھے اُس پر سوار کیا گیا اور جبریل

فقيل: من هذا؟ قال: جبريل، قيل: ومن معك؟ قال: محمد، قيل: وقد أرسل إليه، قال: نعم، قيل: مرحبًا به فنعم المجيء جاء. ففتح فلما خلصت فإذا فيها آدم، فقال: هذا أبوك آدم فسلم عليه، فسلمت عليه فرد السلام، ثم قال: مرحبًا بالابن الصالح، والنبي الصالح.

مجھے لے کر چلے، آسمان دنیا پر پہنچے تو دروازہ کھلوایا۔ پوچھا گیا: کون ہے؟ اُنھوں نے بتایا کہ جبریل۔ پوچھا گیا: آپ کے ساتھ کون ہے؟ جبریل نے کہا: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ پوچھا گیا: کیا اُنھیں بلانے کے لیے آپ کو بھیجا گیا تھا؟ جواب دیا: جی ہاں۔ اِس پر آواز آئی: خوش آمدید! کیا ہی مبارک آنے والے ہیں وہ۔ پھر دروازہ کھول دیا۔ جب میں اندر گیا تو میں نے وہاں آدم علیہ السلام کو دیکھا، جبریل نے کہا کہ یہ آپ کے والد آدم علیہ السلام ہیں، اِنھیں سلام کیجیے۔ میں نے اُنھیں سلام کیا اور اُنھوں نے جواب دیا۔ اُنھوں نے کہا: خوش آمدید نیک بیٹے اور نیک نبی!

ثم صعد بي حتى أتى السماء الثانية فاستفتح، قيل: من هذا؟ قال: جبريل، قيل ومن معك؟ قال محمد، قيل: وقد أرسل إليه، قال: نعم، قيل: مرحبًا به فنعم المجيء جاء، ففتح، فلما خلصت إذا يحيى وعيسى وهما ابنا الخالة، قال: هذا يحيى، وعيسى فسلم عليهما،

پھر جبریل علیہ السلام اوپر چڑھے اور دوسرے آسمان پر پہنچے۔ وہاں بھی دروازہ کھلوایا گیا تو آواز آئی: کون صاحب ہیں؟ بتایا: جبریل۔ پوچھا گیا: آپ کے ساتھ اور کوئی صاحب بھی ہیں؟ کہا: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ پوچھا گیا: کیا آپ کو اِنھیں بلانے کے لیے بھیجا گیا تھا؟ جبریل نے کہا: جی ہاں۔

فسلمت فرد، ثم قالا: مرحبًا بالاخ الصالح والنبی الصالح.

پھر آواز آئی اِنھیں خوش آمدید۔ کیا ہی اچھے آنے والے ہیں وہ۔ پھر دروازہ کھلا اور میں اندر گیا تو وہاں یحیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام موجود تھے۔ یہ دونوں خالہ زاد بھائی ہیں۔ جبریل بولے: یہ عیسیٰ اور یحیٰ علیہما السلام ہیں، اِنھیں سلام کیجیے۔ میں نے سلام کیا اور اِن حضرات نے میرے سلام کا جواب دیا اور کہا: خوش آمدید نیک نبی اور نیک بھائی!

ثم صعد بی إلی السماء الثالثة فاستفتح، قیل: من هذا؟ قال: جبریل، قیل ومن معك؟ قال: محمد، قیل: وقد أرسل إلیه، قال: نعم، قیل: مرحبًا به فنعم المجیء جاء، ففتح، فلما خلصت إذا یوسف، قال: هذا یوسف فسلم علیه، فسلمت علیه فرد، ثم قال: مرحبًا بالاخ الصالح والنبی الصالح.

یہاں سے جبریل مجھے تیسرے آسمان کی طرف لے کر چڑھے اور دروازہ کھلوایا۔ پوچھا گیا: کون صاحب آئے ہیں؟ جواب دیا کہ جبریل۔ پوچھا گیا اور آپ کے ساتھ کون صاحب آئے ہیں؟ جواب دیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ پوچھا گیا: کیا اِنھیں لانے کے لیے آپ کو بھیجا گیا تھا؟ جواب دیا کہ ہاں۔ اِس پر آواز آئی: اِنھیں خوش آمدید، کیا ہی اچھے آنے والے ہیں وہ۔ پھر دروازہ کھلا اور جب میں اندر داخل ہوا تو وہاں یوسف علیہ السلام موجود تھے۔ جبریل علیہ السلام نے کہا: یہ یوسف علیہ السلام ہیں اِنھیں سلام کیجیے۔ میں نے سلام کیا

تو اُنھوں نے اُس کا جواب دیا اور فرمایا: خوش آمدید نیک نبی اور نیک بھائی!

ثم صعد بی حتی أتی السماء الرابعة فاستفتح، قیل: من هذا؟ قال: جبریل، قیل: ومن معك؟ قال: محمد، قیل: أوقد أرسل إلیه، قال: نعم، قیل: مرحبًا به فنعم المجیء جاء، ففتح، فلما خلصت إلی إدریس، قال: هذا إدریس فسلم علیه، فسلمت علیه فرد، ثم قال: مرحبًا بالأخ الصالح والنبی الصالح.

پھر جبریل علیہ السلام مجھے لے کر اوپر چڑھے اور چوتھے آسمان پر پہنچے۔ دروازہ کھلوایا تو پوچھا گیا: کون صاحب ہیں؟ بتایا کہ جبریل۔ پوچھا گیا: اور آپ کے ساتھ کون ہے؟ کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ پوچھا گیا: کیا اِنھیں بلانے کے لیے آپ کو بھیجا گیا تھا؟ جواب دیا کہ ہاں۔ کہا کہ اِنھیں خوش آمدید، کیا ہی اچھے آنے والے ہیں وہ! جب دروازہ کھلا تو میں ادریس علیہ السلام کے پاس پہنچا تو جبریل علیہ السلام نے فرمایا: یہ ادریس علیہ السلام ہیں، اِنھیں سلام کیجیے۔ میں نے اُنھیں سلام کیا اور اُنھوں نے جواب دیا اور فرمایا: خوش آمدید، پاک بھائی اور نیک نبی۔

ثم صعد بی حتی أتی السماء الخامسة فاستفتح، قیل: من هذا؟ قال: جبریل، قیل: ومن معك؟ قال: محمد، قیل: وقد أرسل إلیه، قال: نعم، قیل: مرحبًا

پھر جبریل مجھے لے کر پانچویں آسمان پر آئے اور دروازہ کھلوایا۔ پوچھا گیا کہ کون صاحب ہیں؟ جواب دیا کہ جبریل۔ پوچھا گیا: آپ کے ساتھ کون صاحب آئے ہیں؟ جواب دیا کہ محمد (صلی اللہ

به فنعم المجیء جاء، فلما خلصت فإذا هارون، قال: هذا هارون فسلم عليه، فسلمت عليه فرد، ثم قال: مرحبًا بالأخ الصالح والنبي الصالح.

علیہ وسلم)۔ پوچھا گیا کہ اِنھیں بلانے کے لیے آپ کو بھیجا گیا تھا؟ جواب دیا کہ ہاں۔ اب آواز آئی: خوش آمدید، کیا ہی اچھے آنے والے ہیں وہ۔ یہاں میں ہارون علیہ السلام کے پاس پہنچا تو جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ ہارون علیہ السلام ہیں، اِنھیں سلام کیجیے۔ میں نے اُنھیں سلام کیا۔ اُنھوں نے جواب کے بعد کہا: خوش آمدید نیک نبی اور نیک بھائی!

ثم صعد بي حتى أتى السماء السادسة فاستفتح، قيل: من هذا؟ قال: جبريل، قيل: من معك؟ قال: محمد، قيل: وقد ارسل إليه، قال: نعم، قال: مرحبًا به فنعم المجيء جاء، فلما خلصت فإذا موسى، قال: هذا موسى فسلم عليه، فسلمت عليه فرد، ثم قال: مرحبًا بالأخ الصالح والنبي الصالح، فلما تجاوزت بكى، قيل: له ما يبكيك، قال: ابكى لان غلامًا بعث بعدي يدخل الجنة من أمته أكثر ممن يدخلها من أمتي.

پھر جبریل مجھے لے کر آگے بڑھے اور چھٹے آسمان پر پہنچے اور دروازہ کھلوایا۔ پوچھا گیا: کون صاحب ہیں؟ بتایا کہ جبریل۔ پوچھا گیا: آپ کے ساتھ کوئی دوسرے صاحب بھی آئے ہیں؟ جواب دیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ پوچھا گیا: کیا اِنھیں بلانے کے لیے آپ کو بھیجا گیا تھا؟ جواب دیا کہ ہاں۔ کہا گیا: اِنھیں خوش آمدید، کیا ہی اچھے آنے والے ہیں وہ۔ پھر جب میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچا تو جبریل نے کہا کہ یہ موسیٰ علیہ السلام ہیں، اِنھیں سلام کیجیے۔ میں نے سلام کیا اور اُنھوں نے جواب دے کر

کہا: خوش آمدید نیک نبی اور نیک بھائی! جب میں آگے بڑھا تو وہ رونے لگے۔ کسی نے پوچھا کہ آپ رو کیوں رہے ہیں؟ تو اُنھوں نے کہا: میں اِس بات پر رو رہا ہوں کہ یہ لڑکا میرے بعد نبی بنا کر بھیجا گیا ہے، لیکن جنت میں اِس کی امت کے لوگ میری امت سے زیادہ ہوں گے۔

ثم صعد بي إلى السماء السابعة فاستفتح جبريل، قيل: من هذا؟ قال: جبريل، قيل: ومن معك؟ قال: محمد، قيل: وقد بعث إليه؟ قال: نعم، قال: مرحبًا به فنعم المجيء جاء، فلما خلصت فإذا إبراهيم، قال: هذا أبوك فسلم عليه، قال: فسلمت عليه فرد السلام، قال: مرحبًا بالابن الصالح والنبي الصالح.

پھر جبریل علیہ السلام مجھے لے کر ساتویں آسمان کی طرف گئے اور دروازہ کھلوایا۔ پوچھا گیا: کون صاحب آئے ہیں؟ جواب دیا کہ جبریل۔ پوچھا گیا: آپ کے ساتھ کون صاحب آئے ہیں؟ جواب دیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ پوچھا گیا: کیا اِنھیں بلانے کے لیے آپ کو بھیجا گیا تھا؟ جواب دیا کہ ہاں۔ کہا: اِنھیں خوش آمدید۔ کیا ہی اچھے آنے والے ہیں وہ۔ پھر جب میں اندر گیا تو ابراہیم علیہ السلام موجود تھے۔ جبریل نے کہا کہ یہ آپ کے والد ہیں، اِنھیں سلام کیجیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اُنھیں سلام کیا تو اُنھوں نے جواب دیا اور فرمایا خوش آمدید نیک نبی اور نیک

ثم رفعت إلى سدرة المنتهى، فإذا نبقها مثل قلال هجر وإذا ورقها مثل آذان الفيلة، قال: هذه سدرة المنتهى وإذا أربعة أنهار: نهران باطنان، ونهران ظاهران، فقلت: ما هذان يا جبريل، قال: أما الباطنان فنهران في الجنة، وأما الظاهران فالنيل، والفرات، ثم رفع لي البيت المعمور، ثم أتيت بإناء من خمر، وإناء من لبن، وإناء من عسل، فأخذت اللبن، فقال: هي الفطرة التي أنت عليها وأمتك.

بیٹے!

پھر سدرۃ المنتہیٰ کو میرے سامنے کر دیا گیا۔ میں نے دیکھا کہ اُس کے پھل مقام حجر کے مٹکوں کی طرح (بڑے بڑے) تھے اور اُس کے پتے ہاتھیوں کے کان کی طرح تھے۔ جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ سدرۃ المنتہیٰ ہے۔ وہاں میں نے چار نہریں دیکھیں، دو باطنی اور دو ظاہری۔ میں نے پوچھا: جبریل، یہ کیا ہیں؟ اُنھوں نے بتایا کہ جو دو باطنی نہریں ہیں، وہ جنت سے تعلق رکھتی ہیں اور جو دو ظاہری نہریں ہیں، وہ نیل اور فرات ہیں۔ پھر میرے سامنے بیت المعمور کو لایا گیا۔ وہاں میرے سامنے ایک گلاس میں شراب، ایک میں دودھ اور ایک میں شہد پیش کیا گیا۔ میں نے دودھ کا گلاس لے لیا۔ اِس پر جبریل علیہ السلام بولے: یہی فطرت ہے اور آپ اِس پر قائم ہیں اور آپ کی امت بھی۔

ثم فرضت علي الصلوات خمسين صلاةً كل يوم، فرجعت فمررت على

پھر مجھ پر روزانہ پچاس نمازیں فرض کی گئیں۔ میں واپس ہوا اور

موسى، فقال: بما أمرت، قال: أمرت بخمسين صلاةً كل يومٍ، قال: إن أمتك لا تستطيع خمسين صلاةً كل يومٍ، وإني والله قد جربت الناس قبلك وعالجت بني إسرائيل أشد المعالجة، فارجع إلى ربك فاسأله التخفيف لأمتك، فرجعت فوضع عني عشرًا.

موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچا تو اُنھوں نے پوچھا: آپ کو کیا حکم ہوا ہے؟ میں نے کہا کہ روزانہ پچاس وقت کی نمازوں کا حکم ملا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: آپ کی امت میں اِتنی طاقت نہیں ہے۔ اِس سے پہلے میرا واسطہ لوگوں سے پڑ چکا ہے اور بنی اسرائیل کا مجھے تلخ تجربہ ہے۔ اِس لیے آپ اپنے رب کے حضور میں دوبارہ تشریف لے جائیں اور اپنی امت کے لیے تخفیف کی درخواست پیش کریں۔ چنانچہ میں اللہ تعالیٰ کے دربار میں دوبارہ حاضر ہوا اور تخفیف کے لیے عرض کی تو دس وقت کی نمازیں کم کر دی گئیں۔

فرجعت إلى موسى فقال مثله، فرجعت فوضع عني عشرًا، فرجعت إلى موسى فقال مثله، فرجعت فوضع عني عشرًا فرجعت إلى موسى، فقال مثله، فرجعت فأمرت بعشر صلوات كل يوم، فرجعت فقال مثله، فرجعت فأمرت بخمس صلوات كل يوم.

وہاں سے واپسی پر جب میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچا تو اُنھوں نے وہی سوال کیا (اور وہی مشورہ دیا)۔ چنانچہ میں ایک بار پھر اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوا (اور تخفیف کی درخواست پیش کی)۔ اِس مرتبہ بھی دس وقت کی نمازیں کم کر دی گئیں۔ میں پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچا تو اُنھوں نے پھر اپنا مشورہ دہرایا۔ میں واپس بارگاہ

رب تعالیٰ میں حاضر ہوا، جس کے نتیجے میں دس وقت کی نمازیں کم ہو گئیں۔ اب موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچا تو اُنھوں نے اپنی بات پھر دہرائی۔ میں پھر واپس چلا گیا تو دس نمازوں کی مزید کمی ہو گئی۔ یہی عمل ایک بار اور دہرایا گیا اور میں بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہوا۔ اِس کے نتیجے میں پانچ وقت کی نمازوں کا حکم باقی رہ گیا۔

فرجعت إلى موسى، فقال: بم أمرت، قلت: أمرت بخمس صلوات كل يوم، قال: إن أمتك لا تستطيع خمس صلوات كل يوم وإني قد جربت الناس قبلك وعالجت بني إسرائيل أشد المعالجة، فارجع إلى ربك فاسأله التخفيف لامتك، قال: سألت ربي حتى استحييت ولكني أرضى وأسلم، قال: فلما جاوزت نادى مناد أمضيت فريضتي وخففت عن عبادي.

اِس کے بعد جب میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو اُنھوں پوچھا کہ اب کیا حکم ہوا ہے؟ میں نے بتایا کہ روزانہ پانچ وقت کی نمازوں کا حکم ہوا ہے۔ اُنھوں نے پھر وہی مشورہ دیا اور کہا کہ آپ کی امت اِس کی بھی طاقت نہیں رکھتی، میرا واسطہ آپ سے پہلے لوگوں سے پڑ چکا ہے اور بنی اسرائیل کا مجھے تلخ تجربہ ہے۔ اپنے رب کے دربار میں ایک مرتبہ پھر جائیے اور مزید تخفیف کی درخواست کیجیے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اب اپنے رب سے بار بار سوال کر چکا ہوں، اب مجھے مزید تقاضا کرتے ہوئے حیا محسوس ہوتی ہے۔ لہٰذا اب میں اِسی پر

راضی ہوں۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب میں وہاں سے جانے لگا تو ندا آئی کہ ہم نے اپنا فریضہ جاری کر دیا ہے اور اپنے بندوں کے لیے تخفیف کر دی ہے۔"

ضمیمہ 5

ابن شہاب زہری کی حضرت انس بن مالک سے روایت

مسلم، رقم 433

وحدثنی حرملة بن یحیی التجیبی، أخبرنا ابن وهب، قال: أخبرنی یونس، عن ابن شهاب، عن انس بن مالك، قال: كان ابو ذر یحدث أن رسول الله صلی الله علیه وسلم، قال: ”فرج سقف بیتی وأنا بمكة، فنزل جبریل علیه السلام، ففرج صدری، ثم غسله من ماء زمزم، ثم جاء بطست من ذهب ممتلئ حكمةً وإیمانًا، فأفرغها فی صدری، ثم أطبقه، ثم اخذ بیدی فعرج بی إلی السماء، فلما جئنا السماء الدنیا، قال جبریل علیه السلام لخازن السماء الدنیا: افتح،

”سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سیدنا ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ حدیث بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں مکے میں تھا کہ میرے گھر کی چھت توڑی گئی اور جبریل علیہ السلام نازل ہوئے۔ اُنھوں نے میرا سینہ چیرا، پھر اُس کو زمزم کے پانی سے دھویا، پھر سونے کا ایک طشت لائے، جو حکمت اور ایمان سے بھرا ہوا تھا، پھر اُسے میرے سینے میں انڈیل دیا اور پھر میرے سینے کو ملا دیا۔ اِس کے بعد میرا ہاتھ پکڑا اور قریبی آسمان پر پہنچے۔ پھر اُنھوں نے نگہ بان

قال: من هذا؟ قال: هذا جبريل، قال: هل معك أحد؟ قال: نعم، معي محمد صلى الله عليه وسلم، قال: فأرسل إليه؟ قال: نعم، ففتح، قال: فلما علونا السماء الدنيا، فإذا رجل عن يمينه أسودة، وعن يساره أسودة، قال: فإذا نظر قبل يمينه ضحك، وإذا نظر قبل شماله بكى، قال: فقال: مرحبًا بالنبي الصالح والابن الصالح، قال: قلت: يا جبريل، من هذا؟ قال: هذا آدم عليه السلام وهذه الاسودة عن يمينه، وعن شماله نسم بنيه، فأهل اليمين أهل الجنة والاسودة التي عن شماله أهل النار، فإذا نظر قبل يمينه ضحك، وإذا نظر قبل شماله بكى.

سے دروازہ کھولنے کے لیے کہا۔ اُس نے پوچھا: کون ہے؟ جواب دیا: جبریل۔ پوچھا گیا: آپ کے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟ جبریل نے کہا: جی ہاں، محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پوچھا گیا: کیا وہ بلائے گئے ہیں؟ کہا: جی ہاں۔ تب اُس نے دروازہ کھول دیا۔ جب ہم آسمان کے اوپر گئے تو ایک شخصیت کو دیکھا، جن کے دائیں اور بائیں، دونوں طرف لوگوں کے جھرمٹ تھے۔ وہ جب داہنی طرف دیکھتے تو ہنستے اور جب بائیں طرف دیکھتے تو رو پڑتے۔ اُنھوں نے مجھے دیکھ کر کہا: مرحبا، اے نیک بخت نبی اور نیک بخت بیٹے! میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا: یہ کون ہیں؟ اُنھوں نے کہا: یہ آدم علیہ السلام ہیں اور یہ جو لوگوں کے جھنڈ اُن کے دائیں اور بائیں موجود ہیں، یہ اُن کی اولاد ہے۔ دائیں جانب وہ لوگ ہیں، جو جنت میں جائیں گے اور بائیں جانب وہ لوگ ہیں، جن کا ٹھکانا جہنم ہے۔ اِس لیے جب وہ داہنی طرف دیکھتے ہیں تو (خوشی سے) ہنس دیتے ہیں اور

جب بائیں طرف دیکھتے ہیں تو (رنج سے) رو پڑتے ہیں۔

قال: ثم عرج بي جبريل، حتى أتى السماء الثانية، فقال لخازنها: افتح، قال: فقال له خازنها: مثل ما قال خازن السماء الدنيا، ففتح".

نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اِس کے بعد جبریل مجھ کو لے کر اوپر چڑھے، یہاں تک کہ دوسرے آسمان پر پہنچے اور اُس کے نگہ بان سے دروازہ کھولنے کے لیے کہا۔ اُس نے بھی ویسے ہی کہا، جیسا کہ پہلے آسمان کے نگہ بان نے کہا تھا۔ پھر دروازہ کھولا گیا۔

فقال أنس بن مالك: فذكر أنه وجد في السماوات، آدم، وإدريس، وعيسى، وموسى، وإبراهيم صلوات الله عليهم أجمعين، ولم يثبت كيف منازلهم، غير أنه ذكر، أنه قد وجد آدم عليه السلام في السماء الدنيا وإبراهيم في السماء السادسة.

انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمانوں پر حضرت آدم، حضرت ادریس، حضرت عیسیٰ، حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہم السلام سے ملاقات کی۔ تاہم، اُنھوں نے یہ تفصیل بیان نہیں کی کہ اِن میں سے کون کس آسمان پر ملا۔ البتہ، یہ نقل کیا ہے کہ آدم علیہ السلام سے پہلے آسمان پر ملاقات ہوئی اور ابراہیم علیہ السلام سے چھٹے آسمان پر۔

قال: فلما مر جبريل ورسول الله صلى الله عليه وسلم بإدريس

پھر جب جبریل علیہ السلام اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ادریس علیہ السلام

صلوات الله عليه، قال: مرحبًا بالنبي الصالح والاخ الصالح، قال: ”ثم مر، فقلت: من هذا؟ فقال: هذا إدريس“.

کے پاس پہنچے تو اُنھوں نے کہا: مرحبا اے نیک نبی اور نیک بھائی! آپ نے جبریل سے پوچھا: یہ کون ہیں؟ جبریل نے جواب دیا: یہ ادریس علیہ السلام ہیں۔

قال: ”ثم مررت بموسى عليه السلام، فقال: مرحبا بالنبي الصالح والاخ الصالح، قال: قلت: من هذا؟ قال: هذا موسى“.

نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: پھر میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچا۔ اُنھوں نے کہا: مرحبا، اے صالح نبی اور صالح بھائی! میں نے جبریل سے پوچھا: یہ کون صاحب ہیں؟ اُنھوں نے بتایا: یہ موسیٰ علیہ السلام ہیں۔

قال: ”ثم مررت بعيسى، فقال مرحبًا بالنبي الصالح والاخ الصالح، قلت: من هذا؟ قال: هذا عيسى ابن مريم“.

نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: پھر میں عیسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا تو اُنھوں نے کہا: مرحبا اے نیک نبی اور نیک بھائی! میں نے جبریل سے پوچھا: یہ کون ہیں؟ اُنھوں نے کہا: یہ عیسیٰ علیہ السلام ہیں مریم علیہا السلام کے بیٹے۔

قال: ”ثم مررت بإبراهيم عليه السلام، فقال: مرحبًا بالنبي الصالح والابن الصالح، قال: قلت: من هذا؟ قال: هذا إبراهيم“.

نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اِس کے بعد میں ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچا۔ اُنھوں نے کہا: مرحبا اے صالح نبی اور صالح بیٹے! میں نے جبریل سے پوچھا: یہ کون ہیں؟ اُنھوں نے کہا: یہ

ابراہیم علیہ السلام ہیں۔

قال ابن شهاب: وأخبرني ابن حزم، ان ابن عباس وأبا حبة الانصاري، كانا يقولان: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ”ثم عرج بي، حتى ظهرت لمستوًى اسمع فيه صريف الاقلام“.

ابنِ شہاب بیان کرتے ہیں: مجھ سے ابنِ حزم نے بیان کیا کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابوحبہ انصاری رضی اللہ عنہ (عامر یا مالک یا ثابت)، دونوں کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر میں چڑھایا گیا ایک ہموار بلند مقام پر، جہاں میں نے قلموں کی آواز سنی۔

قال ابن حزم وانس بن مالك: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ”ففرض الله على أمتي خمسين صلاةً، قال: فرجعت بذلك حتى أمر بموسى، فقال موسى عليه السلام: ماذا فرض ربك على أمتك؟ قال: قلت: فرض عليهم خمسين صلاةً، قال لي موسى عليه السلام: فراجع ربك، فإن أمتك لا تطيق ذلك، قال: فراجعت ربي فوضع شطرها، قال: فرجعت إلى موسى عليه السلام فاخبرته، قال: راجع ربك، فإن أمتك لا تطيق ذلك، قال: فراجعت ربي، فقال: هي خمس، وهي خمسون لا

ابنِ حزم اور سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر اللہ تعالیٰ نے میری امت پر پچاس نمازیں فرض کیں۔ واپسی پر جب میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچا تو اُنھوں نے پوچھا کہ اللہ نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا ہے؟ میں نے بتایا کہ اُن پر پچاس نمازیں فرض کی گئی ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: آپ اپنے رب کے پاس لوٹ جائیے (اور اُس سے کمی کی درخواست کیجیے)، کیونکہ آپ کی امت میں اِس قدر طاقت نہیں ہے۔ چنانچہ میں اپنے پروردگار کے پاس واپس گیا

يبدل القول لدي، قال: فرجعت إلى موسى، فقال: راجع ربك، فقلت: قد استحييت من ربي".

اور اُس نے ایک حصہ معاف فرما دیا۔ واپسی پر جب میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچا اور ان سے ماجرا بیان کیا تو اُنھوں نے کہا: آپ اپنے رب کے پاس لوٹ جایئے (اور اُس سے کمی کی درخواست کیجیے)، کیونکہ آپ کی امت میں اِس قدر طاقت نہیں ہے۔ چنانچہ میں اپنے پروردگار کے پاس واپس گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پانچ نمازیں فرض ہیں اور وہ پچاس کے برابر ہیں۔ میری جناب سے صادر کی گئی بات بدلا نہیں کرتی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ یہ حکم لے کر میں لوٹ آیا۔ جب موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچا تو اُنھوں نے وہی بات دہرائی اور پروردگار کے پاس واپس جانے کے لیے کہا: اِس پر میں نے کہا: اب مجھے شرم آتی ہے کہ میں اپنے پروردگار کے پاس پھر اِس کام کے لیے جاؤں۔

قال: "ثم انطلق بي جبريل، حتى نأتي سدرة المنتهى، فغشيها ألوان لا أدري ما هي، قال: ثم أدخلت الجنة، فإذا فيها جنابذ اللؤلؤ وإذا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: پھر جبریل علیہ السلام مجھے لے کر چلے اور سدرۃ المنتہیٰ کے پاس پہنچے۔ اُس پر ایسے رنگ تھے، جنھیں میں نہیں

ترابھا المسك".

سمجھتا تھا۔ پھر وہ مجھے جنت میں لے
گئے، وہاں موتیوں کے گنبد تھے اور
اُس کی مٹی مشک کی تھی۔"

ضمیمہ 6

قتادہ کی حضرت انس بن مالک سے روایت

مسلم، رقم 434

حدثنا محمد بن المثنى، حدثنا ابن أبي عدي، عن سعيد، عن قتادة، عن أنس بن مالك، لعله قال: عن مالك بن صعصعة، رجل من قومه، قال: قال نبي الله صلى الله عليه وسلم: "بينا أنا عند البيت بين النائم واليقظان، إذ سمعت قائلاً، يقول: أحد الثلاثة بين الرجلين، فاتيت فانطلق بي، فأتيت بطست من ذهب فيها من ماء زمزم، فشرح صدري إلى كذا وكذا"، قال قتادة: فقلت للذي معي: ما يعني؟ قال: إلى أسفل بطنه، فاستخرج قلبي، فغسل

"سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، اُنھوں نے غالباً اپنی قوم کے ایک فرد مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ سے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں خانۂ کعبہ کے پاس تھا اور میری کیفیت نیند اور بیداری کے درمیان کی سی تھی۔ یک بہ یک میں نے ایک شخص کو کچھ کہتے ہوئے سنا، جو (آنے والے) دو مردوں کے درمیان میں تیسرا تھا۔ پھر وہ میرے پاس آئے اور مجھے لے جایا گیا۔ پھر میرے پاس سونے کا ایک طشت لایا گیا، جس میں زم زم کا پانی تھا۔ پھر میرا سینہ یہاں

بماء زمزم، ثم أعيد مكانه، ثم حشي إيمانًا وحكمةً.

اور یہاں تک چیرا گیا۔ــــ قتادہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے ساتھی سے پوچھا: اِس سے کہاں تک چیرنا مراد ہے؟ اُس نے بتایا کہ پیٹ کے نیچے تک۔ــــ پھر آپ نے فرمایا: اُس نے میرا دل نکال کر اُسے زم زم سے دھویا۔ پھر دل کو اُس کی جگہ پر رکھ دیا گیا اور اُسے ایمان و حکمت سے بھر دیا گیا۔

ثم أتيت بدابة أبيض، يقال له البراق فوق الحمار ودون البغل، يقع خطوه عند أقصى طرفه، فحملت عليه، ثم انطلقنا حتى اتينا السماء الدنيا، فاستفتح جبريل عليه السلام، فقيل: من هذا؟ قال: جبريل، قيل: ومن معك؟ قال: محمد صلى الله عليه وسلم، قيل: وقد بعث إليه؟ قال: نعم، قال: ففتح لنا، وقال: مرحبًا به ولنعم المجيء جاء، قال: فاتينا على آدم عليه السلام.

پھر ایک سفید رنگ کا جانور لائے، جسے براق کہتے تھے۔ وہ گدھے سے اونچا اور خچر سے نیچا تھا۔ وہ اپنا قدم وہاں رکھتا تھا، جہاں تک اُس کی نگاہ پہنچتی تھی۔ مجھے اُس پر سوار کیا گیا اور پھر ہم روانہ ہوگئے، یہاں تک کہ پہلے آسمان پر پہنچ گئے۔ جبریل علیہ السلام نے دروازہ کھلوایا۔ فرشتوں نے پوچھا: کون ہے؟ کہا: جبریل۔ کہا: تمھارے ساتھ کون ہے؟ کہا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ پوچھا گیا کہ کیا اُنھیں بلوایا گیا ہے؟ جبریل نے جواب دیا: جی ہاں۔ پھر دروازہ کھلا اور فرشتوں نے کہا: مرحبا، آپ کی تشریف آوری مبارک

ہو۔ پھر ہم آدم علیہ السلام کے پاس آئے۔

أنه لقي في السماء الثانية عيسى ويحيى عليهما السلام، وفي الثالثة يوسف، وفي الرابعة إدريس، وفي الخامسة هارون، صلوات الله عليهم.

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے آسمان پر عیسیٰ علیہ السلام اور یحییٰ علیہ السلام سے ملے۔ تیسرے آسمان پر یوسف علیہ السلام سے، چوتھے آسمان پر ادریس علیہ السلام سے اور پانچویں آسمان پر ہارون علیہ السلام سے آپ کی ملاقات ہوئی۔

قال: ثم انطلقنا حتى انتهينا إلى السماء السادسة، فأتيت على موسى عليه السلام، فسلمت عليه، فقال: مرحبًا بالأخ الصالح والنبي الصالح، فلما جاوزته بكى، فنودي ما يبكيك، قال: رب، هذا غلام بعثته بعدي يدخل من أمته الجنة أكثر مما يدخل من أمتي.

پھر ہم آگے روانہ ہوئے، یہاں تک کہ چھٹے آسمان پر پہنچے۔ وہاں موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ میں نے اُنھیں سلام کیا۔ اُنھوں نے کہا: مرحبا، نیک بھائی نیک نبی۔ پھر جب میں آگے بڑھا تو وہ رونے لگے، ندا آئی کہ موسیٰ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ اُنھوں نے کہا: پروردگار، اِس لڑکے کو تو نے میرے بعد پیغمبر بنایا ہے، مگر جنت میں اِس کی امت کے زیادہ لوگ جائیں گے اور میری امت کے لوگ کم ہوں گے۔

قال: "ثم انطلقنا حتى انتهينا إلى السماء السابعة، فأتيت على

نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ہم آگے روانہ ہوئے، یہاں تک کہ

إبراهيم"، وقال في الحديث: وحدث نبي الله صلى الله عليه وسلم أنه رأى أربعة أنهار يخرج من أصلها نهران ظاهران، ونهران باطنان، فقلت: يا جبريل، ما هذه الانهار؟ قال: أما النهران الباطنان فنهران في الجنة، وأما الظاهران فالنيل والفرات.

ساتویں آسمان پر پہنچے۔ وہاں میں نے ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا۔ پھر میں نے چار نہریں دیکھیں، جو سدرہ کی جڑ سے نکلتی تھیں۔ دو نہریں کھلی تھیں اور دو نہریں ڈھانپی ہوئی تھیں۔ میں نے کہا: اے جبریل، یہ نہریں کیسی ہیں؟ اُنھوں نے کہا: ڈھانپی ہوئی دو نہریں تو جنت کی ہیں اور کھلی ہوئی نہریں نیل و فرات ہیں۔

ثم رفع لي البيت المعمور، فقلت: يا جبريل، ما هذا؟ قال: هذا البيت المعمور، يدخله كل يوم سبعون الف ملك، إذا خرجوا منه لم يعودوا فيه آخر ما عليهم.

پھر میرے سامنے بیت المعمور کو پیش کیا گیا۔ میں نے پوچھا کہ جبریل، یہ کیا ہے؟ اُنھوں نے بتایا کہ یہ بیت المعمور ہے۔ اِس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے جاتے ہیں، جو پھر کبھی واپس نہیں آتے۔ پس یہی اُن کا آخر ہے۔

ثم أتيت بإناءين أحدهما خمر والآخر لبن، فعرضا علي فاخترت اللبن، فقيل: أصبت أصاب الله بك أمتك على الفطرة.

پھر میرے پاس دو برتن لائے گئے۔ ایک میں شراب تھی اور ایک میں دودھ۔ دونوں میرے سامنے کیے گئے تو میں نے دودھ کو پسند کیا۔ ندا آئی: آپ نے ٹھیک انتخاب کیا ہے۔ اللہ آپ کو ٹھیک راستے پر لایا ہے اور آپ کی امت بھی اِسی راستے پر چلے گی۔

ثم فرضت علی کل یوم خمسون صلاةً،
ثم ذکر قصتها إلى آخر الحديث.

پھر میرے اوپر ہر روز پچاس نمازیں فرض ہوئیں۔ پھر بیان کیا گیا سارا قصہ آخر تک۔"

ضمیمہ 7

قتادہ کی حضرت انس بن مالک سے روایت

نسائی، رقم 448

اخبرنا يعقوب بن إبراهيم، قال: حدثنا يحيى بن سعيد، قال: حدثنا هشام الدستوائي، قال: حدثنا قتادة، عن انس بن مالك عن مالك بن صعصعة أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ”بينا أنا عند البيت بين النائم واليقظان، إذ أقبل أحد الثلاثة بين الرجلين، فاتيت بطست من ذهب ملآن حكمةً وإيمانًا فشق من النحر إلى مراق البطن فغسل القلب بماء زمزم ثم ملئ حكمةً وإيمانًا.

”انس بن مالک رضی اللہ عنہ، مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں کعبہ کے پاس نیم خواب اور نیم بیداری میں (لیٹا ہوا) تھا۔ اِسی اثنا میں میرے پاس تین افراد آئے۔ اِن تینوں میں سے ایک جو دو کے درمیان میں تھا، میری طرف آیا۔ پھر میرے پاس حکمت و ایمان سے بھرا ہوا سونے کا ایک طشت لایا گیا۔ اُس نے میرا سینہ حلقوم سے پیٹ کے نچلے حصہ تک چاک کیا، پھر دل کو آبِ زم زم سے

دھویا اور اُسے حکمت و ایمان سے بھر دیا۔

ثم أتيت بدابة دون البغل وفوق الحمار، ثم انطلقت مع جبريل عليه السلام فاتينا السماء الدنيا، فقيل: من هذا؟ قال: جبريل، قيل: ومن معك؟ قال: محمد، قيل: وقد أرسل إليه، مرحبًا به ونعم المجيء جاء، فأتيت على آدم عليه السلام فسلمت عليه، قال: مرحبًا بك من ابن ونبي.

اِس کے بعد میرے پاس خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا ایک جانور لایا گیا اور میں جبریل علیہ السلام کے ساتھ روانہ ہوا۔ پھر آسمانِ دنیا پر پہنچے۔ پوچھا گیا کہ کون ہے؟ جواب دیا: جبریل ہوں۔ پوچھا گیا کہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ جبریل نے کہا: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ پوچھا گیا: کیا وہ بلائے گئے ہیں؟ (جبریل نے اثبات میں جواب دیا تو کہا گیا): مرحبا، اُن کی تشریف آوری مبارک ہو۔ پھر میں آدم علیہ السلام کے پاس پہنچا اور اُنھیں سلام کیا، اُنھوں نے کہا: خوش آمدید اے بیٹے اور نبی!

ثم اتينا السماء الثانية، قيل: من هذا؟ قال: جبريل، قيل: ومن معك؟ قال: محمد، فمثل ذلك، فاتيت على يحيى، وعيسى فسلمت عليهما، فقالا: مرحبا بك من أخ ونبي.

پھر ہم دوسرے آسمان پر پہنچے، پوچھا گیا کہ کون ہے؟ جواب دیا: جبریل ہوں، پوچھا گیا کہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ جبریل نے کہا: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ یہاں بھی اُسی طرح ہوا (جیسا کہ پہلے آسمان پر ہوا تھا)۔ یہاں میں عیسیٰ علیہ السلام اور یحییٰ علیہ السلام کے پاس پہنچا اور

دونوں کو سلام کیا، دونوں نے کہا: خوش آمدید تمھیں اے بھائی اور نبی!

ثم اتينا السماء الثالثة، قيل: من هذا؟ قال: جبريل، قيل: ومن معك؟ قال: محمد، فمثل ذلك، فأتيت على يوسف عليه السلام فسلمت عليه، قال: مرحبًا بك من أخ ونبي.

پھر ہم تیسرے آسمان پر آئے۔ پوچھا گیا کہ کون ہے؟ جواب دیا: جبریل ہوں، پوچھا گیا کہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ جبریل نے کہا: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ یہاں بھی اُسی طرح ہوا (جیسا کہ پہلے آسمان پر ہوا تھا)۔ یہاں میں یوسف علیہ السلام سے ملا اور اُنھیں سلام کیا۔ اُنھوں نے کہا: خوش آمدید تمھیں اے بھائی اور نبی!

ثم أتينا السماء الرابعة، فمثل ذلك، فأتيت على إدريس عليه السلام فسلمت عليه، فقال: مرحبًا بك من أخ ونبي.

پھر ہم چوتھے آسمان پر آئے، وہاں بھی اِسی طرح ہوا (جیسا پچھلے آسمانوں پر ہوا تھا)۔ یہاں میں ادریس علیہ السلام سے ملا اور اُنھیں سلام کیا۔ انھوں نے کہا: خوش آمدید تمھیں اے بھائی اور نبی!

ثم أتينا السماء الخامسة، فمثل ذلك، فأتيت على هارون عليه السلام فسلمت عليه، قال: مرحبًا بك من أخ ونبي.

پھر ہم پانچویں آسمان پر آئے۔ یہاں بھی ویسا ہی ہوا، (جیسا پچھلے آسمانوں پر ہوا تھا)۔ یہاں میں ہارون علیہ السلام کے پاس آیا اور اُنھیں سلام کیا۔ اُنھوں نے کہا: خوش آمدید

تمھیں اے بھائی، اور نبی!

ثم أتينا السماء السادسة، فمثل ذلك، ثم أتيت على موسى عليه السلام فسلمت عليه، فقال: مرحبًا بك من أخ ونبي، فلما جاوزته بكى، قيل: ما يبكيك؟ قال: يا رب، هذا الغلام الذي بعثته بعدي يدخل من أمته الجنة أكثر وأفضل مما يدخل من أمتي.

پھر ہم چھٹے آسمان پر آئے۔ یہاں بھی ویسا ہی ہوا، (جیسا پچھلے آسمانوں پر ہوا تھا)۔ یہاں میں موسیٰ علیہ السلام سے ملا اور اُنھیں سلام کیا۔ انھوں نے کہا: خوش آمدید تمھیں اے بھائی اور نبی! پھر جب میں اُن سے آگے بڑھا تو وہ رونے لگے۔ اُن سے پوچھا گیا کہ آپ کو کون سی چیز رلا رہی ہے؟ اُنھوں نے کہا: پروردگار، یہ لڑکا جسے تو نے میرے بعد بھیجا ہے، اُس کی امت سے جنت میں داخل ہونے والے لوگ میری امت کے داخل ہونے والے لوگوں سے زیادہ ہوں گے اور افضل ہوں گے۔

ثم أتينا السماء السابعة، فمثل ذلك، فأتيت على إبراهيم عليه السلام، فسلمت عليه، فقال: مرحبًا بك من ابن ونبي.

اِس کے بعد ہم ساتویں آسمان پر آئے، یہاں بھی ویسا ہی ہوا۔ یہاں میں ابراہیم علیہ السلام کے پاس آیا اور اُنھیں سلام کیا۔ اُنھوں نے کہا: خوش آمدید اے بیٹے اور نبی!

ثم رفع لي البيت المعمور، فسألت جبريل، فقال: هذا البيت المعمور يصلي فيه كل يوم سبعون ألف ملك

اِس کے بعد بیت المعمور کو میرے قریب کر دیا گیا۔ میں نے (اِس کے متعلق) جبریل سے پوچھا تو اُنھوں نے

فإذا خرجوا منه لم يعودوا فيه آخر ما عليهم، ثم رفعت لي سدرة المنتهى فإذا نبقها مثل قلال هجر وإذا ورقها مثل آذان الفيلة وإذا في أصلها أربعة أنهار نهران باطنان ونهران ظاهران، فسألت جبريل، فقال: أما الباطنان ففي الجنة وأما الظاهران فالفرات والنيل.

کہا: یہ بیت المعمور ہے۔ اِس میں روزانہ ستر ہزار فرشتے نماز ادا کرتے ہیں۔ جب وہ اِس سے نکلتے ہیں تو پھر دوبارہ اِس میں داخل نہیں ہوتے۔ یہی اُن کا آخری داخلہ ہوتا ہے۔ پھر سدرۃ المنتہیٰ کو میرے سامنے کر دیا گیا۔ اِس کے بیر ہجر کے مٹکوں جیسے اور اِس کے پتے ہاتھی کے کانوں جیسے تھے۔ اِس کی جڑ سے چار نہریں نکل رہی تھیں۔ دو نہریں ڈھانپی ہوئی تھیں اور دو کھلی ہوئی تھیں۔ میں نے جبریل سے اِن کے بارے میں پوچھا تو اُنھوں نے کہا: ڈھانپی ہوئی نہریں تو جنت میں ہیں اور کھلی نہریں فرات اور نیل ہیں۔

ثم فرضت علي خمسون صلاةً فأتيت على موسى، فقال: ما صنعت؟ قلت: فرضت علي خمسون صلاةً، قال: إني أعلم بالناس منك، إني عالجت بني إسرائيل أشد المعالجة وإن أمتك لن يطيقوا ذلك فارجع إلى ربك فأساله أن يخفف عنك، فرجعت إلى ربي فسألته أن يخفف

پھر میرے اوپر پچاس وقت کی نمازیں فرض کی گئیں۔ واپسی کے سفر میں میں جب موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچا تو اُنھوں نے پوچھا: آپ نے کیا کیا؟ میں نے کہا: میرے اوپر پچاس نمازیں فرض کی گئی ہیں۔ اُنھوں نے کہا: میں لوگوں کو آپ سے زیادہ جانتا ہوں، میں بنی اسرائیل کو خوب جھیل

عني فجعلها أربعين، ثم رجعت إلى موسى عليه السلام، فقال: ما صنعت؟ قلت: جعلها أربعين، فقال لي مثل مقالته الاولى، فرجعت إلى ربي عز وجل فجعلها ثلاثين، فأتيت على موسى عليه السلام فأخبرته، فقال لي مثل مقالته الاولى، فرجعت إلى ربي فجعلها عشرين ثم عشرةً ثم خمسةً، فأتيت على موسى عليه السلام، فقال لي مثل مقالته الاولى، فقلت: إني أستحي من ربي عز وجل أن ارجع إليه، فنودي أن قد أمضيت فريضتي وخففت عن عبادي وأجزي بالحسنة عشر أمثالها‘‘.

چکا ہوں، آپ کی امت اِس کی طاقت نہیں رکھتی۔ لہٰذا آپ اپنے رب کے پاس واپس جائیں اور درخواست کریں کہ اِن میں تخفیف کر دے۔ چنانچہ میں اپنے رب کے پاس واپس آیا اور تخفیف کی گزارش کی۔ اللہ تعالیٰ نے اُسے منظور کرتے ہوئے چالیس نمازیں کر دیں۔ پھر جب میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس واپس پہنچا تو اُنھوں نے پوچھا کہ آپ نے کیا معاملہ کیا ہے؟ میں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے نمازوں کی تعداد چالیس کر دی ہے۔ اِس پر اُنھوں نے مجھ سے وہی بات کہی، جو پہلی بار کہی تھی۔ میں پھر اپنے رب عزوجل کے پاس واپس حاضر ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اُنھیں تیس کر دیا۔ پھر میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچا، اور اُنھیں اِس کی خبر دی۔ اُنھوں نے پھر وہی بات کہی، جو پہلے کہی تھی۔ چنانچہ میں اپنے رب کے پاس واپس گیا تو اُس نے اُنھیں بیس پھر دس اور پھر پانچ کر دیا۔ پھر میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا، تو اُنھوں نے پھر

وہی بات کہی، جو پہلے کہی تھی تو میں نے کہا: (اب مجھے) اپنے رب عزوجل کے پاس (بار بار) جانے سے شرم آ رہی ہے۔ اِس پر ندا آئی: میں نے اپنا فریضہ نافذ کر دیا ہے، اور اپنے بندوں کے لیے تخفیف کر دی ہے اور میں نیکی کا بدلہ دس گنا دیتا ہوں۔"

ضمیمہ 8

ابن شہاب زہری کی حضرت انس بن مالک سے روایت

ابن ماجہ، رقم 1399

حدثنا حرملة بن يحيى المصري، حدثنا عبد الله بن وهب، اخبرني يونس بن يزيد، عن ابن شهاب، عن انس بن مالك، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "فرض الله على أمتي خمسين صلاةً، فرجعت بذلك حتى آتي على موسى، فقال موسى: ماذا افترض ربك على أمتك؟، قلت: فرض علي خمسين صلاةً، قال: فارجع إلى ربك فإن أمتك لا تطيق ذلك، فراجعت ربي، فوضع عني شطرها، فرجعت إلى موسى فاخبرته، فقال: ارجع إلى ربك فإن أمتك لا تطيق ذلك،

"انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے (معراج کی رات) میری امت پر پچاس نمازیں فرض کیں تو میں اُنھیں لے کر لوٹا، یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا۔ اُنھوں نے پوچھا: آپ کے رب نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا ہے؟ میں نے کہا: پچاس نمازیں فرض کی ہیں۔ اُنھوں نے کہا: اپنے رب کے پاس جائیں، کیونکہ آپ کی امت اِنھیں ادا نہ کر سکے گی۔ میں اپنے رب کے پاس واپس گیا تو اُس نے آدھی معاف کر دیں۔ پھر میں

فراجعت ربي، فقال: هي خمس، وهي خمسون، لا يبدل القول لدي، فرجعت إلى موسى، فقال: ارجع إلى ربك، فقلت: قد استحييت من ربي".

موسیٰ علیہ السلام کے پاس واپس آیا، اور اُن سے (تخفیف کے بارے میں) بیان کیا۔ اُنھوں نے کہا: اپنے رب کے پاس دوبارہ واپس جائیں، کیونکہ آپ کی امت اِس کو انجام نہ دے سکے گی۔ چنانچہ میں پھر اپنے رب کے پاس واپس گیا تو اُس نے فرمایا: یہ (ادا کرنے میں) پانچ وقت کی نمازیں ہیں، جو (اجر میں) پچاس نمازوں کے برابر ہیں۔ میرا فرمان تبدیل نہیں ہوتا، اٹل ہوتا ہے۔ اِس کے بعد میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو اُنھوں نے پھر کہا کہ اپنے رب کے پاس واپس جائیں۔ میں نے جواب دیا کہ اب مجھے اپنے رب سے شرم آتی ہے۔"

ضمیمہ 9

قتادہ کی حضرت انس بن مالک سے روایت

ترمذی، رقم 3346

حدثنا محمد بن بشار، حدثنا محمد بن جعفر، وابن أبي عدي، عن سعيد بن أبي عروبة، عن قتادة، عن أنس بن مالك، عن مالك بن صعصعة رجل من قومه، أن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: ”بينما أنا عند البيت بين النائم واليقظان إذ سمعت قائلاً يقول: أحد بين الثلاثة، فأتيت بطست من ذهب فيها ماء زمزم فشرح صدري إلى كذا وكذا“، قال قتادة: قلت لانس بن مالك: ما يعني؟ قال: إلى اسفل بطني،

”انس بن مالک رضی اللہ عنہ اپنی قوم کے ایک شخص مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں بیت اللہ کے پاس (لیٹا ہوا تھا) اور سونے اور جاگنے کی درمیانی کیفیت میں تھا، (یعنی نیم خوابی کے عالم میں تھا)۔ اچانک میں نے ایک کہنے والے کو کہتے ہوئے سنا۔ وہ کہہ رہا تھا: وہ جو تین آدمیوں میں سے ایک ہیں۔ پھر میرے پاس سونے کا ایک طشت لایا گیا۔ اُس میں زم زم کا پانی تھا۔ اُس نے میرے سینے کو یہاں سے

”فاستخرج قلبي فغسل قلبي بماء زمزم ثم أعيد مكانه ثم حشي إيمانًا وحكمةً“، وفي الحديث قصة طويلة.

یہاں تک چاک کیا۔ —— قتادہ کہتے ہیں: میں نے انس رضی اللہ عنہ سے کہا: کہاں تک؟ اُنھوں نے کہا: آپ نے فرمایا: پیٹ کے نیچے تک —— پھر آپ نے فرمایا: اُس نے میرا دل نکال کر اُسے زم زم سے دھویا۔ پھر دل کو اُس کی جگہ پر رکھ دیا گیا اور اُسے ایمان و حکمت سے بھر دیا گیا۔ اِس حدیث میں ایک لمبا قصہ بیان ہوا ہے۔“

ضمیمہ 10

ثابت البنانی کی حضرت انس بن مالک سے روایت

مسلم، رقم 429

حدثنا شيبان بن فروخ، حدثنا حماد بن سلمة، حدثنا ثابت البناني، عن أنس بن مالك، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: "أتيت بالبراق وهو دابة أبيض، طويل فوق الحمار، ودون البغل يضع حافره عند منتهى طرفه، قال: فركبته حتى أتيت بيت المقدس، قال: فربطته بالحلقة التي يربط به الانبياء، قال: ثم دخلت المسجد فصليت فيه ركعتين، ثم خرجت، فجاءني جبريل عليه السلام بإناء من خمر، وإناء من لبن، فاخترت اللبن،

"سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے سامنے براق لایا گیا۔ وہ ایک سفید رنگ کا جانور تھا، جو گدھے سے اونچا اور خچر سے چھوٹا تھا۔ وہ اپنے سم وہاں رکھتا تھا، جہاں تک اُس کی نگاہ پہنچتی تھی۔ میں اُس پر سوار ہوا اور بیت المقدس تک آیا۔ وہاں اُسے اُس کھونٹے سے باندھ دیا، جس سے دوسرے پیغمبر اپنے اپنے جانوروں کو باندھا کرتے تھے۔ پھر میں مسجد کے اندر گیا اور دو رکعت نماز پڑھی۔ اِس کے بعد باہر نکلا تو جبریل علیہ السلام دو برتن لے کر آئے۔ ایک

فقال جبريل: اخترت الفطرة.

برتن میں شراب تھی اور ایک میں دودھ تھا۔ میں نے دودھ پسند کیا تو جبریل علیہ السلام نے کہا کہ آپ نے فطرت کو پسند کیا ہے۔

ثم عرج بنا إلى السماء، فاستفتح جبريل، فقيل: من أنت؟ قال: جبريل، قيل: ومن معك؟ قال: محمد، قيل: وقد بعث إليه؟ قال: قد بعث إليه ففتح لنا، فإذا أنا بآدم فرحب بي، ودعا لي بخير.

پھر جبریل علیہ السلام ہمارے ساتھ آسمان پر چڑھے (جب وہاں پہنچے) تو فرشتوں سے دروازہ کھولنے کے لیے کہا۔ اُنھوں نے پوچھا: آپ کون ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے کہا: جبریل۔ اُنھوں نے کہا: تمھارے ساتھ دوسرا کون ہے؟ جبریل نے کہا: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ فرشتوں نے پوچھا: کیا بلائے گئے ہیں؟ جبریل نے کہا: جی ہاں، اِنھیں بلایا گیا ہے۔ پھر ہمارے لیے دروازہ کھول دیا گیا۔ وہاں ہم نے آدم علیہ السلام کو دیکھا۔ اُنھوں نے مرحبا کہا اور میرے لیے بہتری کی دعا کی۔

ثم عرج بنا إلى السماء الثانية، فاستفتح جبريل عليه السلام، فقيل: من أنت؟ قال: جبريل، قيل: ومن معك؟ قال: محمد، قيل: وقد بعث إليه؟ قال: قد بعث

پھر جبریل علیہ السلام مجھے لے کر دوسرے آسمان پر چڑھے تو فرشتوں سے دروازہ کھولنے کے لیے کہا۔ اُنھوں نے پوچھا: آپ کون ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے کہا: جبریل۔

إليه ففتح لنا، فإذا أنا بابني الخالة عيسى ابن مريم ويحيى بن زكرياء صلوات الله عليهما، فرحبا ودعوا لي بخير.

اُنھوں نے کہا: تمھارے ساتھ دوسرا کون ہے؟ جبریل نے کہا: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ فرشتوں نے پوچھا: کیا بلائے گئے ہیں؟ جبریل نے کہا: جی ہاں، اِنھیں بلایا گیا ہے۔ پھر ہمارے لیے دروازہ کھول دیا گیا۔ دروازہ کھلا تو میں نے دونوں خالہ زاد بھائیوں کو دیکھا، یعنی عیسیٰ بن مریم اور یحییٰ بن زکریا علیہما السلام کو۔ اُنھوں نے مرحبا کہا اور میرے لیے بہتری کی دعا کی۔

ثم عرج بي إلى السماء الثالثة، فاستفتح جبريل، فقيل: من أنت؟ قال: جبريل، قيل: ومن معك؟ قال: محمد صلى الله عليه وسلم، قيل: وقد بعث إليه؟ قال: قد بعث إليه ففتح لنا، فإذا أنا بيوسف عليه السلام، إذا هو قد أعطي شطر الحسن، فرحب ودعا لي بخير.

پھر جبریل علیہ السلام مجھے لے کر تیسرے آسمان پر چڑھے تو فرشتوں سے دروازہ کھولنے کے لیے کہا۔ اُنھوں نے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے کہا: جبریل۔ اُنھوں نے کہا: تمھارے ساتھ دوسرا کون ہے؟ جبریل نے کہا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ فرشتوں نے پوچھا: کیا بلائے گئے ہیں؟ جبریل نے کہا: جی ہاں، اِنھیں بلایا گیا ہے۔ پھر ہمارے لیے دروازہ کھول دیا گیا۔ دروازہ کھلا تو میں نے یوسف علیہ السلام کو دیکھا۔ اللہ نے حسن کا آدھا حصہ اُن کو دے رکھا تھا۔ اُنھوں نے مرحبا کہا اور

میری بہتری کے لیے دعا کی۔

ثم عرج بنا إلى السماء الرابعة، فاستفتح جبريل عليه السلام، قيل: من هذا؟ قال: جبريل، قيل: ومن معك؟ قال: محمد، قال: وقد بعث إليه؟ قال: قد بعث إليه ففتح لنا، فإذا أنا بإدريس، فرحب ودعا لي بخير، قال الله عز وجل: ”وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا“.

پھر جبریل علیہ السلام مجھے لے کر چوتھے آسمان پر چڑھے تو فرشتوں سے دروازہ کھولنے کے لیے کہا۔ اُنھوں نے پوچھا کہ کون ہے؟ جبریل علیہ السلام نے کہا: جبریل۔ اُنھوں نے کہا: تمھارے ساتھ دوسرا کون ہے؟ جبریل نے کہا: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ فرشتوں نے پوچھا: کیا بلائے گئے ہیں؟ جبریل نے کہا: جی ہاں، اِنھیں بلایا گیا ہے۔ پھر ہمارے لیے دروازہ کھول دیا گیا۔ دروازہ کھلا تو میں نے ادریس علیہ السلام کو دیکھا۔ اُنھوں نے مرحبا کہا اور مجھے اچھی دعا دی۔ —اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”ہم نے اٹھالیا ادریس کو اونچی جگہ پر“۔—

ثم عرج بنا إلى السماء الخامسة، فاستفتح جبريل، قيل: من هذا؟ قال: جبريل، قيل: ومن معك؟ قال: محمد، قيل وقد بعث إليه؟ قال: قد بعث إليه ففتح لنا، فإذا أنا بهارون عليه السلام، فرحب ودعا لي بخير.

پھر جبریل علیہ السلام مجھے لے کر پانچویں آسمان پر چڑھے تو فرشتوں سے دروازہ کھولنے کے لیے کہا۔ اُنھوں نے پوچھا کہ کون ہے؟ جبریل علیہ السلام نے کہا: جبریل۔ اُنھوں نے کہا: تمھارے ساتھ دوسرا کون ہے؟ جبریل نے کہا: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ فرشتوں نے

پوچھا: کیا بلائے گئے ہیں؟ جبریل نے کہا: جی ہاں، اِنھیں بلایا گیا ہے۔ پھر ہمارے لیے دروازہ کھول دیا گیا۔ دروازہ کھلا تو میں نے ہارون علیہ السلام کو دیکھا۔ اُنھوں نے مرحبا کہا اور مجھے نیک دعا دی۔

ثم عرج بنا إلى السماء السادسة، فاستفتح جبريل عليه السلام، قيل: من هذا؟ قال: جبريل، قيل: ومن معك؟ قال: محمد، قيل: وقد بعث إليه؟ قال: قد بعث إليه ففتح لنا، فإذا أنا بموسى عليه السلام، فرحب ودعا لي بخير.

پھر جبریل علیہ السلام مجھے لے کر چھٹے آسمان پر پہنچے تو فرشتوں سے دروازہ کھولنے کے لیے کہا۔ اُنھوں نے پوچھا کہ کون ہے؟ جبریل علیہ السلام نے کہا: جبریل۔ اُنھوں نے کہا: تمھارے ساتھ دوسرا کون ہے؟ جبریل نے کہا: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ فرشتوں نے پوچھا: کیا بلائے گئے ہیں؟ جبریل نے کہا: جی ہاں، اِنھیں بلایا گیا ہے۔ پھر ہمارے لیے دروازہ کھول دیا گیا۔ دروازہ کھلا تو میں نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا۔ اُنھوں نے مرحبا کہا اور مجھے اچھی دعا دی۔

ثم عرج إلى السماء السابعة، فاستفتح جبريل، فقيل: من هذا؟ قال: جبريل، قيل: ومن معك؟ قال: محمد صلى الله عليه

پھر جبریل علیہ السلام مجھے لے کر ساتویں آسمان پر چڑھے تو فرشتوں سے دروازہ کھولنے کے لیے کہا۔ اُنھوں نے پوچھا کہ کون ہے؟ جبریل علیہ

وسلم، قيل: وقد بعث إليه؟ قال: قد بعث إليه ففتح لنا، فإذا أنا بإبراهيم عليه السلام مسندًا ظهره إلى البيت المعمور، وإذا هو يدخله كل يوم سبعون الف ملك، لا يعودون إليه.

السلام نے کہا: جبریل۔ اُنھوں نے کہا: تمھارے ساتھ دوسرا کون ہے؟ جبریل نے کہا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ فرشتوں نے پوچھا: کیا بلائے گئے ہیں؟ جبریل نے کہا: جی ہاں، اِنھیں بلایا گیا ہے۔ پھر ہمارے لیے دروازہ کھول دیا گیا۔ دروازہ کھلا تو میں نے ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا۔ وہ بیت المعمور سے تکیہ لگائے ہوئے تھے۔ اور اِس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے جاتے ہیں، جو پھر کبھی نہیں آتے۔

ثم ذهب بي إلى السدرة المنتهى، وإذا ورقها كآذان الفيلة، وإذا ثمرها كالقلال، قال: فلما غشيها من أمر الله ما غشي تغيرت، فما أحد من خلق الله يستطيع أن ينعتها من حسنها، فأوحى الله إلي ما أوحى، ففرض علي خمسين صلاةً في كل يوم وليلة.

پھر جبریل علیہ السلام مجھ کو سدرۃ المنتہیٰ کے پاس لے گئے۔ اُس کے پتے اتنے بڑے تھے، جیسے ہاتھی کے کان اور اُس کے بیر بڑے بڑے گھڑوں جیسے تھے۔ پھر جب اِس درخت کو اللہ کے حکم سے ڈھانکا گیا تو اُس کی خوب صورتی ناقابل بیان ہو گئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں جو کچھ ڈالنا چاہا، ڈال دیا اور دن رات میں مجھ پر پچاس نمازیں فرض کیں۔

فنزلت إلى موسى عليه السلام، فقال: ما فرض ربك على أمتك؟

جب میں واپس اترا اور موسیٰ علیہ السلام تک پہنچا تو اُنھوں نے پوچھا:

قلت: خمسين صلاةً، قال: ارجع إلى ربك فاسأله التخفيف، فإن أمتك لا يطيقون ذلك، فإني قد بلوت بني إسرائيل وخبرتهم، قال: فرجعت إلى ربي، فقلت: يا رب، خفف على أمتي، فحط عني خمسًا، فرجعت إلى موسى، فقلت: حط عني خمسًا، قال: إن أمتك لا يطيقون ذلك، فارجع إلى ربك فاسأله التخفيف، قال: فلم أزل أرجع بين ربي تبارك وتعالى، وبين موسى عليه السلام، حتى قال: يا محمد، إنهن خمس صلوات كل يوم وليلة، لكل صلاة عشر، فذلك خمسون صلاةً ومن هم بحسنة، فلم يعملها، كتبت له حسنةً، فإن عملها، كتبت له عشرًا، ومن هم بسيئة فلم يعملها، لم تكتب شيئًا، فإن عملها، كتبت سيئةً واحدةً".

پروردگار نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا ہے؟ میں نے کہا: پچاس نمازیں فرض کی ہیں۔ اُنھوں نے کہا: پھر اپنے پروردگار کے پاس واپس لوٹ جایئے اور اِن میں تخفیف کی درخواست کیجیے۔ کیونکہ آپ کی امت میں اِتنی طاقت نہیں ہے اور میں بنی اسرائیل کو اِس معاملے میں آزما چکا ہوں۔ چنانچہ میں اپنے پروردگار کے پاس واپس گیا اور عرض کیا: اے پروردگار، تخفیف کر میری امت پر۔ اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں کم کر دیں۔ میں واپس موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور کہا کہ پانچ نمازیں اللہ تعالیٰ نے مجھے معاف کر دی ہیں۔ اُنھوں نے کہا: آپ کی امت کو اِتنی طاقت نہ ہو گی، آپ اپنے رب کے پاس پھر جائیں اور تخفیف کی درخواست کریں۔ میں اِسی طرح لگاتار اپنے پروردگار اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان آتا جاتا رہا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد، ہر دن اور رات میں یہ پانچ نمازیں ہیں اور ہر ایک نماز میں دس نمازوں کا اجر شامل ہے، یعنی وہی پچاس نمازیں

ہوئیں۔ اور اگر کوئی شخص اچھے کام کی نیت کرے، مگر اُسے کر نہ سکے تو اُسے ایک نیکی کا ثواب ملے گا اور جو اُس کو کر پائے گا، اُسے دس نیکیوں کا ثواب ملے گا۔ اگر کوئی شخص برائی کی نیت کرے گا اور برائی نہ کر سکے گا تو اِس پر کچھ نہ لکھا جائے گا اور اگر برائی کر بیٹھے تو ایک ہی برائی لکھی جائے گی۔

قال: ”فنزلت حتى انتهيت إلى موسى عليه السلام، فأخبرته، فقال: ارجع إلى ربك فاسأله التخفيف، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: فقلت: قد رجعت إلى ربي حتى استحييت منه“.

نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: پھر میں واپس اترا اور موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچا اور انھیں اس کی خبر دی تو اُنھوں نے کہا: پھر جائیں اپنے پروردگار کے پاس اور مزید تخفیف کی درخواست کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اپنے پروردگار کے پاس بار بار جا کر اب شرم محسوس کرتا ہوں۔“

ضمیمہ 11

صحاح کی پانچ بنیادی روایتوں کا تقابلی جدول

روایت	بخاری، رقم7517	بخاری، رقم349	بخاری، رقم3887	مسلم، رقم429	نسائی، رقم448
کتاب	کتاب التوحید	کتاب الصلوٰۃ	مناقب الانصار	کتاب الایمان	کتاب الصلوٰۃ
روایت کا درجہ	صحیح	صحیح	صحیح	صحیح	صحیح
صحابی راوی	حضرت انس بن مالکؓ	حضرت انس بن مالکؓ۔ حضرت ابوذر غفاریؓ	حضرت انس بن مالکؓ۔ حضرت مالک بن صعصعہؓ	حضرت انس بن مالکؓ	حضرت انس بن مالکؓ۔ حضرت مالک بن صعصعہؓ
تابعی راوی	شریک بن عبداللہ	ابن شہاب	قتادہ	ثابت البنانی	قتادہ

روایت	بخاری، رقم7517	بخاری، رقم349	بخاری، رقم3887	مسلم، رقم429	نسائی، رقم448
معراج سے پہلے تین فرشتوں کی آمد	ایک رات تین فرشتے آئے، آپؐ کو پہچانا اور پھر واپس چلے گئے	–	–	–	–
معراج کا وقت	رات	–	–	–	–
رسول اللہ کی موجودگی	مسجد الحرام	آپؐ کا گھر (مکہ)	حطیم مسجد الحرام	–	کعبہ کے قریب
گھر کی چھت کا کھلنا	آپؐ کے گھر کی چھت کھولی گئی				
رسول اللہؐ کی کیفیت	آپؐ سو رہے تھے مگر دل جاگ رہا تھا	–	آپؐ سوئے ہوئے تھے	–	آپؐ سونے اور جاگنے کی ملی جلی کیفیت میں تھے

روایت	بخاری، رقم 7517	بخاری، رقم 349	بخاری، رقم 3887	مسلم، رقم 429	نسائی، رقم 448
فرشتے کی آمد		جبریلؑ آئے	جبریلؑ آئے		ایک فرشتہ آیا
شق صدر	*فرشتے آپؐ کو اٹھا کر زم زم کنویں پر لے گئے *جبریلؑ نے سینہ کھولا۔پانی سے اندرون دھویا *سینے کو ایمان و حکمت سے بھر کر بند کر دیا	* جبریلؑ نے سینہ کھولا *زم زم سے دھویا * ایمان سے بھرا طشت اندر رکھ کر اسے بند کر دیا	* جبریلؑ نے سینہ کھولا *دل نکال کر طشت میں رکھا *پھر دھو کر واپس رکھ دیا		* سینہ کھولا گیا *دل زم زم سے دھویا *پھر اسے ایمان و حکمت سے بھر دیا
براق پر سواری	-	-	آپؐ براق پر سوار ہوئے	آپؐ براق پر سوار ہوئے	آپؐ براق پر سوار ہوئے

روایت	بخاری، رقم7517	بخاری، رقم349	بخاری، رقم3887	مسلم، رقم429	نسائی، رقم448
بیت المقدس کا مشاہدہ	-	-	-	آپؐ بیت المقدس پہنچے * آپؐ نے براق کو مسجد کے باہر حلقے سے باندھا * دو رکعت نماز پڑھی * آپؐ کو دودھ اور شراب پیش کی گئی، آپؐ نے دودھ کا انتخاب کیا	

روایت	بخاری، رقم 7517	بخاری، رقم 349	بخاری، رقم 3887	مسلم، رقم 429	نسائی، رقم 448
آسمان کی طرف معراج (چڑھنا)	*جبریلؑ آپؐ کو لے کر آسمان دنیا کی طرف چڑھے	*جبریلؑ آپؐ کا ہاتھ پکڑ کرآسمان کی طرف چڑھے	* آپؐ اور جبریلؑ آسمان کی طرف چڑھے	* آپؐ اور جبریلؑ آسمان کی طرف چڑھے	* آپؐ اور جبریلؑ آسمان کی طرف چڑھے
پہلے آسمان کا مشاہدہ	*پہلے آسمان پر آپؐ کو آدمؑ سے ملایا گیا *یہاں آپؐ نے نیل و فرات کو نہروں کی شکل میں دیکھا * آپؐ نے نہر کوثر بھی دیکھی	*پہلے آسمان پر آپؐ کو آدمؑ سے ملایا گیا * آدمؑ کے دائیں بائیں ان کی اولاد کی نیک اور بری روحوں کے جھنڈ تھے	*پہلے آسمان پر آپؐ کو آدمؑ سے ملایا گیا	*پہلے آسمان پر آپؐ کو آدمؑ سے ملایا گیا	*پہلے آسمان پر آپؐ کو آدمؑ سے ملایا گیا

روایت	بخاری، رقم7517	بخاری، رقم349	بخاری، رقم3887	مسلم، رقم429	نسائی، رقم448
دوسرے آسمان کا مشاہدہ	دوسرے آسمان پر آپؐ نے حضرت ادریسؑ کو دیکھا	حضرت ادریسؑ، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت موسیٰؑ سے مختلف آسمانوں پر ملاقاتیں	دوسرے آسمان پر آپؐ کو عیسیٰؑ اور یحییٰؑ سے ملایا گیا	دوسرے آسمان پر آپؐ کو عیسیٰؑ اور یحییٰؑ سے ملایا گیا	دوسرے آسمان پر آپؐ کو عیسیٰؑ اور یحییٰؑ سے ملایا گیا
تیسرے آسمان کا مشاہدہ	-		تیسرے آسمان پر آپؐ کو یوسفؑ سے ملایا گیا	تیسرے آسمان پر آپؐ کو یوسفؑ سے ملایا گیا	تیسرے آسمان پر آپؐ کو یوسفؑ سے ملایا گیا
چوتھے آسمان کا مشاہدہ	چوتھے آسمان پر آپؐ نے ہارونؑ کو دیکھا		چوتھے آسمان پر آپؐ کو ادریسؑ سے ملایا گیا	چوتھے آسمان پر آپؐ کو ادریسؑ سے ملایا گیا	چوتھے آسمان پر آپؐ کو ادریسؑ سے ملایا گیا

روایت	بخاری، رقم 7517	بخاری، رقم 349	بخاری، رقم 3887	مسلم، رقم 429	نسائی، رقم 448
پانچویں آسمان کا مشاہدہ	پانچویں آسمان پر آپؐ نے کسی اور نبی کو دیکھا		پانچویں آسمان پر آپؐ کو ہارونؑ سے ملایا گیا	پانچویں آسمان پر آپؐ کو ہارونؑ سے ملایا گیا	پانچویں آسمان پر آپؐ کو ہارونؑ سے ملایا گیا
چھٹے آسمان کا مشاہدہ	چھٹے آسمان پر آپؐ نے ابراہیمؑ کو دیکھا	چھٹے آسمان پر آپؐ ابراہیمؑ سے ملے	چھٹے آسمان پر آپؐ موسیٰؑ سے ملے	چھٹے آسمان پر آپؐ موسیٰؑ سے ملے	چھٹے آسمان پر آپؐ موسیٰؑ سے ملے
ساتویں آسمان کا مشاہدہ	ساتویں آسمان پر آپؐ نے حضرت موسیٰؑ کو دیکھا	-	ساتویں آسمان پر آپؐ کو ابراہیمؑ سے ملایا گیا	ساتویں آسمان پر آپؐ ابراہیمؑ سے ملے۔ وہ بیت المعمور سے ٹیک لگائے ہوئے تھے	ساتویں آسمان پر آپؐ ابراہیمؑ سے ملے۔ پھر آپؐ بیت المعمور کے قریب ہوئے

ضمیمہ 11

روایت	بخاری، رقم 7517	بخاری، رقم 349	بخاری، رقم 3887	مسلم، رقم 429	نسائی، رقم 448
سدرۃ المنتہیٰ کا مشاہدہ	آپؐ سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے		* آپؐ کے سامنے سدرۃ المنتہیٰ لائی گئی * آپؐ نے نیل و فرات کو نہروں کی شکل میں دیکھا * بیت المعمور کو آپؐ کے سامنے لایا گیا * آپؐ کو دودھ اور شراب پیش کی گئی۔ آپؐ نے دودھ کا انتخاب کیا	آپؐ سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے	* آپؐ کے سامنے سدرۃ المنتہیٰ لائی گئی * وہاں آپؐ نے نیل و فرات کو نہروں کی شکل میں دیکھا

روایت	بخاری، رقم7517	بخاری، رقم349	بخاری، رقم3887	مسلم، رقم429	نسائی، رقم448
مزید بلندی پر فرشتوں کے قلم کی آواز	–	آپؐ بلندی پر گئے تو فرشتوں کے قلم کی آواز سنی	–	–	–
تقرب الٰہی	آپؐ ذات باری کے اتنے قریب ہوئے، جیسے کمان کے دو کنارے	–	–	–	–
اللہ کا آپؐ پر وحی کرنا	اللہ نے آپؐ پر وحی کی	–	–	اللہ نے آپؐ پر وحی کی	–
پچاس نمازوں کی فرضیت	اللہ نے آپؐ پر پچاس نمازیں فرض کیں	آپؐ پر پچاس نمازیں فرض ہوئیں	اللہ نے آپؐ پر پچاس نمازیں فرض کیں	اللہ نے آپؐ پر پچاس نمازیں فرض کیں	اللہ نے آپؐ پر پچاس نمازیں فرض کیں

روایت	بخاری، رقم 7517	بخاری، رقم 349	بخاری، رقم 3887	مسلم، رقم 429	نسائی، رقم 448
واپسی پر حضرت موسیٰؑ کا نمازوں میں کمی کا مشورہ	واپسی پر موسیٰؑ نے نمازوں میں کمی کرانے کا مشورہ دیا	واپسی پر موسیٰؑ نے نمازوں میں کمی کرانے کا مشورہ دیا	واپسی پر موسیٰؑ نے نمازوں میں کمی کرانے کا مشورہ دیا	موسیٰؑ نے نمازوں میں کمی کرانے کا مشورہ دیا	موسیٰؑ نے نمازوں میں کمی کرانے کا مشورہ دیا
اللہ کے حضور نمازیں کم کرنے کی درخواست	آپؐ اللہ کے پاس واپس گئے اور نمازیں کم کرنے کی درخواست کی	آپؐ اللہ کے پاس واپس گئے اور نمازیں کم کرنے کی درخواست کی	آپؐ اللہ کے پاس واپس گئے اور نمازیں کم کرنے کی درخواست کی	آپؐ اللہ کے پاس واپس گئے اور نمازیں کم کرنے کی درخواست کی	آپؐ اللہ کے پاس واپس گئے اور نمازیں کم کرنے کی درخواست کی
نمازوں میں تخفیف	10 نمازیں کم کی گئیں	کچھ نمازیں کم کی گئیں	10 نمازیں کم کی گئیں	5 نمازیں کم کی گئیں	10 نمازیں کم کی گئیں
موسیٰؑ کا مزید تخفیف کا مشورہ	حضرت موسیٰؑ نے آپؐ کو دوبارہ وہی مشورہ دیا	حضرت موسیٰؑ نے آپؐ کو دوبارہ وہی مشورہ دیا	حضرت موسیٰؑ نے آپؐ کو دوبارہ وہی مشورہ دیا	حضرت موسیٰؑ نے آپؐ کو دوبارہ وہی مشورہ دیا	حضرت موسیٰؑ نے آپؐ کو دوبارہ وہی مشورہ دیا

روایت	بخاری، رقم 7517	بخاری، رقم 349	بخاری، رقم 3887	مسلم، رقم 429	نسائی، رقم 448
آپؐ کی طرف سے مشورے کی قبولیت	آپؐ مشورہ قبول کر کے پھر اللہ کے پاس پہنچے	آپؐ مشورہ قبول کر کے پھر اللہ کے پاس پہنچے	آپؐ مشورہ قبول کر کے پھر اللہ کے پاس پہنچے	آپؐ مشورہ قبول کر کے پھر اللہ کے پاس پہنچے	آپؐ مشورہ قبول کر کے پھر اللہ کے پاس پہنچے
موسیٰؑ کا بار بار مشورہ اور آپؐ کا بار بار لوٹنا	موسیٰؑ کے مشورے پر آپؐ بار بار لوٹتے رہے	موسیٰؑ کے مشورے پر آپؐ بار بار لوٹتے رہے	موسیٰؑ کے مشورے پر آپؐ بار بار لوٹتے رہے	موسیٰؑ کے مشورے پر آپؐ بار بار لوٹتے رہے	موسیٰؑ کے مشورے پر آپؐ بار بار لوٹتے رہے
بالآخر پانچ نمازوں کی فرضیت	بالآخر اللہ نے دس گنا اجر کے ساتھ پانچ نمازیں فرض کیں	بالآخر اللہ نے دس گنا اجر کے ساتھ پانچ نمازیں فرض کیں	بالآخر اللہ نے پانچ نمازیں فرض کیں	بالآخر اللہ نے دس گنا اجر کے ساتھ پانچ نمازیں فرض کیں	بالآخر اللہ نے پانچ نمازیں فرض کیں۔ ایک نیکی کے بدلے دس نیکیوں کا ثواب
نمازوں کی فرضیت کے بعد سدرۃ		پھر جبریلؑ آپؐ کو سدرۃ المنتہٰی پر			

المنتہیٰ کا مشاہدہ		لے گئے			
جنت کا مشاہدہ		پھر آپؐ نے جنت کا مشاہدہ کیا			
آپؐ کا نیند سے بیدار ہونا	آپؐ نیند سے بیدار ہوئے تو مسجد الحرام میں تھے				

''اسرا و معراج'' کے بارے میں عام تصور یہ ہے کہ یہ ایک ہی موقعے کا سفر ہے، جو رات کے وقت عالم بیداری میں ہوا اور مسجدِ حرام سے شروع ہو کر مسجدِ اقصیٰ تک اور وہاں سے ملاے اعلیٰ تک پہنچ کر مکمل ہوا۔ جناب جاوید احمد غامدی کے نزدیک یہ ایک واقعہ نہیں، بلکہ چار مختلف واقعات ہیں۔ 'واقعۂ اسرا'، 'واقعۂ سدرہ'، 'واقعۂ قاب قوسین' اور 'واقعۂ معراج'۔ اِن میں سے دو عالم رؤیا میں اور دو عالم بیداری میں رونما ہوئے ہیں۔ یہ چاروں واقعات مِن جانبِ اللہ ہیں۔ اِن کی نوعیت آیاتِ الٰہی کی اور اِن کی حقیقت وحی و الہام کی ہے۔ اِن میں مذکور اخبار و اطلاعات اور واقعات و مشاہدات کا تعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منصبِ نبوت و رسالت سے ہے۔ اِنھیں اِسی کے تناظر میں سمجھنا چاہیے اور فقط نصوص کی تفہیم تک محدود رہنا چاہیے۔ اِن کے بارے میں نہ کوئی خیال آرائی اور داستاں سرائی کرنی چاہیے اور نہ انسانی علوم و فنون اور تجربات و مشاہدات کو بنیاد بنا کر اِن کے انکار کی راہ ڈھونڈنی چاہیے۔

سید منظور الحسن کی پیدایش 20 اپریل 1965 کو جنوبی پنجاب (پاکستان) کے شہر بہاول نگر میں ہوئی۔ والد سید محمد حسن شاہ تصوف کے سلسلۂ قادریہ کی مقامی خانقاہ کے سجادہ نشین تھے۔ گورنمنٹ سٹی ہائی اسکول بہاول نگر سے میٹرک اور گورنمنٹ کالج بہاول نگر سے بی اے کا امتحان پاس کیا۔ بعد ازاں پنجاب یونیورسٹی لاہور سے ایم اے سیاسیات اور اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور سے ایم اے اسلامیات کی ڈگریاں حاصل کیں۔ جی سی یونیورسٹی لاہور کے شعبۂ عربی و اسلامیات سے ایم فل بھی مکمل کیا۔ ادب، سائنس اور اسلام کی بنیادی تعلیم اپنے شہر کے جید عالم اور عالی مرتبت استاد جناب محمد نذر صاحب سے حاصل کی۔ اُنھی کا فیض تربیت مدرسۂ فراہی کے جلیل القدر عالم اور محقق امام العصر جناب جاوید احمد غامدی کی دانش گاہ تک رسائی کا باعث بنا۔ اُن سے شرفِ تلمذ کا سلسلہ 1991ء سے قائم ہے۔ طالبِ علمی کے زمانے میں جن اساتذہ سے علوم و فنون کا اکتساب کیا، اُن میں سب سے نمایاں نام اردو اور عربی زبان و ادب کے نابغۂ روزگار ڈاکٹر خورشید رضوی کا ہے۔ اُن کے علاوہ ڈاکٹر سید سلطان شاہ، ڈاکٹر فاروق حیدر، ڈاکٹر حسن عسکری رضوی، ڈاکٹر جہانگیر تمیمی، جناب محمد رفیع مفتی اور جناب محمد ظفر عادل سے بھی کسبِ فیض کا موقع ملا۔ 'ادارۂ علم و تحقیق، المورد' کے فیلو ہیں اور 'غامدی سینٹر آف اسلامک لرننگ، امریکہ' کے مختلف تصنیفی اور تعلیمی منصوبوں میں شریک ہیں۔ ماہنامہ ''اشراق'' امریکہ کی ادارت کے فرائض بھی انجام دے رہے ہیں۔

Ghamidi Center of Islamic Learning
www.ghamidi.org
AN INITIATIVE OF AL-MAWRID US